شیطانوں کی جنت
www.pdfbooksfree.pk
شیخ الیاس

فہرست

خون آشام چڑیل

آج میں جینٹیے کو دیکھنے گئی تھی۔ تقریباً ایک سال قبل سے لے جایا گیا تھا اور اب تک میں اسے دیکھنے کے لئے نہ جاسکتی تھی۔ اس تمام عرصے میں وہ مجھ پر جو وقت مسلط رہی اور اس کے ساتھ ساتھ کیلڈر کاٹیج کی اس خوفناک رات کی یاد نے بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا..... وہ خوفناک رات۔

آج میں گئی لیکن جینٹے کو نہ دیکھ سکی۔ اس کمرے کا دروازہ جس میں اس کی موجودگی کا یقین دلایا گیا۔ بالکل کھلا ہوا تھا۔ لیکن مجھ میں اندر جانے کی ہمت نہ تھی۔ آخر میں نے ہمت کرکے اندر جھانکا اور جو کچھ دیکھا اس نے مجھے مضطرب کر دیا۔ وہاں کوئی پہلے سے موجود تھا۔ ایک عورت میں الٹے پاؤں واپس ہونے کو تھی' یکایک مجھے خیال آیا کہ تنہائی میں جینٹے کو دیکھنا میرے لئے ممکن ہی نہیں ہو سکتا اور میں نے مڑ کر کمرے میں داخل ہونا چاہا۔ عین اس وقت میری اس عورت سے آنکھیں چار ہوئیں۔

یہ عورت مگدا کاڈر تھی۔

میں تعجب' خطرے اور دہشت کے احساس کے تحت پلٹ پڑی اور سوچا کہ وہ مجھے پہچان نہ سکی ہوگی۔ درحقیقت میں اس کے مغموم چہرے کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکی تھی اور اگرچہ میں جانتی تھی کہ جو کچھ ہوا ہے اور وہ اس کے لئے مجھے موردالزام قرار نہیں دے سکتی۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ میں نے وہی کیا ہے جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ پھر بھی میں احساس جرم' اضطراب اور مغمومیت کا شکار تھی مغمومیت اس کے لئے' اپنے لئے اور جو کچھ ہو چکا تھا اس کے باوجو جینٹے کے لئے بھی!

جینٹیے کی روانگی کے بعد سے ایک بار بار نظر آنے والا خواب میرے لئے اضطراب اور پریشان کا موجب بنا ہوا ہے۔ اس خواب کی ابتدا میرے اور نارمن کے کیلڈر کاٹیج میں آمد سے ہوتی ہے۔ میں خواب میں اس وحشت ناک اور منحوس مکان کو دیکھتی ہوں جو بتدریج ایک شخصیت کا روپ دھار لیتا ہے۔ اس کا عظیم الشان سامنے کا حصہ ایک چہرے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چہرہ مکار! دہشت خیز ضدی اور پر امید' جیسے ہم اس کی بھوک کا ایندھن بننے والے ہوں۔

ان خوابوں میں میں عموماً دیوانوں کی طرح اپنے بچاؤ کی کوشش میں مصروف نظر آتی ہوں۔ تاکہ ان بلاؤں سے بچنے میں کامیاب ہو جاؤں جو ہمارے سامنے کیلڈر کاٹیج میں مقیم ہیں۔

تعجب خیز امر یہ ہے کہ عالم بیداری کے تمام واقعات و حادثات کی ابتدا بھی ایک خواب ہی سے ہوئی۔ جی ہاں ایک خواب جو میں نے کیلڈر کاٹیج میں آنے سے صرف ایک دن قبل دیکھا تھا۔ یہ خواب ایک تباہی کا خواب تھا جو مستقبل پر روشنی ڈالتا تھا۔ اس خوفناک خواب میں مستقبل کی جس خوفناک تباہی کی پیش نمائی کی گئی تھی اس کا میری طبیعت پر بہت دیر تک اثر رہا تھا اور سسکیاں لیتی ہوئی جاگی تھی۔ میرے اسی حال کو دیکھ کر نارمن نے مجھے بازوؤں میں بھینچ کر تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔ "پہلوی لوری یہ تو صرف ایک خواب تھا۔"

ہمیں یہ احساس تھا کہ وہ خواب ایک قسم کا انتباہ تھا لیکن ہم دونوں میں کوئی اس وقت خواب کی علامتوں کا تجزیہ کرنے کا اہل نہ تھا اور صبح کو میں نارمن جیسے مصور کی نو عروس ہونے کی خوشی میں اس خواب کو بھول گئی۔

نارمن کیلیفورنیا کا رہنے والا تھا۔ اور میرا مکان نیویارک میں تھا۔ اور یہ محض اتفاق یا نوشت تقدیر تھا کہ میں نارمن کی تصاویر کی نمائش کی رپورٹ مرتب کرنے کی غرض سے کیلیفورنیا بھیجی گئی۔ یہ نارمن سے میری پہلی ملاقات تھی۔

نارمن کہتا ہے کہ اس نے مجھے دیکھتے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے اس وقت تک نیویارک واپس نہ جانے دے گا جب تک کہ میں اس سے شادی کا وعدہ نہ کر لوں۔ چنانچہ میری انگلی میں شادی کی یاقوت جڑی انگوٹھی پہناتے ہی وہ رہائش کے لئے مناسب مکان کی تلاش کی خاطر کیلیفورنیا چلا گیا اور پھر خدا جانے کس دباؤ کے زیر اثر اس نے ایک چھوٹے سے قصبے وسکا بیونا میں آبادی سے دور ایک مکان منتخب کیا اور پھر جیسے اس مکان کی جنت میں گرفتار ہو گیا۔

"پوری، میں یہاں اپنی شاہکار تصویر بناؤں گا۔" اس نے کہا، "شاہکار تصویر! میں اسے جانتا ہوں، اسے محسوس کرتا ہوں اس مکان میں ایک کمرے کو میں نے تصویر کشی کے لئے منتخب کیا ہے۔ میں تمہیں نہیں دکھا سکتا۔ یقیناً یہ بات پاگل پن کی نوعیت رکھتی ہے لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کمرہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ میرا انتظار!"

"اور باقی کمروں کے لئے کیا کیا جائے؟" میں نے سوال کیا۔

"سب کچھ ہو جائے گا۔" نارمن نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں تو تمہیں صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ مکان کا ہر کمرہ پہلے سے آراستہ ہے۔ مسز نیلسن اس مکان کی صفائی اور

نگہداشت کی ذمہ دار تھی اور اسے کیلڈر کاٹیج کہا جاتا ہے۔"

گلونا بیچ کی سمت کار ڈرائیو کرتے وقت مجھے اور نارمن کو ٹیلی پیتھی کے ایسے پیغامات موصول ہوئے جنہوں نے آنے والے دور کے واقعات میں خاص حصہ لیا۔ اگرچہ لنچ کا وقت نہیں ہوا تھا لیکن راستے میں "میکسیکو ہٹ" نامی کیفے کا بورڈ دیکھ کر مجھے میکسیکو یاد آ گیا۔ اور میں سوچنے لگی کہ ابھی کافی عرصے تک ہمیں وہاں جانے کا موقع نہ ملے گا۔ اس وقت نارمن، مصوروں کی اس کے متعلق گفتگو کر رہا تھا جس کے لئے لگونا بیچ کا علاقہ منتخب ہو چکا تھا، وہ یکایک خاموش ہو گیا اور موٹر گھما کر کیفے کے سامنے پہنچ گیا۔

"تم یہاں ٹھہرنا چاہتی تھی۔" اس نے کہا۔ "میں نے تمہارے خیال کو محسوس کر لیا تھا۔"

لنچ سے فارغ ہو کر نارمن نے پھر ساحل کے قریب طویل سڑک پر کار ڈرائیو کرنا شروع کر دی۔ ہم نہایت مسرور اور خوش تھے۔ میں نے نارمن کو چھیڑنے کے لئے اس مکان کے متعلق باتیں پوچھیں لیکن اس نے جو کچھ بتایا وہ اس کی پر اسراریت میں اور بھی اضافے کا باعث تھا۔ یکایک مجھ پر غیر محسوس قسم کی کیفیت طاری ہو گئی اور ہم نے یہ سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ یکایک مجھ پر اسی ہیبت کا سبب ظاہر ہوا۔ میں نارمن سے باتیں کرتے ہوئے بائیں جانب سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ اور اس وقت سمندر افق پر وہ خوفناک اور رنگ برنگے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جیسے میں نے خواب میں دیکھے تھے۔

"یہ اتفاق کی بات ہے۔" میں نے اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ آسمانی فضا اور بادل دونوں میں میرے خواب سے مناسبت سہی۔ لیکن ضروری نہیں کہ گھر واپس ہوتے ہوئے، میں محض اس ہیبت ناک طوفان کی وجہ سے سیر کی خوشیاں غارت کر لوں۔

"میرے خیال میں ہمیں پہلی فرصت میں میکسیکو چلنا چاہئے۔ میں نے کہا میرا خیال تھا کہ میکسیکو کی مسرتیں --- میرے ذہن سے خواب کی دہشت کو دور کر دیں گی۔

"بے شک ہم کبھی نہ کبھی وہاں ضرور چلیں گے لیکن بہت سے ایسے مقامات ہیں جو میں پہلے تمہیں دکھانا چاہتا ہوں۔ مثلاً فرانس، اٹلی، جرمنی، اور اسپین وغیرہ---"

وہ اچانک خاموش ہو گیا۔

میں نے کنکھیوں سے اسے دیکھا تو وہ زرد پڑ گیا تھا اور اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے۔

"کیا بات ہے نارمن؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں لوری!" اس نے غائب دماغی کے لہجے میں کہا، جیسے وہ کسی ہولناک واقعہ کی یاد میں محو ہو، پھر وہ اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا اور میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا:

"یہ صرف ایک احمقانہ بات تھی جس کی یاد اس وقت مجھ پر مسلط ہو گئی تھی۔
یہ دراصل اسپین کے ساحل پر پیش آنے والا ایک واقعہ تھا۔ جو مجھے یاد آگیا۔ حالانکہ میں نے اسے آج تک یاد نہیں کیا تھا نارمن نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

.....یہ واقعہ مجھے اس وقت پیش آیا جب میں پیرس میں آرٹ کا طالب علم تھا۔ میں آرٹ کے دوسرے طلباء کے ساتھ اسپین کے ساحل پر چھٹیاں گزارنے گیا ہوا تھا۔ اس کے ہم سفروں میں جوان مرد بھی تھے اور عورتیں بھی اور سب کے سب عاشقانہ مزاج رکھنے کی وجہ سے "قلندران محبت" بنے ہوئے تھے۔ ایک خاص دشواری یہ بھی تھی کہ ہم سب کے پاس کافی روپیہ تھا۔ لہٰذا ہر احمقانہ خواہش کی تکمیل ممکن تھی۔ یہ میری زندگی میں بڑا اہم وقت تھا۔"

ایک سہ پہر کا ہم سب' سڑک کے کنارے ایک کیفے میں بیٹھے سرخ رنگ کا تلخ شراب پی رہے تھے اور مسلسل قہقہے لگا رہے تھے' جس کا سبب جوانی' صحت اور ہر قسم کے بے فکری کے سوا کچھ نہ تھا' اچانک چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی ایک بڑھیا آئی اور میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی میں اس کا مرکز نظر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک گندی فقیرنی کی یہ جسارت میرے لئے تکلیف دہ تھی' اچانک اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا:

"تم سچے اور عظیم آرٹسٹ ہو' ایک دن تمہارا دنیا میں نام روشن ہو گا۔ لیکن وہ تصویر جو تمہارے نام کو غیرفانی بنا دے گی۔ تم سے تمہاری محبوب ترین شے چھین لے جو ان آدمی خوابوں کا تعاقب نہ کرو بلکہ اور پائندہ چیز کے پیچھے پیچھے چلو' مرے ہوئے کے عقب میں چلنے سے گریز کرو گے تو تم اس ہولناک تقدیر کے شر سے محفوظ ہو گے جو مجھے تمہاری پیشانی میں دکھائی دے رہی ہے۔"

بڑھیا کے الفاظ سے سب کے جسموں میں سنسنی دوڑ گئی' پھر ایک لڑکی نے سہمے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا کہ یہ سب کچھ اسے کیونکر معلوم ہوا۔

"میں ایک خانہ بدوش ہوں' مجھ میں یہ صلاحیت ہے کہ مجھے وہ تمام باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن کے متعلق میں سوچتی ہوں کہ کاش وہ مجھے معلوم نہ ہوتیں۔"

"کیا تم ہماری قسمت کا حال بتاؤ گی؟" بہت سے لڑکوں نے ہم آہنگ ہو کر اس سے کہا اور اپنے اپنے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیئے۔ لیکن اس نے سب کے ہاتھ ہٹا کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس قدر گندی تھی کہ مجھے گھن آنے لگی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتا ہوں۔

بڑھیا نے میری بات سن کر جھرجھری لے کر کہا۔

"اگر تم ان باتوں پر یقین کرو تو تمہارے حق میں بہت بہتر ہو گا۔" یہ کہہ کر اس

نے میرا ہاتھ غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اور اس انداز سے سر ہلانے لگی کہ جیسے اس نے جو کچھ میری صورت دیکھتے ہی جان لیا تھا' میرے ہاتھ سے اس کی تصدیق ہو رہی ہے۔

"تم مصوری میں بہت کامیاب رہو گے اور دس سال کے بعد جب تمہاری تصاویر کی کسی بہت بڑے شہر میں نمائش ہو گی۔ اس موقع پر تمہیں ایک لڑکی نظر آئے گی۔ جو تمہاری تصاویر دیکھ رہی ہو گی' اس لڑکی کے بال سرخ ہوں گے اور فوراً تمہیں خیال آئے گا کہ اس لڑکی سے تمہیں شادی کر لینا چاہئے اور وہ تم سے شادی کر لے گی۔"

نارمن نے یہ کہتے ہوئے میرے بالوں کو تھپکی دی اور کہا۔

"سرخ نہیں بلکہ سرخی مائل!"

میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ "کیا یہ محض اتفاق تھا کہ نارمن نے جب پہلے پہل مجھے دیکھا میں اس کی تصاویر ہی دیکھ رہی تھی نارمن نے پھر اپنا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا:

"تم اس لڑکی سے شادی کر لو گے۔" بڑھیا نے کہا۔ لیکن شادی سے قبل تم ایک مکان خرید و گے اس کے بعد انتہائی مسرتوں کا ایک مختصر دور آئے گا۔ پھر تمہیں ایک خبیث روح کی آواز آئے گی جسے تم حسن و جمال کی آواز سمجھو گے اور اس کے تعاقب میں وہاں تک جا پہنچو گے جہاں تک عام آدمی نہیں پہنچ سکتا۔" یہ کہہ کر بڑھیا نے پھر پھریری لی اسے جھرجھری سی آگئی اور اس نے کہا:

"اب تصویر دھندلی ہو رہی ہے۔"

"کیوں" ایک لڑکی نے بڑھیا سے پوچھا۔

"اس لئے کہ مستقبل کی ابھی پوری طرح تشکیل نہیں ہوئی ہے۔" اتنا کہہ کر بڑھیا نے چند ثانیوں کے لئے سکوت اختیار کیا۔ پھر میرے چہرے پر نظریں جما کر کہنے لگی۔

"جب وہ سرخ بالوں والی لڑکی یعنی تمہاری بیوی ایک خوفناک علامتی خواب دیکھ کر چیخ پڑے گی۔ اس وقت تمہیں میرے الفاظ یاد آئیں گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم ایک خبیث روح کے پیچھے بھاگ رہے ہو لیکن تم واپس لوٹ آؤ گے اور تم دونوں کی سلامتی کو نقصان نہ پہنچے گا۔" اس نے ایک آہ بھری اور کہنا شروع کیا:

"لیکن اس دوران میں تمہیں میرا یقین نہ آئے گا کیونکہ تمہیں اس وقت بھی میری بات کا یقین نہیں ہے۔ لیکن جب تم مجھ پر یقین کرو گے۔ اس وقت حالات دگرگوں ہو چکے ہوں گے۔"

نارمن بڑھیا کی پیشین گوئی کا تذکرہ کر کے خاموش ہو گیا ہو اس وقت تک حرف

صرف درست ثابت ہوئی تھی مجھے سناٹا آگیا اور میں نے سمندر کے افق پر چھاتے ہوئے اس ہیبت ناک اور گوناگوں رنگوں کے ابر سے آنکھیں ہٹانے کے لئے کار کے سامنے سپاٹ سڑک پر دیکھنا شروع کر دیا۔

اب میں اس پر اسرار مکان کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں جو قیمت ادا کر کے خرید لینے کی بنا پر ہمارا ہو چکا تھا۔ لیکن حقیقتاً" جارا نہ تھا۔ جس وقت پہلے پہل نارمن کے ساتھ میں اس مکان میں وارد ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ اس کا ماحول طلسمی ہی نہیں بلکہ زہر آگیں بھی تھا۔ باغ میں عجیب عجیب پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن کی مہک زہریلی محسوس ہو رہی تھی۔ اس منحوس مکان یعنی کیلڈر کاٹیج کے پیش باغ میں قدم رکھتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ وہاں صرف وہی چیز پنپ سکتی ہے جو منحوس اور زہریلی ہو۔"

"یہ تو کاٹیج نہیں معلوم ہوتی۔" میں نے نارمن سے کہا۔ لیکن اس نے میری کیفیت اور اضطراب کا اندازہ کرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ مکان کے بیرونی حصے کی سفیدی' خاکستری رنگ اختیار کر چکی تھی۔ خدا جانے یہ مکان کب سے مکینوں کو ترس رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی میری اور نارمن کی عجیب حالت ہو گئی اور ایسا محسوس ہوا کہ اس کے اندر ہر چیز ہماری منتظر ہے۔

"اپنے گھر میں آنا مبارک ہو لوری۔" نارمن نے برآمدے میں پہنچ کر کہا اور میرا منہ چوم لیا۔

مکان کے اندر فرنیچر کی وارنش سے لے کر عام آرائش تک ہر چیز نگہداشت اور خبر گیری کے عمدہ قرینے کا اظہار کر رہی تھی اور ایسا محسوس نہ ہوتا تھا کہ مکان ایک دن کے لئے بھی مکینوں سے محروم رہا ہو۔

"کیا یہاں کوئی رہتا ہے؟" میں نے نارمن سے سوال کیا۔

"شاید مسز نیلسن رہتی ہوں۔" نارمن نے جواب دیا۔ اس کی آواز سے مسرت اور خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔" میں ابھی دیکھتا ہوں۔" نارمن یہ کہہ کر مکان کے عقب میں چلا گیا۔ یکایک میری ریڑھ کی ہڈی میں شدید برفانی لہر دوڑ گئی۔ اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کمروں کے تمام دروازے بند تھے لیکن میرے سامنے والا دروازہ ایک دم کھل گیا اور اندر سے ایک مشرقی خوشبو کا تیز جھونکا آیا۔

"حماقت!" میں نے اپنے دل میں کہا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنے اسکرٹ کو درست کر کے کھلے ہوئے دروازے کے اندر چلی گئی۔ یہ کمرہ ایک اچھا خاصا ہال تھا۔ ہال کے اگلے حصے کی تین اور باقی پانچ کھڑکیاں' خوبصورت ریشمی پردوں سے مزین تھی۔ سارے ہال میں سرخ اور قیمتی

قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک جانب بہت بڑا پیانو رکھا ہوا تھا۔ اور دوسری جانب بہت بڑا روشندان تھا۔ کمرے میں صوفے' کرسیاں اور میزیں بھی تھی۔ اور ایک بہت بڑی میز پر ایک درجن بچوں کے خوبصورت پتلے بنے ہوئے رکھے تھے جو ناچتے اور ساز بجاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بالکل میرے سامنے ایک صنوبر کی میز پر تین طبلے رکھے ہوئے تھے۔ ایک لڑکا طبلے کے ساتھ دوسرا بانسری لئے ہوئے اور ایک لڑکی پھول دار اسکرٹ پہنے ہوئے ناچتی ہوئی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں زندہ نظر آرہی تھی۔ کمرے کے سازو سامان کو دیکھ کر میں نے دل میں سوچا کہ بھلا ایسی نادر اشیا کی فراہمی میں کس قدر دولت اور وقت صرف ہوا ہو گا۔ بھلا ایسے آراستہ مکان کو کون چھوڑ کر جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مکان معہ جملہ اشیاء کے ہم نے خرید لیا تھا لیکن دل گواہی دے رہا تھا کہ ہم اس کے مالک نہیں ہو سکتے تھے اور اس مکان کی کوئی چیز ہماری ملکیت نہیں بن سکتی۔ بچوں کے پتلوں کو دیکھ کر میں خوف سے کانپ رہی تھی۔ ان کے تبسم چہرے' آنسوؤں سے بھیگے ہوئے نظر آرہے تھے۔

وہ سچ مچ کے زندہ بچے تو تھے نہیں' پتلے اور صرف پتلے' لیکن ان میں اگر کوئی مافوق الفطرت بات نہ تھی تو مجھے خوف کیوں آرہا تھا۔

یکایک کمرے میں سرخ روشنی پھیل گئی' میرا دل خوف سے اچھل کر حلق میں آگیا--- ہو تائی"--- ہو تائی---" یہ آواز بالکل صاف اور واضح سنائی دی۔ یہ آواز بالکل میرے پیچھے سے آرہی تھی۔ میں پیچھے کی طرف گھومی اور میرے دیکھتے ہی سارے کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی سمٹ کر ایک نیلے رنگ کے جار میں سما گئی۔

کوئی یقیناً میرا جائزہ لے رہا تھا! لیکن' کون؟ اور کہاں سے؟ اس کمرے میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا دروازہ نہ تھا کھڑکیوں پر لگا ہوا کاغذ سالم تھا اور اس امر کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ انہیں کھولا نہیں گیا۔ یکایک دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ میرے منہ سے چیخ نکلنے ہی کو تھی کہ پھر کھل گیا اور مجھے کمزور سی ہنسی آگئی۔ سامنے نارمن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کمرے میں آکر کھڑکیاں کھولیں اور سورج کی زرد روشنی سرخ قالین پر بہار دکھانے لگی۔ نارمن کی موجودگی سے میرا ذہن خوف سے خالی ہو گیا۔

"نارمن میرا خیال ہے کہ صرف اس کمرے کی دیکھ بھال کے لئے ایک درجن ملازموں کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔" میں نے خوشی مزاجی کے موڈ میں کہا۔

"نہیں لوری' نارمن نے بڑی زندہ دلی سے کہا۔ "مسز نیلسن مکان میں موجود نہ تھی۔' وہ ایک ایسے آدمی کو جانتی ہیں جو اس مکان کے قرینہ آرائش سے مانوس ہے۔ اس کے علاوہ کل صبح خود یہاں آئیں گی۔"

"اچھا میں اب وہ کمرہ دیکھنا چاہتی ہوں جس میں تم اپنی ماسٹر پیس تصویر بناؤ گے۔" میں نے کہا اور وہ میرے قریب آیا۔ یکایک اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے جھلا کر کہا۔

"میں تمہیں کسی قیمت پر ابھی یا شاید کبھی وہ کمرہ نہیں دکھا سکتا۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں تمہیں اپنا کمرہ نہیں دکھا سکتا۔" نارمن نے کہا۔ اس کی آواز بالکل نامانوس معلوم ہو رہی تھی۔ وہ چند لمحے قبل مجھے اپنا کمرہ دکھانے پر خوشی سے رضامند تھا لیکن اچانک تبدیلی کیسے رونما ہو گئی۔ آخر اس پر کون سی طاقت نے اپنا تسلط جما لیا؟ میں نے قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ لیکن اس نے بڑی درشتی سے کہا۔

"میں اس بارے میں کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوں۔ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے!" نارمن نے اس انداز اور لہجے میں کہا۔ جیسے میں اس کے لئے قطعی اجنبی ہوں۔ میں بہت زیادہ مغموم اور برداشتہ خاطر ہو کر روتی ہوئی دوبارہ ہال میں چلی گئی نارمن بھاگ کر میرے پیچھے آیا اور میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"فوری مجھے بے حد افسوس ہے۔ وہ کمرا صرف میرا ہے۔ صرف میرا۔ اس بات کا اب مجھے پورا پورا احساس ہوا ہے۔ کیا تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو۔"

"ہاں میں سمجھ گئی ہوں": میں نے کہا--- درد کی ایک لہر میرے دل میں اٹھی' لیکن فوراً ہی ایک اندرونی قوت نے مجھے مجبور کیا کہ میں نارمن پر اپنی تکلیف و اضطراب کو ظاہر نہ ہونے دوں اور نارمن کو اس پر اسرار قوت کے اشارے پر کام کرنے دوں جو اسے یکایک اپنے فیصلوں اور میرے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

"سب ٹھیک ہے نارمن۔" میں نے مسکراتے ہوئے اور اپنی آواز کو نارمل سطح پر لاتے ہوئے کہا۔ تمہیں یہ خاص کمرہ مبارک ہو۔"

"میں جانتا تھا کہ تم معاملہ فہمی کا ثبوت دو گی۔" نارمن نے مجھے نہایت پرجوش انداز میں گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "آؤ اب پورے مکان کا جائزہ لیں۔" یکایک مجھے ہال میں رکھے ہوئے لڑکوں کے پتلوں کے خوف نے آ دبایا اور وقتی طور پر عقلی توجیہہ اور دل میں "اوہ' واہمہ اور کچھ نہیں" کہنے کی ہر تدبیر رائیگاں ہوئی لیکن نارمن نے اپنے مخصوص کمرے کے سلسلے میں جو رویہ اختیار کیا تھا۔ اس کے پیش نظر میں اس پر اپنا خوف اور اپنے احساسات ظاہر نہ کر سکی اور اس کے پیچھے پیچھے ہال کے اندر بالائی منزل کے

زینے کے قریب پہنچی لیکن وہ زینے پر چڑھنے کے بجائے اچانک ٹھٹھک گیا۔ اور ایک ناقابل اظہار خوف کی لہر اس کے چہرے پر نمودار ہوئی لیکن فوراً میرے دل میں گہری ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور میں نے بڑی نرمی سے کہا:

"سب ٹھیک ہو جائے گا نارمن! سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہاں واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نارمن نے--- مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن کیا ٹھیک ہو جائے گا' ہم دونوں میں کوئی بھی نہ جانتا تھا۔

مجھے ناقابل اظہار طور پر اس امر کا احساس ہی نہیں بلکہ علم ہو گیا تھا۔ کہ اس مکان میں ہم ایسے مردوں کے ساتھ مقیم ہیں جو زندہ ہیں لیکن جب تک وہ مناسب نہ سمجھیں نظر کے سامنے نہ آئیں--- بالائی منزل کے ہال میں نو دروازے تھے۔ جو نو کمروں کے تھے' میں نے ان کے متعلق مسکراتے ہوئے نارمن سے کہا۔

"آخر ہم دو میاں بیوی ان کمروں کا کیا کریں گے۔"

یہ سامنے والا کمرہ تو روجر کے لئے مخصوص ہو گا۔ نارمن نے خوش طبعی کے ساتھ کہا۔

"کون روجر؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ہمارے پہلے بچے کا نام ہو گا!" نارمن نے بڑی شوخی اور شرارت کے لہجے میں کہا۔

"میں اتنا بڑا کمرہ اپنے بچے کے لئے کیونکر پسند کر سکتی ہوں' خواہ اس کا نام راجر رکھو یا پینٹر"--- میں نے بھی اسی شوخی اور طنازی سے جواب دیا۔

"اور اس کمرے میں ہم جھنٹ کو رکھیں گے۔" نارمن نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"نام تو صحیح لو بندہ خدا جنٹ نہیں بلکہ جینیٹ! بہرحال مجھے ناموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن میں..... میں نے جنٹ کیوں کہا؟ یہ نام میری زبان پر کیوں آیا؟" نارمن کی آواز پھر بدل گئی۔

اس لئے کہ جینیٹ نام کی کسی لڑکی یا عورت کا تمہارے ماضی سے تعلق ہے۔" میں نے غیر ارادی طور پر طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔ نارمن میری بات سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا اور کہا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے میں جینیٹ نام کی کسی عورت سے واقف نہیں ہوں۔"

"ذرا یاد کرنے کی کوشش کرو' کوئی بھورے' سبزے' سرخ یا کالے بالوں والی

محبوبہ' جسے تم نے اپنی کار میں تفریح کرائی ہو۔" میں نے طنز کو واضح کرتے ہوئے کہا۔

"لوری میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہو سکتا۔ نارمن نے میرے طنز کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ جینیٹ نام کی کسی لڑکی سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا۔"

"آہ غریب جنٹ تجھے کس قدر جلد بھلا دیا گیا۔ میں نے طنز میں کمی نہ کرتے ہوئے کہا۔

"آہ پیاری جینیٹ' تو میرے ماضی کے کس گوشے میں چھپی ہوئی ہے۔ تو نے تو میری بیوی کو حسد سے پاگل بنا دیا ہے۔ ظالم": نارمن نے بھی طنز کا لہجہ اختیار کیا' لیکن اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔

دوسرے دن نارمن نے شہر سے تصویر کشی کا تمام سامان لاکر اس کمرے میں رکھ دیا جو اس جینیٹ کے لئے مخصوص کیا تھا۔ اگرچہ وہ قطعی طور مجھے وہ کمرہ دکھانے سے معذوری ظاہر کرچکا ہے لیکن میرے دل میں یہ جاننے کی خواہش کروٹ لے رہی تھی کہ اس میں کیا ہے اور نارمن اس کے متعلق اتنا حساس کیوں ہے کہ وہ مجھے دکھ پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔۔۔!

وہ ہوٹل جہاں ہم رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کیلڈر کاٹیج سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔ تیسرے دن یہ بات مجھے محسوس ہو گئی کہ جیسے ہی ہم دونوں اس طلسمی مکان کی حدود سے نکل کر کہیں جاتے ہیں ہم بالکل وہی بن جاتے ہیں جو اس مکان میں آنے سے پیشتر تھے۔ یہ احساس اپنے ہوٹل جو "بولڈر اوکس ان" کہلاتا ہے میں پہنچ کر اور بھی شدید ہو گیا۔ ہم دونوں ایک کیبن میں تھے۔ اور ہوٹل کے ہال سے موسیقی کی ہلکی ہلکی آواز ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

"ہم ہمیشہ اسی طرح خوش رہیں گے لوری۔" نارمن کے جذباتیت سے بھرپور لہجے میں کہا۔ اور پھر اسی محبت اور گرم جوشی کے ماحول میں ہم دونوں نے کھانا کھایا اور پھر اپنے طلسمی مکان کی جانب مراجعت کی۔ میں اسی مکان میں رہنے پر موثر احتجاج کر سکتی تھی۔ لیکن کوئی پر اسرار قوت مجھے سب کچھ دیکھنے اور خاموش رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔

گھر پہنچنے پر جیسے ہی ہم شب خوابی کے لئے بالائی منزل کے ہال میں پہنچ کر اپنے کمرے میں جانے لگے' نارمن جینیٹ کے کمرے کے سامنے رک کر کہا۔

"فوری کیا تم جنٹے کو شب بخیر کہو گی۔" یہ کہہ وہ وہ ہنسنے لگا۔

"آپ کو محبوبہ کا نام جینیٹ تھا سرکار۔" میں نے بڑے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

اس نے میری بات جیسے سنی ان سنی کر دی اور پھر ایک سحرزدہ کی طرح یہ نام دہرانے لگا۔ جنٹے..... جنٹے..... جنٹے۔" بے شک جنٹے ہی صحیح نام ہو سکتا ہے۔ مجھے پہلی مرتبہ خیال آیا کہ جینیٹ غلط نام تھا۔

دفعتاً" ہال میں ایک سرد ہوا کا جھونکا آیا..... واقعی یہ آندھی تھی..... میرے بال اڑنے لگے اور سارا جسم کپکپانے لگا۔

"بڑی سرد ہوا چل رہی ہے نارمن۔" میں نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

"کیا فضول باتیں کرتی ہو لوری۔ اس جگہ تو سخت گرمی ہے۔" نارمن نے جیسے خواب سے چونک کر کہا۔

کمرے میں نارمن مجھے سوتا چھوڑ کر چلا گیا۔ مجھے رات میں کئی بار ایک خواب نظر آیا..... ایک عورت بڑی دردناک آواز میں پکار رہی تھی۔ جنٹے..... جنٹے....."

میں بیدار ہوتے ہوتے بھی نیم بیداری کی حالت میں یہ آواز سن رہی تھی۔ رفتہ رفتہ میں بیدار ہوئی اور آواز دور ہوتی چلی گئی پھر ایک واضح آواز گونجی۔

"ہوتائی۔ ہو۔ تائی۔ ابھی نہیں' ابھی نہیں۔"

میرا ایک ہاتھ مسہری کے نیچے کی جانب لٹک رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ نہایت نرم اور ملائم روئیں رکھنے والا کوئی جانور میرے ہاتھ سے اپنے جسم کو مس کر رہا تھا۔ خوف سے میرا خون منجمد سا ہو گیا۔ میری چیخ حلق میں پھنس گئی اور میں ہاتھ جھٹک کر ایک نیچے جھک کر دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔

بلی۔ مجھے معلوم ہو گیا وہ بلی تھی۔ میں خوف سے لرز گئی۔ میں ہمیشہ بلیوں سے خائف رہی ہوں۔ مگر یہ بلی اف خدا' اس کا لمس کتنا دہشت انگیز تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ کو ملا۔ لیکن اس کا لمس ہاتھ سے ذہن میں پہنچ گیا۔ شاہد ہمیشہ کے لئے۔۔۔!

زینے پر بلی کو تلاش کرتے ہوئے میں باورچی خانے میں پہنچ گئی' جہاں میری ملاقات مسز نیلسن سے ہو گئی اور کافی کی مہک نے میری سحرزدگی میں کچھ کمی کر دی۔ میں مسز نیلسن سے اپنا تعارف کراتے ہوئے بلی کا ذکر کیا اور پوچھا کہ اس نے تو نہیں دیکھا؟ مسز نیلسن نے بتایا کہ اس نے کوئی بلی نہیں دیکھی البتہ میرے ناشتہ کرنے کے دوران وہ بلی کو تلاش کرے گی۔

"میں کوئی چیز نہیں کھا سکتی جب تک کہ اس بلی کو اس مکان سے باہر نہ نکال دیا جائے۔" میں نے ہسٹریا زدگی کے انداز میں کہا سے معذرت خواہی کے انداز میں کہا۔ "یہ بات اگرچہ احمقانہ تھی تاہم میں اس خوف پر قابو نہیں پا سکتی جو مجھ پر قابو پا چکا ہے۔"

تقریباً ایک گھنٹے تک میں نے اور مسز نیلسن نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر بلی نہ

نظر آئی' تو مسز نیلسن نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ نے بلی کو خواب میں نہیں دیکھا' کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ نئی جگہ ہونے کی وجہ سے آپ کو وہ چیزیں خواب میں نظر آ رہی ہوں جن سے آپ ڈرتی ہیں۔"

"میں نے اس کے لمس کو محسوس کیا ہے' یہ شاید خواب میں بھی ممکن ہے اور چونکہ حقیقی بلی نہ تو گھر میں موجود ہے اور نہ اتنی جلدی غائب ہو سکتی ہے۔ اس لئے آپ کا یہ خیال درست ہو سکتا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔

مسز نیلسن بڑی پسندیدہ صفات کی حامل تھی۔ جن کی وجہ سے اس کی شخصیت پرکشش بن گئی تھی۔ اس کے خاوند کا کئی سال پیشتر انتقال ہو چکا تھا اور اس کے بچے بڑے ہو کر ادھر ادھر چلے گئے تھے۔ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ کسی خوشحال گھرانے کا کام تھا۔ جسے وہ بڑے سلیقے سے انجام دیتی رہتی تھی۔

"میں صرف روپے پیسے کے لئے کام نہیں کرتی بلکہ عرصہ دراز سے کام کرتے رہنے کی بنا پر کام میرے لئے عادت بن گیا ہے۔" مسز نیلسن نے کہا۔ "میں بیکاری میں انتہائی بے چینی محسوس کرتی ہوں' کھانا پکانا' صفائی اور گھر کی آرائش میرے لئے بہترین مصروفیت ہے۔"

مسز نیلسن صفائی کے لئے بالائی کمروں میں گئی تو میں نیچے کے ہال میں آ گئی۔ یہاں ایک عجیب تماشا دیکھا' ایک پتلا ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔ ایک چھوٹی سی آبنوسی میز پر ایک لڑکی اور ایک لڑکے کا پتلا رکھا ہوا تھا۔ ان میں سے لڑکی کا پتلا ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے اس پتلے کے ٹکڑوں کو اٹھا کر دیکھا اور اس کی شکستگی کے مفہوم پر غور کرنے لگی:

"لڑکی کا پتلا ٹوٹا ہے' یہ میرے لئے خطرہ کی علامت ہے۔"

میں اس خیال یا واہمے کے تحت بے چین ہو گئی اور سارا گھر مجھے اپنا دشمن اور پراسرار قوتوں سے بھرپور دکھائی دینے لگا--- یہ پتلا بلی نے توڑا ہے' میں نے سوچا اور مجھے اس طرح تنبیہہ کی ہے۔ میں نے بلی خواب میں نہیں دیکھی تھی۔ وہ حقیقی بلی تھی اور اس وقت گھر میں موجود ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جس وقت میں اور مسز نیلسن اس ہال میں بلی کو تلاش کر رہی تھیں' یہ پتلا سالم تھا۔ لڑکے کا پتلا تنہا میز پر موجود تھا۔

کچھ دیر بعد مسز نیلسن بالائی کمروں کی صفائی سے فارغ ہو کر نیچے آئی اور مجھے بتایا کہ اس نے ڈونالڈسن نامی شخص کو احاطے کی صفائی کے لئے بلایا تھا۔ جو آ کر اپنے کام میں مصروف ہو چکا ہے' میں اٹھ کر باہر جانے لگی تو مسز نیلسن نے مجھے چند باتیں بتانے کے غرض سے روک لیا:

"میں آپ کو ڈونالڈسن کے بھائی جمی کے متعلق کچھ بتانا چاہتی ہوں' کیونکہ اس وقت وہ بھی اس کے ساتھ احاطے کی صفائی کے لئے آیا ہوا ہے' وہ بڑا ضدی شخص ہے لیکن کیا کیا جائے باغبانی اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ ویسے وہ بڑا بے ضرر آدمی ہے۔ اب یہ آپ کو طے کرنا ہے کہ آپ اسے مستقل طور پر اپنے باغ کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کرنا پسند کرتی ہیں یا نہیں میں ان دونوں بھائیوں سے واقف ہوں۔ انہیں یتیم ہو جانے کے بعد ان کی دادی نے پرورش کیا تھا۔ اور اسی بنا پر لوگ ان سے نہ صرف ڈرتے ہیں بلکہ انہیں سماجی اچھوت بنا دیا ہے۔

"دادی کی وجہ سے؟" میں نے حیرت سے پوچھا' کیا مطلب؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ وہ زبردست جادوگرنی تھی جو اسکاٹ لینڈ کی رہنے والی تھی اور واقعہ بھی یہ ہے کہ وہ ہروقت کاڑھے اور جوشاندے تیار کرتی رہتی تھی۔ عجیب عجیب جڑی بوٹیاں لاتی تھی اور ڈونالڈسن کی بجائے جمی پر بہت زیادہ مہربان تھی۔"

مسز نیلسن کی باتوں سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھے ڈونالڈسن کی بجائے جمی کے متعلق ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دے رہی ہے۔

"آخر لوگ ان غریبوں کی دادی کو جادوگرنی کیوں تصور کرتے ہیں جب کہ بقول تمہارے' وہ جوڑی بوٹیاں جمع کر کے ان کے عرق نکالتی تھی' ہو سکتا ہے کہ وہ پرانی وضع کی عطائی دوا ساز ہو۔" میں نے مسز نیلسن سے دریافت کیا۔

"بات صرف یہی نہیں ہے محترمہ" مسز نیلسن نے کہا۔ وہ اس قدر عجیب باتیں کرتی تھی جو عقل میں نہیں آتیں۔ وہ مستقبل کا حال اس طرح بیان کر دیتی تھی' گویا آدمیوں کی تقدیر میں اس کے سامنے بنائی گئی ہوں۔ ایسے بڑے لوگ جن کے نام میں نہیں بتانا چاہتی مافوق الفطرت کاموں کے لئے اس کی خدمات حاصل کر لیتے تھے۔ ان تمام باتوں پر مستزاد یہ کہ لوگ پختہ یقین رکھتے تھے کہ وہ مرجانے کے باوجود زندہ ہے۔"

"کیا تم کبھی اس کے پاس قسمت کا حال معلوم کرنے گئی ہو؟" میں نے مسز نیلسن سے اپنے ذہن میں' اسپین کی اس خانہ بدوش بڑھیا کو ذہن میں رکھتے ہوئے پوچھا جس نے نارمن کو دیکھ کر بہت سی پیش گوئیاں کی تھیں۔

"متعدد مرتبہ' میں اس کے پاس گئی ہوں' مسز نیلسن نے جواب دیا اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کے مستقبل کے متعلق جو کچھ بتایا وہ صرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔"

مسز نیلسن کے بیان سے میرے دل میں وہی اضطراب پیدا ہو گیا۔ جو تین روز قبل اس وقت محسوس ہوا تھا جب نارمن نے تفریح کے دوران خانہ بدوش بڑھیا کی

پیشن گوئی کا حال سنایا تھا۔

"اب میں باہر جاتی ہوں۔" میں نے یکایک کہا اور باہر آگئی۔ عا" باہر آتے ہی مجھے اپنی سحرزدگی میں تخفیف محسوس ہوئی' میں نے دیکھا کہ ڈونالڈ سن گھاس صاف کر رہا تھا۔

"میں تم سے باغ کی دوبارہ تزئین کے سلسلے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے ڈونالڈ سن سے خود کو متعارف کراتے ہوئے پوچھا۔

"سب سے پہلے گھاس کی صفائی ضروری ہے۔" اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

"لیکن میں پہلے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے مالکانہ لہجے میں کہا۔

"جب تک گھاس نہ صاف ہو جائے ہر بات فضول ہے۔" اس نے بڑی مطلق العنانی سے کہا۔

میں نے غور سے اس کی صورت دیکھنے کے بعد سوچا کہ اگر اس کی وادی اس سے مشابہہ تھی تو اس کے جادو گرنی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک پست قامت شخص تھا۔ جس کی ناک لمبی اور چہرہ اندر کی طرف دھنسا ہوا تھا۔ اور اس کے باقی خدوخال بھی وہی تھے جو پرانی جادوگرنیوں اور جادوگروں کے ہوتے تھے۔

"کیا آپ بالکل نئی آئی ہیں۔" یہ آواز میرے پیچھے سے آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک دوسرا شخص نظر آیا جو ہر اعتبار سے ڈونالڈ سن سے مشابہ تھا۔ میں اس شخص کو پہچان گئی۔ حالانکہ مسز نیلسن نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ یہ دونوں بھائی آپس میں حیرت انگیز مشابہت رکھتے ہیں۔

"ہاں میں نئی ہوں۔" میں نے کہا اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ تم جمی ہو۔"

"جی ہاں میں جمی ہوں۔" آپ سے مسز نیلسن نے ذکر کیا ہو گا۔" اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔

میں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا اس کی آنکھوں میں غیر انسانی کشش اور قوت جھلک رہی تھی۔ وہ قوت جو حیوان اور دیوتا دونوں کے امتزاج میں پائی جا سکتی ہے۔

"اگر تمہارا دل چاہے تو تم یہاں مستقلاً" کام کر سکتے ہو۔" میں نے جمی سے کہا۔

"بہت خوب جناب" جمی نے کہا "آپ غالباً ایک بلی کی تلاش میں ہیں جسے میں نے ابھی ابھی دیکھا تھا۔"

"ہاں بلی۔" مجھے جھرجھری سی آگئی۔ "تم سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے' اس بلی کو یہاں سے نکال دو۔"

"یہ..... ناممکن ہے۔" جمی نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ "وہ غصے سے پاگل ہو جائے گی۔ یہ بلی اس کی ہے۔ اس نے اسے جنم دیا ہے۔"

"کس کی بلی ہے؟" میں ن گھبرا کر ڈونالڈ سن کی طرف دیکھا۔ جمی آنکھیں بند کر کے کہہ رہا تھا۔

"بلی اس کی ہے جو دوسری ہے جو بہت بڑی اور طاقتور ہے۔"

"جناب یہ بہت سی ایسی چیزیں دیکھتا ہے جنہیں دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔" ڈونالڈ سن نے مجھے پریشان دیکھ کر کہا۔ اس کی بات سن کر میں سکتے میں آگئی۔

"ہیلو!"

میں نے پورچ میں بیٹھے ہوئے یہ لفظ سنا اور اس اجنبی ملاقاتی کی جانب دیکھا جس نے مخاطب کیا تھا۔ وہ ایک نہایت خوبصورت جوان آدمی تھا۔

"میں آپ کا پڑوسی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔" وہ سامنے سرخ لکڑی کی کاٹیج' میری اقامت گاہ ہے۔ اس نے انگلی سے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس مکان میں پڑوسی کی حیثیت سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے اس چائے نوشی کی دعوت دے دی۔

اس کا نام فرنالڈی تھا۔ وہ باہر نفسیات اور نفسیاتی تجزیہ کار تھا اور ان دنوں دماغ اور تحت الشعور کی ناقابل تشریح قوتوں اور صلاحیتوں پر ریسرچ میں مصروف تھا۔ پہلی ہی نظر میں مجھے محسوس ہوا جیسے میں اسے ہمیشہ سے جانتی ہوں اور اس کی متلاشی تھی۔ میں اس کے بے پناہ کشش کے سامنے بے بس ہو گئی۔ علاوہ بریں مجھے نارمن کے رویے سے سخت صدمہ پہنچا تھا' اس کے علاوہ میں جنیٹے نامی عورت کے خلاف شدید رقابت و حسد کا جذبہ اپنے اندر محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس کا نام اور شخصیت دونوں نارمن کے لئے مجھ سے اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ اس نے خود کو ہر لحاظ سے قابل اعتماد بنا دیا بلکہ میں نے خود اپنی ذات پر اعتماد کو بحال کر دیا۔ اور چند ہی دنوں تک ایک ایسی دوستی استوار ہو گئی جو آئندہ پیش آنے والے مافوق الفطرت حالات میں مجھے زندہ رکھنے کا موجب ثابت ہوئی اور آج میں سوچتی ہوں کہ اگر فرنالڈی کی دوستی میسر نہ آتی تو میرا کیا حشر ہوتا۔

دو تین ہفتے گزرنے پر ہمارے معمولات طے ہو گئے۔ ناشتے کے بعد نارمن جنیٹے کے گنبدی کمرے میں اپنا "ماسٹر پیس" بنانے کے لئے بند ہو جاتا اور میں احاطے اور باغ

کی دیکھ بھال کے لئے باہر آجاتی۔ شام کے وقت فرنالڈی آجاتا اور موڈ کی مناسبت سے نارمن بھی گفتگو میں حصہ لیتا ورنہ ہم دونوں کو چھوڑ کر ہال میں جاکر پیانو بجانے لگتا۔ قرب و جوار کی عورتوں نے، جن میں بڑی بوڑھیاں بھی شامل تھیں ہم سے تعلقات استوار کرلئے، اس طرح ایک بڑی بوڑھی مسز فرگوسن نے مجھ سے اس مکان کی تاریخ بھی بیان کردی۔

مسز فرگوسن کے بیان کے مطابق، اس مکان کو ایک بلڈنگ کنٹریکٹر جارج کیلڈر نے بنایا تھا، مکان کی تعمیر کے دوران اس کی بیوی مالنڈا کیلڈر حاملہ اور بیمار تھی۔ مالنڈا کیلڈر مصوری سے دلچسپی رکھتی تھی۔ اور اس مکان کو جارج نے ایک ایسی تصویر کے مطابق بنوایا تھا۔ جو مالنڈا کو پسند تھی اور جارج کیلڈر نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ ہمارے پہلے بچے کی ولادت اپنے ذاتی مکان میں ہوگی۔ کمزوری اور بیمازی کے باوجود مالنڈا اور جارج دونوں مسرور اور پر امید تھے۔ مالنڈا کا خیال تھا کہ پہلے بچے کی ولادت کے بعد اس کی موت بحال ہو جائے گی۔ اسے ڈاکٹر نے بھی یقین دلایا تھا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، عموماً پہلا بچہ تکلیف اور خرابی، صحت کا موجب بن جاتا ہے لیکن بہت جلد صحت بحال ہو جاتی ہے جب بچے کی ولادت میں ایک مہینہ رہ گیا تو گھر کو بڑے قرینے سے سجایا گیا لیکن اچانک ہی مالنڈا کیلڈر شدید درد زہ میں مبتلا ہو گئی۔ اور اسے فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جارج کیلڈر ہمہ وقت اپنی بیوی کے سرہانے موجود رہا۔ کامل اڑتیں گھنٹے شدید درد کے بعد ایک نہایت خوبصورت اور توانا بچہ پیدا ہوا لیکن وہ مردہ تھا۔

مالنڈا کی صحت درست ہو گئی لیکن مردہ بچے کی ولادت کا سانحہ اس کے ذہن پر چھا گیا۔ پہلے بچے کی پرورشگاہ کے طور پر جو کمرہ مخصوص کیا گیا تھا اس کی جانب دیکھ کر دونوں کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔ تاہم ڈاکٹر انہیں تسلی دے کر کہتا تھا کہ ان کے یہاں اتنے بچوں کی ولادت بھی ممکن ہے کہ کمرے بھر جائیں۔ جارج اس امر سے خوش تھا کہ اس نے پوری طرح گھر کی آرائش کا اہتمام نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے مالنڈا کے لئے مصروف رہنے کی سبیل پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ عرصے میں مالنڈا دوبارہ حاملہ ہوئی۔ اور اس مرتبہ بھی درد اچانک شروع ہوا اور ہسپتال میں خوبصورت لیکن مردہ بچے کی ولادت ہوئی۔

دوسرے مردہ بچے کی ولادت کے بعد سے مالنڈا کیلڈر نے بچوں کے خوب صورت پتلوں کی فراہمی سے دلچسپی لینا شروع کر دی۔ جارج کیلڈر نے اس کے اس شوق کو پسند کرتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ جارج کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ مالنڈا پتلوں کے جوڑے پسند کرتی لیکن ایک مرتبہ اس نے تین پتلے خریدے اور

ٹیبل پر رکھ دیے تھے جن میں دو لڑکوں اور ایک لڑکی کا پتلا تھا۔ اس نے یہ تمام پتلے یکبارگی نہیں بلکہ کئی سالوں کی مدت میں خریدے تھے۔ اس عرصے میں مالنڈا کے چھ بچے پیدا ہوئے جن میں پانچ مردہ تھے اور ایک زندہ رہا۔ وہ آٹھ بچوں میں واحد بچہ تھا جسے دو سال کی زندگی نصیب ہوئی، اور ایک رات وہ پر اسرار طور پر فوت ہو گیا، بظاہر ڈاکٹر نے اس کی موت کا سبب نمونیا کو قرار دیا۔ جارج اور مالنڈا دونوں نے اسے اچھی بھلی حالت میں رات پالنے میں سلایا تھا جبکہ صبح کو اسے مردہ پایا گیا۔

جارج اور مالنڈا دونوں اس صدمے سے نڈھال ہو گئے، انہوں نے اس مکان کو مقفل کرکے ایک عورت کو اس کی نگہداشت پر مامور کر دیا تاکہ وہ ہفتے میں ایک بار اس کی صفائی کر دیا کرے، اور ہر چیز یہاں چھوڑ کر چلے گئے، حتیٰ کہ وہ بچوں کے پتلوں کو بھی یہیں چھوڑ گئے۔ مالنڈا ان پتلوں کو اپنے مردہ بچوں کا نعم البدل سمجھ کر تسکین پاتی تھی لیکن آخری بچے روجر کی پیدائش اور دو سال تک زندہ رہنے کی وجہ سے شاید اسے ان پتلوں سے بھی دلچسپی نہ رہی ہو گی۔

"روجر؟" مسز فرگوسن سے مالنڈا کیلڈر کے آخری بچے کا نام سن کر مجھے جھرجھری آگئی۔ نارمن نے یہی نام اپنے پہلے بچے کے لئے تجویز کیا تھا..... لیکن جنٹے؟

"کیا مالنڈا کی کسی بچی کا نام تھا؟" میں نے مسز فرگوسن سے سوال کیا۔

"مجھے معلوم نہیں!" مسز فرگوسن نے اسی انداز میں کہا جیسے وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

اس مرحلے پر قریب تھا کہ میں مسز فرگوسن کو اس گھر میں ہونے والے واقعات بتا دیتی۔ اور بچوں کے ان خوفناک پتلوں کا بھی ذکر کر دیتی۔ جو مجھے خوفناک طور پر زندہ نظر آتے تھے، لیکن میرے خیالات کا دھارا دوسری جانب مڑ گیا، اور میں سوچنے لگی کہ نارمن نے بھی مجھ سے اسی تعداد میں بچوں کی خواہش کا اظہار کیا تھا، بعد ازاں مجھے خیال آیا کہ ایک کمرہ کو اس نے اپنے پہلے بچے راجر کی پرورش گاہ کے طور پر منتخب کیا تھا کہیں وہی کمرہ مالنڈا کیلڈر کے دو سال تک زندہ رہنے والے بچے راجر کی پرورش گاہ تو نہیں تھا۔ مجھے خیال آیا۔ کہ مسز فرگوسن اپنی عمر اور مالنڈا کیلڈر کے حالات سے مکمل طور پر باخبر ہونے کی وجہ سے میرے اس سوال کا جواب دے سکتی ہے چنانچہ میرے پوچھتے ہی اس نے میرے شبہ کو یقین میں بدل دیا۔ اس نے اسی کمرے کی جانب اشارہ کیا جسے نارمن نے اپنے متوقع پہلے بچے روجر کی پرورش گاہ کے طور پر منتخب کیا تھا۔

مسز فرگوسن کے جانے کے بعد، میری بے چینی میں اضافہ ہو گیا، اب مجھے جنٹے کا عقدہ حل کرنا تھا، میں پورچ سے اٹھ کر ہال میں پہنچ گئی۔ تو یکایک بچوں کے پتلے حرکت

کرتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ انہوں نے میرے اسکرٹ کو چھوا اور بڑی خوفناک آنکھوں سے میری جانب دیکھ کر رقص کرنے لگے' خوف کی شدت نے شاید میری آواز کے عضلات پر بھی قابو پالیا تھا۔ اس لئے میری چیخ نہ نکل سکی' اور اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے میں جو کچھ کر سکتی وہ یہ تھا کہ بھاگ کر ہال سے باہر آ گئی! یہاں مسز نیلسن اور جمی کی آوازوں نے کسی حد تک ماحول کو نارمل بنا دیا' لیکن میرا یہ یقین پختہ ہو گیا کہ میں ان لوگوں میں گھر چکی ہوں جو مر چکے ہیں لیکن زندہ ہیں! مجھے یہ بھی احساس ہو گیا کہ ان کا مخصوص ہدف میری ذات ہو گی۔

میں باہر سے دوبارہ خواب گاہ میں جانے کے لئے پورٹیکو میں داخل ہو گئی نارمن زینے سے اتر کر نیچے کی جانب آ رہا تھا۔ اس نے غائب دماغی سے میرا بوسہ لیا۔ اس وقت اس کے جسم سے لیونڈر کی خوشبو آ رہی تھی' جبکہ تصویر کشی کی مصروفیت کے لحاظ سے اس کے ملبوس سے پینٹ اور تارپین کی بو آنا چاہئے تھی۔

"تم سچے آرٹسٹ نہیں ہو نارمن' میں نے مسکرا کر کہا۔ تمہارے کپڑوں سے پینٹ اور تارپین کی جگہ لیونڈر کی مہک آ رہی ہے۔"

"میں نے ابھی تصویر بنانا شروع ہی نہیں کیا لوری!" نارمن نے تاشف کے لہجے میں کہا۔ اور میں سناٹے میں آ گئی۔ آخر وہ تمام دن جنٹے کے کمرے میں بند ہو کر کیا کرتا رہتا ہے۔ اور تصویر کا آغاز نہ کرنے پر تو میری ذات سے اس کی بے پروائی انتہا کو پہنچ گئی ہے' خدا جانے تصویر بنانے کے دوران کیا صورت پیدا ہو۔

رات کے کھانے کی میز پر بھی نارمن بجھا بجھا سا تھا۔ تاہم فرنالڈی نے مجھ کو اس عدم توجہی کو محسوس نہ کرنے دیا۔ غالباً میں اسے حسین نظر آنے لگی تھی۔

رات کو بمشکل تمام تقریباً بارہ بجے میری آنکھ جھپکی لیکن چند گھنٹے بعد اچانک جاگ اٹھی۔ کیلڈر کالج کے قدیم الایام کلاک نے تین بجائے۔ میں نے کروٹ لے کر دیکھا' تو نارمن غائب تھا۔ میں اٹھی بیٹھی اور مسہری سے نیچے اترنے کے لئے پاؤں لٹکائے تو اچانک جیسے کرنٹ سا لگا۔ ایک بلی میرے داہنے پاؤں سے اپنا پیٹ رگڑنے لگی۔ میں پہلی مرتبہ پوری قوت سے چیخی اور مسلسل کئی چیخیں میرے حلق سے نکلیں میں نے سوتے وقت کمرے میں اندھیرا کر دیا تھا۔ اچانک بلب روشن ہوا اور نارمن نے بڑھ کر مجھے گود میں اٹھا لیا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے بیان کرنا چاہا۔ لیکن خوف کی سسکیاں جاری رہی۔ اور میں صرف بلی کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔

"کیا احمقانہ بات ہے محض ایک بلی۔ نارمن نے جھنجھلا کر کہا۔ آخر بلی تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔؟"

"میں کب کہتی ہوں کہ وہ میرا کچھ بگاڑ سکتی ہے۔ میں نے اس کی گود میں لیٹے لیٹے کمرے میں نظر ڈال کر کہا۔" میں صرف یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ مجھے چھوئے۔" یہ کہتے ہی مجھے اس تصور سے ہی جھرجھری آ گئی کہ چند لمحات پہلے اس نے میرے پاؤں سے اپنا جسم مس کیا تھا' پھر میں نے نارمن سے کہا:

"بلی یہیں کمرے میں چھپی ہوئی ہے' خدا کے لئے اسے نکال دو۔"

"بلی کمرے میں نہیں ہے' اور میں سمجھتا ہوں کہ اب پوری کالج میں کہیں نہ ہو گی' کیونکہ تمہاری چیخوں سے ڈر کر بھاگ گئی ہو گی۔" نارمن نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ بلی سے جتنا تم ڈرتی ہو بلی اس سے کہیں زیادہ خود تم سے ڈر گئی ہو گی۔"

"نہیں نہیں' وہ کہیں نہیں گئی' مجھے اسے نکالنے تک چین نہیں آئے گا۔" میں نے کہا۔ "ہمیں بہرحال اس کو ڈھونڈ کر نکال باہر کرنا ہے۔"

"لوری' دراصل یہ تمہارا بلی سے غیر معمولی خوف ہے' جو تمہیں خواب میں بلی دکھاتا ہے۔" نارمن نے میری ضد سے اکتا کر کہا۔ "تم اس بات کو تسلیم کر لو' کہ تم بلی سے ڈرتی ہو۔ اسی لئے بلی کو خواب میں دیکھتی ہو۔"

"یہ نہ خوف تھا نہ خواب! میں نے بگڑ کر کہا۔ اگر تم کمرے میں ہوتے تو مجھے بستر سے اٹھنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور اس طرح یہ بلی میرے پاؤں سے اپنا جسم مس نہ کرتی' آخر تم کہاں گئے تھے؟"

"کیا تم اب میری نقل و حرکت کا مواخذہ کرو گی؟" نارمن نے درشت اور ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ اس کے بعد سوال جواب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

صبح کے وقت مجھے رات کو نارمن کے غائب ہو جانے کا سبب معلوم ہو گیا۔ میں بلی کی تلاش میں اس کے مطالعہ کے کمرے میں چلی گئی' میز پر وہ کتاب رکھی ہوئی تھی جس کو کیلڈا کالج میں آنے کے پہلے دن میں نے ہال میں ایک میز پر رکھے ہوئے دیکھا تھا' اس کے بعد سے وہ وہاں سے غائب ہو گئی تھی' اور میں نے غیر معمولی حالات کی وجہ سے اس پر غور نہ کیا تھا' لیکن اسٹڈی روم کی میز پر اسے دیکھ کر خیال آیا کہ نارمن گزشتہ شب اسی کتاب کا مطالعہ کر رہا ہو گا' مزید تجسس کے پیش نظر میں نے کتاب کو کھولا۔ یہ بہت قدیم کتاب' جو مصری ہیرو غلیف سے بھرپور تھی اور حاشیوں میں انگریزی میں ترجمہ درج تھا' کتاب کا نام تھا "جادو" کتاب کا نام دیکھ کر میں نے سوچا کہ آخر نارمن ایسی کتابوں سے کیوں دلچسپی رکھتا ہے۔؟

مزید اوراق پلٹنے سے ایک باب کے عنوان پر نظر پڑی' لکھا تھا۔

"مردوں کی کتاب" عنوان کے نیچے یہ لرزہ خیز عبارت نظر آئی۔

"خدا آرہا ہے۔ خدا آرہا ہے' روحیں تیرے اطراف میں کھڑی ہیں۔" ان الفاظ سے مجھ پر کپکپی تاری ہو گئی لیکن ہمت کرکے چند جملے مزید پڑھنے کی کوشش کی۔

آئی سس تجھ سے مخاطب ہو گئی۔ نیقاطی تجھ سے ہمکلام ہو گی۔ اور اب روحیں تجھے گھیرلیں گی۔"

میں اس خوفناک کتاب کو بند کرکے باہر نکل آئی۔ اس سلسلے میں ایک عجیب صورت یہ تھی کہ میں سب کچھ دیکھتی اور محسوس کرتی تھی' لیکن بلی کے علاوہ کسی سے کوئی بات کا تذکرہ تک نہ کر سکتی تھی۔ مثلاً بچوں کے مجسموں کا حرکت کرنا اور میرے گرد جمع ہو جانا۔ ہوتائی ہوتائی کی آوازیں واضح طور پر سنائی دینا۔ کسی نسوانی اور دردناک آواز کا جنٹے جنٹے پکارنا' حد تو یہ ہے کہ ماہر نفسیات فرنالڈی سے بھی کسی موضوع پر بات چیت نہ کر سکتی تھی ہر رات یہ سوچتی تھی کہ صبح بیدار ہو کر کسی نہ کسی سے حالات و واقعات بیان کرکے دل کا بوجھ ہلکا کرلوں لیکن۔

ایک دن صبح میں پہلے سے طے کردہ پروگرام کے مطابق ناشتے سے فارغ ہو کر مسز فرگوسن کے مکان میں پہنچ گئی۔ ارادہ تو یہ تھا کہ اس سے ان عجائبات کے متعلق بات چیت کروں جو میرے لئے جسمانی اور روحانی تکالیف کا موجب بنے ہوئے تھے' لیکن اس سے پوچھ بیٹھی۔

"مسز فرگوسن' کیا مالنڈا کیلڈر کا کوئی اور نام بھی تھا؟" میرا خیال تھا کہ اس کا نام جنٹے ہو سکتا ہے۔

"لوٹیلا" مسز فرگوسن نے کہا۔ اور چند لمحے غور کرکے توثیق کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں اس کا نام لوٹیلا بھی تھا۔"

مسز فرگوسن کا جواب سن کر میں نے سوچا کہ کیلڈر کاٹیج سے جنٹے کا کوئی تعلق نہیں ہے' اور اس سے قبل کہ میں کوئی دوسرا سوال کروں مسز فرگوسن نے خودبخود ہی کیلڈر کاٹیج کی تاریخ دہرانا شروع کر دی۔

مالنڈا کیلڈر اپنے ساگھر کے متعلق سوچتے سوچتے اپنی اولاد کے غم میں مر گئی' اور اپنی موت سے پہلے ایک چچا زاد بہن کو اپنی املاک کا وارث بنا دیا۔ اس نے نقد اور کارآمد اسباب پر قبضہ کرنے کے بعد اس کاٹیج کو فروخت کرنا چاہا' لیکن وصیت کی ایک شق کی رو سے وہ اسے فروخت نہ کر سکی' چنانچہ اسے کرائے پر دے دیا گیا۔ سب سے پہلے مسز ولیم نامی ایک خاتون نے اسے کرائے پر لیا' وہ سات بچوں کی ماں تھی۔ اس کا شوہر نیوی میں افسر تھا' کچھ دن بعد اس نے کاٹیج کو چھوڑ دیا۔ تو مسز مارک لینڈ نامی ایک عورت نے اسے کرائے پر لیا۔ وہ اس میں تنہا رہتی تھی' البتہ اس کے ساتھ ایک غیر ملکی

عورت بھی تھی۔ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے اتنا بڑا مکان کیوں کرائے پر لیا تھا۔ اس کا حال تو وصیت کے مطابق اس مکان کے نگراں مسٹر ہنیلے کو بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ میں بھی اس سے کبھی رابطہ قائم نہیں کر سکی' اس کے رویے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پڑوسیوں سے تعلقات استوار کرنے کی خواہش مند نہ تھی۔ البتہ وہ کبھی کبھی کار میں جاتی تھی۔ جسے وہ غیر ملکی عورت ڈرائیور کرتی تھی۔ میرے خیال میں وہ صحت مند نہ تھی' لیکن بظاہر وہ نہایت خوبصورت اور صحت مند عورتی تھی لیکن خدا جانے کیوں وہ مجھے دکھی اور بیمار محسوس ہوتی تھی۔ ایک بات اور تھی کہ اس کے پاس چاروں طرف کے لوگوں کی آمد و رفت تھی' جسے شکوک اور غیر پسندیدہ ہی کہا جاسکتا ہے۔"

مسز مارک لینڈ نے اس مکان میں کتنے دن قیام کیا؟" میں نے مسز فرگوسن سے پوچھا۔

"میرے خیال میں دس یا گیارہ مہینے مسز فرگوسن نے کہا۔ صحیح مدت تو مسٹر ہنیلے ہی بتا سکتے ہیں' سنا ہے کہ ایک دن وہ بغیر کسی اطلاع کے مکان چھوڑ گئیں اور مسٹر ہنیلے کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی۔ جس میں مکان کو چھوڑ دینے کا کوئی سبب بیان نہیں کیا گیا تھا' لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں پولیس سے سابقہ تھا۔ لیکن یہ بات قطعی غلط معلوم ہوتی ہے۔ مسز مارک لینڈ کے بعد ایک اور خاندان اس میں مقیم ہوا جو صرف ایک ماہ قیام کر سکا' کا مسلوک' اسی خاندان کی عرفیت تھی۔ اس خاندان میں بہت سے بچے۔

میں نے اس خاندان کے بالغ افراد میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا' اس کے بعد آپ کے آنے تک یہ مکان خالی پڑا رہا۔"

اس وقت پانچ بج چکے تھے۔ لیکن مجھے کیلڈر کاٹیج میں جانے سے وحشت ہو رہی تھی۔ تاہم مجبوراً میں نے مسز فرگوسن سے اجازت طلب کی اور فوری طور پر ذہن میں آنے والے ایک منصوبے کے تحت مسز فرگوسن دوسرے روز ڈنر میں شرکت کی دعوت دے دی جس میں فرنالڈی کو شریک کرنا چاہتی تھی۔

مسز فرگوسن کے یہاں سے میں بہ عجلت کاٹیج میں پہنچی' عین اسی وقت نارمن زینے سے اتر رہا تھا' اس کا چہرہ خوشی سے دمکا ہوا' اس نے پرجوش انداز میں میرا بوسہ لیا۔ اس کے کپڑوں سے پیسٹ اور تارپین کی بو سی آرہی تھی۔

"غالباً تم نے تصویر بنانا شروع کر دیا ہے' میں نے مسکرا کر کہا۔" نارمن نے یہ کہہ کر مجھے بازوؤں میں لے کر ناچنا شروع کر دیا۔ اور ہم دونوں ناچتے ہوئے ہال میں داخل ہو گئے اور اس نے دوبارہ میرا منہ چومتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے اپنی زندگی کی بہترین تصویر بنانا شروع کر دی ہے۔" اور پھر مجھے گود میں اٹھا کر آہستہ سے اسپرنگ دار صوفے پر ڈال دیا اور اس طرح دیکھنے لگا جیسے کوئی فاتح مفتوح کو دیکھتا ہے۔

"میں بے حد مسرور ہوں نارمن۔" میں نے اس کی مسرت و خوشی میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ اور وہ اپنا وہ پیانو پر ایک دل کش دھن بجانے لگا۔

چند روز بڑے سکون و مسرت کے ساتھ گزرے شاید کیلڈر کالیج کی غیر مرئی لیکن تاریک قوتوں نے یہ وقت ہمارے خلاف کسی بھیانک منصوبہ پر غور کرنے میں صرف کر دیا تھا۔ اس وقفہ امن و سکون میں نے مثبت طور طور پر محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا تھا وہ صرف میرے تخیل کی پیداوار تھا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

کیلڈر کالیج جو میرے لئے دشمنی اور نفرت کی قوتوں کا مرکز بنی ہوئی تھی' یکایک دوستی اور فراغ کا گہوارہ بن گئی ایک دن فرنالڈی ایک کتاب لئے ہوئے آیا' جس کا نام پڑھ کر مجھے حیرت ہوئی' یہ بھی جادو سے متعلق تھی' چنانچہ میں اس سے سوال کیا:

"کیا تمہیں اس قسم کی کتابیں پسند ہیں۔؟

"کس قسم کی؟" اس نے میری حیرت سے حیران ہو کر پوچھا:

"یہی جادو اور کیمیا سازی وغیرہ۔" میں طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ بڑے اہم علوم ہیں۔ فرنالڈی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن یہ تو واقعہ ہمہ اور دیو مالا سمجھے جاتے ہیں۔

"مگر واقعہ اور دیو مال کسے کہتے ہیں؟" فرنالڈی نے بڑے علمی انداز میں کہا۔

"ہر وہ بات جس کی بنیاد دلیل پر نہ ہو' وہم یا دیو مالا سے تعلق رکھتی ہے!" میں نے بھی کسی قدر علمی لہجہ اختیار کیا۔

"ان علوم کی بنیاد بھی دلیل پر ہے۔ فرنالڈی نے دانشورانہ انداز میں کہا۔ لیکن لوگ اس معلومات سے محروم ہیں جس پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے' یوں سمجھ لو کہ آج ہم جس بات کو سائنسی حقیقت سمجھتے ہیں' پچاس سال کے بعد وہی بات واہمہ اور دیو مالا قرار پا جائے گی۔ ہم آج تک انسانی شعور و تحت الشعور کی گتھیوں کو نہیں سلجھا سکے' اسی انسانی دماغ کو سمجھ سکے ہیں اور جدید نفسیات کی بنیاد بھی کیلیتا" دلیل پر نہیں ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ ہم انسانی ذہن اور شعور و تحت الشعور کے وجود سے ہی انکار کر دیں۔ جادو ٹیلی پیتھی پیش بنی اور روحوں= کی دوبارہ جسموں میں واپسی کے متعلق ہمارذ) معلومات کی کمی کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ سرے سے موجود نہیں بلکہ بات یہ

ہے کہ نام نہاد "سائنس دان" ان کی اصلیت ہی سے منکر ہیں۔ کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ وہ خیالات جو تمہارے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں وہ تمہارے ہی ہوتے ہیں؟

یقیناً میرے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات میرے ہوتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ احساس بھی تمہارا ہی نہیں بلکہ اس دور کا واہمہ ہے۔" فرنالڈی نے کہا۔ کیا وہ تمام چیزیں تمہاری ایجاد کردہ اور بنائی ہوئی جنہیں تم اپنے گرد و پیش دیکھتی ہو۔"

"نہیں۔" میں نے قطعیت کے ساتھ جواب دیا۔

"تو پھر تم اس امر کا کسی طرح یقین رکھتی ہو کہ جو کیفیت تمہارے ذہن میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کا تعلق صرف تمہاری ذات سے ہوتا ہے۔ فرنالڈی نے کہا۔ جادو کی بنیاد اس علم و یقین پر ہے کہ ایک انسان اپنے خیالات دوسرے انسان کے ذہن میں منتقل کر سکتا ہے۔ لہٰذا وہ طلسمی نقشے جو پرانے لوگوں نے خبیث روحوں اور شیاطین کو زندہ انسانوں کی سوسائٹی سے دور رکھنے کے لئے بناتے تھے۔ ان کی اساس ہی یہ تھی کہ مرنے والوں کے تحت الشعوری خیالات زندہ انسانوں کے شعور پر مسلط نہ ہو سکیں۔"

"اچھا!" میں نے ہنس کر کہا۔ "تو گویا جادو اور طلسمی جنتر منتر سب کی بنیاد ٹھوس لیکن عام آدمیوں کی سمجھ میں نہ آنے والے حقائق پر ہے۔!"

"ایسا سمجھ لو' فرنالڈی نے کہا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے جادو کا علم حاصل کیا ہے؟"

"نہیں تو۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر جس چیز کے متعلق تم کچھ نہیں جانتیں اس سے انکار کیا معنی؟" فرنالڈی نے کہا' اور اٹھ کر کتابوں کی الماری سے ایک کتاب نکال لی۔ اور کہا:

"یہ عبرانی کتاب کالے جادو سے متعلق معلوم ہوتی ہے' میرے خیال میں' یہ کتابیں اس کالیج کے سابق مالک یا مالکہ کی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کھڑے کھڑے کتاب کھولی تو اس میں سے ایک کاغذ نیچے گرا' جسے اس نے اٹھا کر پڑھا اور مجھ سے پوچھا۔

"مسز نارمن' یہ جنٹے کون ہے۔"

"فرنالڈی کا سوال سن کر جیسے یک لخت میرا خون منجمد ہو گیا' اور میں سحر زدہ کی طرح اس کا منہ تکنے لگی' اس نے پھر سوال کیا۔

"کون ہے یہ جنٹے؟"

"جنٹے؟" میری آواز حلق میں پھنس گئی' فرنالڈی نے میری یہ کیفیت دیکھ کر وہ کاغذ مجھے دے دیا' جس پر کم و بیش سو مرتبہ جنٹے مرقوم تھا۔

تحریر قطعی طور پر نارمن کی تھی۔ میں سناٹے میں آگئی۔ اور سوچنے لگی، کیا واقعی نارمن اس کے لئے دیوان ہے۔ یا پھر وہ بھتنی ہے اور نارمن پر بھی اسی طرح مسلط ہے جس طرح مجھ پر رہ چکی ہے۔"

"لوری! کون ہے یہ جنٹے؟" فرنالڈی نے ہمدردانہ انداز میں مجھے پریشان دیکھ کر کہا۔

"میرے خیال میں کیلڈر کائیج کی چڑیل کا نام ہے۔ میں نے ہنس کر کہا۔

"یہ قطعی ممکن ہے کہ ایسا ہو!" نارمن نے کہا، "لیکن ابھی تو تم دلیل پر زور دے رہی تھیں اور اب چڑیلوں تک کی قائل دکھائی دے رہی ہو!"

"تم نے ابھی ابھی تو مجھے بھوتوں کا قائل کرنے کی کوشش کی تھی، غالباً یہ اسی کا اثر ہے۔"

اس واقع کے دوسرے دن صبح کو جب نارمن کے تصویر کشی میں مصروف ہونے کے بعد میں کمرے سے نکل کر باح کے احاطے میں آئی تو مجھے ایک قدیم وضع کا سونے کا میڈل ملا جس پر ایک نقش اور کچھ عبارت منقش تھی، میں نے اسے اٹھالیا، معاً سامنے سے فرنالڈی نے صبح بخیر کہا، تو میں نے جواب دے کر، وہ میڈل اسے دیا۔ اس نے بڑی حیرت اور غور سے اسے دیکھ کر کہا:

"کاش میں عبرانی جانتا ہوتا۔ لوری۔ دراصل یہ کوئی طلسمی چیز ہے، تم نے اسے کہاں پایا ہے؟"

"مجھے یہ ابھی ابھی یہاں ملا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ فرنالڈی کچھ کہنے والا تھا کہ سامنے سے جمی آگیا اور میں نے فرنالڈی سے میڈل لے کر اسے دکھا کر پوچھا کہ کسی کا میڈل تو نہیں گر گیا ہے۔ اس نے میڈل کو اس طرح ہاتھ میں لیا جیسے کوئی زندہ بچھو کو ہتھیلی پر رکھ دے اور کہنے لگا:

"ہاں میں جانتا ہوں یہ کس کا ہے۔"

"جمی کی بات سن کر میرا دل دھڑکنے لگا اور میں نے بے خیالی سے اس سے کہا" شاید یہ تمہاری دادی کا ہے۔" دادی کا نام سن کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے نہایت غصے کے لہجے میں کہا:

"میری دادی کا نہیں بلکہ اس کا ہے جو بہت بری تھی۔"

"جو بہت بری تھی۔ کیا مطلب؟" فرنالڈی نے تفتیش کے لہجے میں کہا۔

"ہاں وہ چاند میں چلی گئی ہے۔" لونا لونا، ڈائنا ہیکاٹے، میکاٹے، سیلنے، سیلنے، سیلنے۔" جمی نے آنکھیں بند کر لیں میں نے فرنالڈی کو اشارے سے سمجھایا کہ جمی سے

مزید کوئی سوال نہ کرے۔ اس کے بعد جب ہم دونوں کمرے میں پہنچ گئے تو فرنالڈی نے کہا:

"ہاں۔" میں نے مختصر سے الفاظ میں کہا۔

"وہ تمام چاند کی دیوی کے نام ہیں۔ اس نے یقیناً کسی جادوگر سے سنے ہوں گے لیکن یہ "بہت بری" کم بخت کیا بلا ہے؟" فرنالڈی نے کہا۔ "مجھے تم نے منع کر دیا ہے۔ اب ایک خوش اخلاق مالکہ کی حیثیت سے تم خود جمی سے پوچھ کر بتاؤ کہ یہ "بہت بری" کون ہے۔ اگر اس مقام پر کوئی جادوگرنی ہوتی تو میں اس سے اس "بہت بری۔" کا احوال ضرور معلوم کر لیتا۔"

"جادوگرنی۔" کیا واقعی فرنالڈی تم.....

"جادوگرنی سے میری مراد پیش بنی کرنے اور اپنی مخصوص ذہنی قوت سے اصرار کا انکشاف کرنے والی عورت سے تھی لوری!" فرنالڈی نے کہا۔ "ایسا مرد یا عورت میری ریسرچ میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔"

"میں نے اسے کہیں دیکھا ہے!" مسز نیلسن نے مجھے میڈل کی صفائی کرتے ہوئے دیکھ کر کہا "اسے کوئی پہنتا تھا۔ آخر اس وقت مجھے یاد کیوں نہیں آجاتا کہ وہ کون تھا۔"

"میں اس میڈل کو پسند کرنے لگی تھی۔ خدا جانے کیوں؟" اس میں ایک دائرہ بنا ہوا تھا۔ غالباً یہ دنیا کے کامل ہونے کے علامت تھا۔ غالباً یہ دنیا کے کامل ہونے کی علامت تھا۔ غالباً کوئی مخفی قوت مجھے اسے پسند کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

میں نے نارمن سے اس کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ اک وقفہ عافیت کے بعد کیلڈر کائیج کی تمام خبیث روحیں ہم دونوں کے خلاف سرگرم عمل ہو چکی تھیں۔ کئی مرتبہ دہشت کی لہروں نے میرے جسم پر تسلط جمایا میری سحرزدگی مجھے ناتواں بنائے جا رہی تھی۔ اس تمام وقت میں نارمن کی راتیں، عجیب، درد ناک اور وحشت خیز موسیقی کی دھنیں پیانو پر بجانے میں گزریں۔ میں نے اسے اتنی ہول خیز دھنیں بجاتے ہوئے اس سے قبل نہیں سنا تھا۔ ایک رات میں نے ہمت کر کے نارمن سے پوچھا:

"نارمن جو دھنیں تم بجا رہے ہو اس کا کیا نام ہے۔"

"اس کا نام ہے جنٹے کے لئے۔" نارمن نے کہا، اس کی آواز بہت دور کی آواز معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے وہ نیند میں بول رہا ہو۔

"نارمن، جنٹے کون ہے؟" میں نے پوچھا اور مجھے سخت حیرانی ہوئی کہ میری آواز اتنی سخت اور بھاری کیونکر ہو گئی۔ نارمن نے پیا تو بجانا چھوڑ دیا اور ہال میں سکوت چھا گیا۔

"جنٹے کون ہے؟" میں نے سخت اور درشت لہجے میں نارمن سے سوال کیا۔

"جنٹے؟ کون جنٹے؟" نارمن نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں کسی جنٹے کو نہیں جانتا۔"

"لیکن تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ جو دھن میں بجا رہا ہوں وہ جنٹے کے لئے ہے۔" میں نے خفگی کے لہجے میں کہا۔

"میں نے کیا کہا؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے تو ایک گھنٹے سے کوئی بات نہیں کہی۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "شاید تم نے خواب دیکھا ہے۔"

"میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا یہ تم ہو جو جنٹے کے خوابل دیکھتے ہو۔" میں--- یہ کہہ کر انتہائی غصے کے عالم میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ ایسی صورت اسے سے قبل پیش نہ آئی تھی۔ اس وقت وہ تمام شکوک جن کا میں نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا اور وہ تمام تکلیفیں جو میں--- خاموشی سے برداشت کر رہی تھی یک بیک نقطہ عروج پر پہنچ گئیں۔

"پاگل مت بنو لور۔" نارمن نے باہر آکر اس مستعجب اور سنجیدگی کے انداز میں کہا کہ میں سوچنے لگی کہ کہیں واقعی میں نے خواب ہی نہ دیکھا ہو۔

"میں پاگل ہو سکتی ہوں مگر بہری نہیں ہوں۔" میں نے غصے سے کہا "تم جنٹے کو جانتے ہو لیکن انجان بن کر مجھے پاگل بنا رہے ہو۔"

"اوہ لور' میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں کسی جنٹے کو نہیں جانتا۔ "نارمن نے اسی سنجیدگی اور بے بسی کے لہجے میں کہا۔

صبح کے وقت میں خواب گاہ سے باہر نکلی' نارمن کا بستر نہ صرف خالی پڑا تھا بلکہ اس پر کوئی شکن تک نہ تھی جو اس امر کی دلیل تھی کہ نارمن نے رات کہیں اور بسر کی ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید کل شام کی تلخی اس پر اثر انداز ہوئی ہے میں خود کو ملامت کرنے لگی اور سوچنے لگی کہ یہ عین ممکن ہے کہ جو کچھ رونما ہو رہا ہے وہ سب میرے وہم و تخیل کی پیداوار ہوں یکایک میری نظر جیمی پر پڑی۔ اس نے سلام کہا اور سامنے آکر کہنے لگا۔

"مسز نارمن آپ ایک تحفہ قبول کریں گی؟"

"کیسا تحفہ جیمی؟"

"یہ حاضر ہے۔" اس نے ایک تانبے کا ستارہ جس پر مچھلی کندہ تھی مجھے دیتے

ہوئے کہا "اس کا ذکر کسی سے نہ کیجئے گا۔ میں اسے اپنی دادی کی بشارت پر آپ کو دے رہا ہوں۔"

ستارہ ہاتھ میں لیتے ہی مجھے ایک عجیب تقویت کا احساس ہوا۔ اور میں نے اسے جمی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول کر لیا۔

"اس کی وجہ سے آپ اس کے شر سے محفوظ رہیں گی۔ جو بہت بری ہے۔" جمی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تیسری وادی کو اس کے کاموں سے بڑی نفرت تھی۔"

"وہ کون تھی جمی' کیا تمہیں اس کا نام معلوم ہے؟" میں نے اسے سے پوچھا۔ "یقیناً وہ نام جنٹے کا ہو گا۔"

"ہاں جنٹے' مگر نہیں۔" اس نے ذہن پر زور دیا۔ "اس کا نام مگڈا ہے۔"

"مگر ابھی تو تم نے جنٹے کہا تھا": میں نے استفسار کیا۔

"ہاں جنٹے تھی مگر وہ تو وہ تھی جو بہت اچھی تھی۔ مگڈا اس سے کہا کرتی تھی جنٹے میرا کہنا مانو مگڈا جو بہت بری تھی۔ اس نے بلی بنائی تھی ہو لوگوں کو تباہ اور ہلاک کرتی تھی۔"

"جنٹے کہاں رہتی ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"یہاں' اسی مکان میں وہ اور اس کی بلی دونوں رہتے ہیں۔ میں کئی بار ان کو دیکھ چکا ہوں۔" جمی نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن ہمیں تو کوئی دکھائی نہیں دیتا جمی۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہے لیکن مسز نارمن....." جمی کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا بات ہے جمی صاف صاف بتاؤ' میں بہت دنوں سے پریشان ہوں۔"

"اب آپ زیادہ پریشان نہ ہوں گی مگر وہ بہت خوفناک ہے۔" جمی نے خوفزدگی کے لہجے میں کہا "بہرحال کچھ بھی ہو وہ" بہت بری۔ "___اب آپ کوئی گزند نہ پہنچا سکے گی۔"

"کیا تمہیں تانبے کے ستارے پر بنے ہوئے نقش پر اتنا ہی اعتماد ہے؟" میں نے جمی سے کہا۔

"ہاں مسز نارمن' جمی نے بڑے پروثوق لہجے میں کہا۔" میری وادی اس۔ "بہت بری" کو ناپسند کرتی تھی اور میں نے اپنی وادی کی ہدایت پر اس بیش بہا چیز کو آپ کے حوالے کیا ہے میں آپ کو اس کے علاوہ کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

جمی کے جانے کے بعد میں نے اس ستارے کو بلاؤز میں چھپا لیا۔ نارمن مجھے دیکھ کر مسکراتا ہوا ہاں میں چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہال میں پہنچی۔ یکایک سرد

ہوا کا ایک شدید جھونکا ہال میں داخل اور ابنوسی میز پر رکھی ہوئی لڑکیوں کے دو پتلے فرش پر گر کر ٹوٹ گئے۔

"یہ کیسا جھونکا تھا؟" نارمن نے میری طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں کہا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں نارمن۔" میں نے حیرت کے عالم میں جواب دیا۔

"بہرحال یہ ہوا کہ جھونکا ہی تھا۔" نارمن نے توجیہہ کے انداز میں کہا۔

"میں بھی تو اسے زلزلہ قرار نہیں دے رہی ہوں۔" میں نے طنز کی اور ہم دونوں خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

شام کے وقت نارمن بہت اچھے موڈ میں تھا چنانچہ اس نے ہوٹل میں ڈنر کا پروگرام بنایا اور ہم دونوں اپنی کار میں بیٹھ کر لبرٹی ہوٹل پہنچ گئے۔ کیلڈر کاٹیج سے نکلتے ہی میری سحر زدگی ختم ہو گئی تھی۔ لیکن ہوٹل میں داخل ہوتے ہی پھر ایک طلسمی فضا قائم ہو گئی۔ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں اگرچہ کافی چہل پہل تھی لیکن پر اسرار عورت کو خوفناک آنکھیں میرے جسم میں پیوست ہو کر میرے خون کی گردش کر رہی تھیں' میں باوجود خائف ہونے کے اسے مسلسل دیکھنے پر مجبور تھی۔ نارمن گویا استغراق کی کیفیت میں تھا۔ اس نے میری کیفیات پر کوئی توجہ نہ دی۔ ڈنر سے فارغ ہو کر میں نے اپنی خواہش کے برعکس گھر واپس ہونے پر اصرار کیا اور ہم دونوں اپنے طلسم کدے میں واپس پہنچ گئے۔ وہ اسرار آنکھیں اب بھی مجھے اپنے جسم پر رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اپنے کمرے میں پہنچتے ہی مجھے خیال آیا کہ میں جمی کا دیا ہوا طلسمی ستارہ گھر پر چھوڑ گئی تھی۔ میں نے فوراً دروازے نکال کر اس پہن کر بلاؤذر میں چھپا لیا۔ معاً مجھے ایک تقویت کا احساس ہوا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس طلسمی ستارے کو ہمیشہ اپنے پاس کھونگی۔"

رات کے تقریباً دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔ نارمن بستر پر موجود نہ تھا' یکایک مجھے خیال آیا کہ آج میں خفیہ طور پر اس کے اسٹوڈیو میں جا کر دیکھوں گی۔ کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ ایسا خیال اگرچہ متعدد بار ذہن میں آ چکا تھا لیکن میں اسے عملی جامہ نہ پہنا سکی تھی لیکن یہ صرف اس طلسمی ستارے کا اثر تھا کہ مجھ میں غیر معمولی ہمت پیدا ہو گئی اور میں آہستہ آہستہ زینہ طے کرتی ہوئی نارمن کے اسٹوڈیو یعنی جنٹے کے کمرے کے قریب پہنچ گئی دروازہ نیم وا تھا۔ باہر اندھیرا اور کمرے میں روشنی تھی اس لئے سب کچھ نظر آ رہا تھا چنانچہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ ہوش گم کر دینے کے لئے کافی تھا۔ ایک خوبصورت عورت کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی' اس کی آنکھوں میں جیسے سرخ بجلیاں کوند رہی تھیں اور نارمن بے نیام تلوار فضا میں اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ غیر مرئی دشمنوں پر حملہ کر

رہا ہو۔

اب کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہ تھی جنٹے مجسم طور پر مکان میں موجود تھی اور نارمن اس کی طلسمی آنکھوں کا اسیر تھا مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ کمرے میں داخل ہو کر' جنٹے اپنا تعارف کرا دوں لیکن اس سے پہلے کہ میں اس خیال کو عملی جامہ پہناتی عین میرے سر پر یہ الفاظ گونجنے لگے:

"ہوتائی چلدی--- ہوتائی جلدی۔"

ابھی ان الفاظ کو گونج سکوت شب میں گم نہ ہوئی تھی' کہ مجھے اپنے دونوں پیروں میں وہ لمس محسوس ہوا جس نے مجھے تھرا دیا۔ یہ بلی تھی جو فرفراتی ہوئی میرے پیروں سے لپٹ رہی تھی۔ میرے حلق سے ایک چیخ نکلی اور زینے سے گر کر لڑھکتی ہوئی نیچے فرش پر آ گری اور بیہوش ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد آنکھ کھلی تو نارمن کو اپنے سرہانے کھڑا ہوا پایا۔

"لوری تمہیں چوٹ تو نہیں آئی آخر تمہیں رات کے وقت باہر نکلنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ "یہ تمہیں جلدی ہی معلوم ہو جائے گا!" میں نے حد درجہ تلخ لہجے میں کہا اور خاموش ہو گئی۔ نارمن بھی حیران اور خاموش مجھے دیکھتا رہا لیکن اس کے چہرے پر انکشاف جرم کا انفعال موجود نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف حیران اور مغموم نظر آ رہا تھا۔

"کیا تمہاری طبیعت خراب ہے لوری۔" اس نے بڑی دل سوزی کے انداز میں کہا۔

"طبیعت نہیں بلکہ قسمت خراب ہے۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا' اتنی بلندی سے گرنے کے باوجود میرے جسم کے کسی حصے میں چوٹ نہیں آئی تھی۔

"گھبراؤ نہیں لوری' آج میری شاہکار تصویر مکمل ہو جائے گی پھر ہم اس کاٹیج کو مقفل کر کے سان فرانسکو میں جا کر رہیں گے۔" نارمن نے اسی دل سوزی کے ساتھ کہا:

"پھر وہ کہاں جائے گی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کون وہ؟" نارمن نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اور چند ثانیوں میں اس کی حالت بدل گئی۔ اس کے چہرے اور لہجے سے محبت اور دل سوزی کے اثرات یک بہ یک معدوم ہو گئے اس نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا:

"تم واقعی بیمار ہو لوری۔"

نارمن کے باہر نکلتے ہی کمرے میں آواز گونجی:

"ہوتائی--- ہو--- تائی--- آج رات کو--- ہوتائی--- ہوتائی آج

رات کو!"

یہ الفاظ سنتے ہی میرے جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی لیکن دہشت کے بجائے دل میں مقابلے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے چیخ کر کہا:

"اچھا۔ اچھا ہوتائی کی خالہ آج رات کو تیرا میرا فیصلہ ہو جائے گا۔

آخر دن گزر گیا اور رات ہو گئی۔ ڈنر کے بعد مجھ پر ایسی گہری نیند طاری ہو گئی گویا میں نے کوئی خواب آور دوا استعمال کرلی ہے لیکن اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ نارمن بستر پر موجود تھا۔ دفعتاً" مجھے اسٹوڈیو سے چیخوں کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز بلاشبہ نارمن کی تھی۔ میں گھبرا کر بستر سے اٹھی اور تیزی سے زینہ طے کرتی ہوئی نارمن کے اسٹوڈیو میں پہنچی۔ نارمن فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اسے اس طرح افتادہ دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ نارمن کے سامنے ایک خوبصورت عورت کی بہت بڑی تصویر رکھی تھی جو ایک سیامی بلی کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ اس تصویر کی آنکھوں سے نیلے رنگ کی شعاعیں نکل کر نارمن کے جسم پر پڑ رہی تھی اور نارمن کے جسم سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکل کر تصویر میں داخل ہو رہی تھی۔ اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر میں لرز گئی لیکن دل مضبوط کرکے میں نے قریب قریب چیخ کر کہا:

"خبردار ہوتائی، میں آپہنچی ہوں۔"

ابھی میرے منہ سے جملہ پورا بھی نہ ہو سکا تھا کہ فریم سے ایک عورت نکل کر سامنے آگئی اور اس نے اپنا اسکرٹ اٹھا کر کہا:

"او مردار کہاں چلی، اب وار کر؟"

بلی اس عورت کی ٹانگوں میں جا گھسی اور وہ مجھے خوف اور حیرت سے دیکھ کر چیخی:

"ہائے میری محنت اور زندگی دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔"

میں ستارہ لئے ہوئے آگے بڑھ وہ بلی کو ہاتھوں میں اٹھا کر تصویر کے فریم سے چپک گئی اور یکایک سرخ رنگ کی بھاپ میں تبدیل ہو کر غائب ہو گئیں۔ میں دوڑ کر نارمن کے پاس پہنچی اس کی نبض ٹٹولی اور کان لگا کر دل کی حرکت سنی، وہ صرف بے ہوش تھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا جیسے کسی ویمپائر نے سارا خون پی لیا ہو۔ کھڑکیوں سے آنے والی روشنی صبح کے نور سے معمور تھی۔ میں نے چاہا کہ دوڑ کر مسز نیلسن کو مدد کے لئے بلاؤں یکایک زینے پر بہت سے لوگوں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر جمی، فرنالڈی اور مسز نیلسن کے ساتھ وہ معمر عورت جسے گزشتہ شب میں نے ہوٹل میں دیکھا

تھا۔ اسٹوڈیو میں داخل ہوئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"تم بچ گئیں مگر مسز مارک لینڈ ہمیشہ کے لئے مر گئی۔"

"مسز مارک لینڈ!" میں نے حیرت سے کہا اور فرنالڈی سے پوچھا۔

"یہ کون صاحبہ ہیں فرنالڈی؟"

"یہ مسز کیلڈر ہیں مسز نارمن" فرنالڈی سے پہلے جمی نے کہا "انہوں نے آپ کی اور مسٹر نارمان کی جان بچانے کے لئے جنیٹے اور اس کی بلی کا خاتمہ کر دیا۔"

"مسز مارک لینڈ؟ جنیٹے؟ آخر کیا معاملہ ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کون صاحبہ ہیں فرنالڈی؟"

"یہ مسز کیلڈر ہیں مسز نارمن" فرنالڈی سے پہلے جمی نے کہا "انہوں نے آپ کی اور مسٹر نارمن کی جان بچانے کے لئے جنیٹے اور اس کی بلی کا خاتمہ کر دیا۔"

"مسز مارک لینڈ؟ جنیٹے؟ آخر کیا معاملہ ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں سب کچھ بتا دوں گی۔ پہلے آپ لوگ نارمن کو خواب گاہ میں پہنچا دیں" مسز کیلڈر نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر اسٹوڈیو سے نیچے اتری نارمن کو بھی ہوش آگیا۔ جمی اور فرنالڈی اسے سہارا دے کر نیچے لائے اور مسہری پر لٹا دیا۔ میں نے مسز نیلسن سے کہا کہ وہ سب کے لئے عمدہ کافی تیار کرے۔ فرنالڈی نے مسز کیلڈر سے کہا کہ وہ حسب وعدہ ان طلسمی حالات کا انکشاف کرے جو کیلڈر کاٹیج میں پیش آتے رہے ہیں۔" بات یہ ہے جناب مسز کیلڈر نے بلند آواز میں کہا "جنیٹے یعنی مسز مارک لینڈ میرے ساتھ اس مکان میں مقیم تھی۔ آپ لوگ چونکہ سائنسی انداز نظر رکھنے والے لوگ ہیں اس لئے شاید آپ کو ان واقعات و حالات پر یقین نہ آئے تاہم میں بیان ضرور کروں گی۔ میں جمی کی دادی کی شاگرد ہوں اور میں نے ان سے ہر قسم کے طلسمی علوم کے علاوہ کالا جادو بھی سیکھا تھا۔ جنیٹے خود بھی جادو جانتی تھی لیکن وہ صرف خیالات کو مجسم اور ٹھوس جسم دینے کے طلسمی علوم کا مطالعہ کر رہی تھی اور اس کا ایک عملی کے دوران اس کمرے میں انتقال ہو گیا تھا جہاں نارمن نے تصویر بنائی ہے۔ ڈاکٹروں نے جنیٹے کی موت کا سبب حرکت قلب بند ہو جانے کو قرار دیا لیکن یہ کیسے معلوم تھا کہ قلب کی حرکت کیوں بند ہوئی۔ مسز کیلڈر نے جو کالے جادو کی ماہر تھیں جنیٹے کی روح کو طلسم بند کر دیا تھا جو ایک جسم کی تلاش میں تھی تاکہ وہ خوبصورت جسم میں غیرفانی روح کی حیثیت سے حلول کرکے زندگی کے مزے لوٹ سکے جنیٹے کا دائرہ عمل صرف اسی کاٹیج تک محدود تھا۔ میں نے مسز کیلڈر کو اس امر سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی کہ وہ جنیٹے کی روح کو طلسم بند کر دیا تھا۔ جو ایک جسم کی تلاش میں تھی تاکہ وہ خوبصورت جسم میں غیرفانی روح کی حیثیت

سے حلول کرکے زندگی کے مزے لوٹ سکے جنٹے کا دائرہ عمل صرف اسی کانیج تک محدود تھا۔ میں نے مسز کیلڈر کو اس امر سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی کہ وہ جنٹے کی روح کو طلسم بند نہ کرے لیکن وہ نہ مانی اور ایک بلی کی تخلیق کر دی جس کا کام یہ تھا کہ وہ اس عورت کو ہلاک کر دے گی جس کے جسم کو جنٹے کا طلسم بند وجود اپنے قیام اور تسلط کے لئے منتخب کرے چنانچہ جنٹے میں مسلط ہونے کی قوت بھی پیدا ہو گئی۔ جنٹے کے کام کو آسان بنانے کے لئے مسز کیلڈر نے نارمن کا انتخاب کیا تاکہ وہ اس کی تصویر بنا دے اور کینوس پر اپنی مجسم کے بعد اس کی بلی مسز نارمن کو ہلاک کر دے اور وہ ان کے جسم میں حلول کر جائے۔ جنٹے کی نیت میں فتور آ گیا تھا اسے اس امر کا اندازہ تھا کہ نارمن کو اپنی بیوی سے عشق ہے اس لئے اس نے پہلے نارمن کا خون پینا چاہا تاکہ بعد میں مسز نارمن کو اپنی بلی ہو تائی سے ہلاک کرا کے ان کے جسم پر قابض ہو جائے اور پھر مسٹر فرنالڈی سے اپنی خوں گشتہ جنسی آرزوؤں کی تکمیل کرے۔ مجھے اپنے علم کے ذریعے اسی کے ارادے سے آگاہی حاصل ہوئی اور میں نے فوراً نارمن اور مسز نارمن کو بچانے کا تہیہ کر لیا۔۔۔ مجھے جنٹے سے بڑی محبت تھی پہلے میرا خیال تھا کہ ایک خاص عمل کی تکمیل سے جنٹے کی روح کو مسز کیلڈر کے طلسم سے نجات دلاؤں گی لیکن حالات نے تیزی سے جو رخ اختیار کیا ان کے نتیجے میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکی اور آخر کار جنٹے کو جو مجھے بیٹی کی طرح عزیز تھی فنا کر دینا پڑا۔"

"لیکن میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ طلسمی ستارہ میرے کام آیا ہے!" میں نے ستارہ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے مسز نارمن۔" مسز کیڈر نے کہا۔ "یہ ستارہ جی کی وادی کی روحانی ہدایت کے مطابق میں نے ہی بھجوایا تھا جنٹے جس طلسم میں گرفتار تھی وہ چاند سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس طلسمی ستارے کا تعلق مریخ سے ہے اسی لئے اسے مقابلے میں فتح ہوئی، میرا خیال تھا کہ اپنے طلسم کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر کہیں مسز کیلڈر خود میدان میں نہ آ جائے، اس لئے میں خود اس مقام پر دور دراز کا سفر طے کرکے وارد ہو گئی لیکن وہ نہ آئی اور میری محبوب جنٹے کا خاتمہ خود میرے ہاتھ سے ہو گیا۔ بہرحال اب آپ لوگ تمام طلسمی اثرات سے آزاد ہیں اور اب آئندہ کسی کا جادو آپ پر کارگر نہ ہو گا۔"

ہم سب محو حیرت بنے ہوئے مسز کیلڈر کا ہوشربا بیان سن رہے تھے فرنالڈی کے چہرے پر شک و شبہ کے آثار پیدا ہوئے تو مسز کیلڈر نے کہا:

"مسٹر فرنالڈی، اگر آپ کو عملی طور پر دلچسپی ہے تو میں آپ کو کالے جادو اور

اس کے اثرات کی حقیقت سے مطمئن کروں گی لیکن فی الحال آپ میرے اس مشورے کی تائید کریں کہ مسٹر اور مسز نارمن کو جلد از جلد یہ مکان بلکہ یہ شہر چھوڑ دینا چاہئے۔"

مسز کیلڈر یہ کہہ کر روتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد نارمن جو لیٹا ہوا سب کچھ سن رہا تھا۔ ایک دم بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہا:

"لوری تمہیں یاد ہو گا میں نے کہا تھا کہ تصویر مکمل ہوتے ہی ہم یہ جگہ چھوڑ دیں گے" میں نے اس کی طرف دیکھا کہ وہ بہت کمزور لیکن پہلے سے زیادہ محبوب نظر آ رہا تھا۔

میں اور نارمن دونوں پروگرام کے مطابق سال فرانسیسکو منتقل ہو گئے، جنٹے کی تصویر شہر کے سب سے بڑے ہال میں نمائش کے لئے رکھ دی گئی۔ اس کی تعریف میں مصوری کے نقادوں نے نارمن کو خراج تحسین پیش کیا لیکن نارمن کے اصرار اور غالباً اپنی خواہش کے مطابق جب میں اس تصویر کو دیکھنے کے لئے ہال میں پہنچی تو میری مڈبھیڑ مسز کلیڈر سے ہوئی تو رومال سے آنسو پونچھتی ہوئی ہال سے باہر آ رہی تھی۔ میں اس کے المناک چہرے اور مغمومیت کی تاب نہ لا سکی اور اس عورت کے بے مثال تصویر دیکھے بغیر لوٹ آئی۔ جو مرنے کے بعد بھی مرنے پر رضامند نہ تھی۔

قیمتی لاش

اس کے گھٹنے میں درد ہو رہا تھا۔ وہ دوبارہ سال بعد چرچ میں آیا تھا۔ قربان گاہ کے قریب گھٹنوں کے بل جھکے اسے بڑی دیر ہو گئی تھی پھر اسے یوں لگا جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو اور وہ اب کبھی ٹھیک سے نہیں چل سکے گا۔ اس کی ٹانگوں میں آگ کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ اس کے بائیں جانب قربان گاہ کے بالکل سامنے فرش پر چارلی بروڈی کا تابوت رکھا تھا جس پر سیاہ غلاف چڑھا ہوا تھا۔ نک لاویٹو نے اس کی بے چینی محسوس کرلی..... اور اسے تیز نظروں سے گھورا۔ امین فوراً ہی دوبارہ جھک کر ساکت ہو گیا۔ درد کی وجہ سے اس کے چہرے پر کرب کے آثار پھیل گئے۔ نک راویٹو اسے سوگ کی کیفیت سمجھ کر مطمئن ہو گیا اور پھر تابوت کی طرف دیکھنے لگا۔

چارلی بروڈی کی موت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔ وہ چولہے پر کافی کا برتن رکھ رہا تھا کہ اسے دل کا دورہ پڑا۔ وہ اوندھے منہ آگ پر گرا دم توڑ دیا لیکن اس کی تدفین کا اہتمام اس شان و شوکت سے کیا جا رہا تھا جیسے وہ تنظیم کا کوئی بڑا ہو۔ حالانکہ وہ ایک معمولی سا ہرکارہ تھا جس کا کام نیویارک سے بالٹی مور تک سپلائرز کے لیے پیغام اور مال کا لانا اور لے جانا تھا۔ چار سال کے دوران ایلن کے سامنے یہ تنظیم کے پہلے سرگرم کارکن کی موت تھی جسے اس قدر اعزاز سے دفنایا جا رہا تھا۔ اس سوپ بھی تنظیم کا ایک معمولی کارکن تھا مگر میں سال پہلے اس کی تدفین میں صرف ستائیس آدمی آئے تھے اور تنظیم کے بڑوں میں سے صرف ایک آدمی ڈونلڈ شاٹ نے جنازے میں شرکت کی تھی۔ یہ شخص اٹھارہ سال تک اس کے باپ کا باس رہ چکا تھا۔

لوگ دو دو کی قطار میں چرچ سے باہر آنے لگے۔ چارلی بروڈی کی بیوہ اور آرچی فرگوسن سب سے آگے آگے تھے۔ آرچی فرگوسن تنظیم میں لڑکیوں کے سیکشن کا سربراہ تھا۔ چارلی بروڈی نے کوئی اثاثہ نہیں چھوڑا تھا۔ لہٰذا اب اس کی بیوہ کو آرچی کے ماتحت کام کرنا تھا۔ جس طرح وہ شادی سے پہلے کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پوری تقریب میں آرچی کے قریب ہی رہی۔

ایلن، نک راویٹو کے ساتھ باہر آگیا۔ سڑک پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ ان میں

بچے بھی تھے اور بڑے بھی..... اور وہ نک راویٹو کو حیرت سے دیکھ رہے تھے جو بدمعاشوں کی سب سے بڑی تنظیم کا سربراہ اور بے انتہا دولت کا مالک تھا۔ ایلن جانتا تھا کہ اس ہجوم میں کہیں اس کی ماں بھی ہو گی جو اسے اتنے بڑے آدمی کے ساتھ دیکھ کر خوش ہو رہی ہو گی۔ چارلی بروڈی کی بیوہ رونے لگی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"چارلی بہت اچھا آدمی تھا۔" وہ سسکیاں بھرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "ہم نے سترہ خوب صورت مہینے ایک ساتھ گزارے تھے۔" اس نے ایک چھوٹا سا رومال اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ آرچی اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

نک راویٹو نے قریب جاکر اس کا شانہ تھپکا۔ "بس کرو بوبی۔" وہ بولا۔ "چارلی بہت اچھا آدمی تھا۔ وہ ہمیں کافی عرصے تک یاد رہے گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو نک۔" وہ اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے بولی۔

اس عرصے میں لوگ اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ چکے تھے پھر یہ قافلہ قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ چارلی کو دفنانے کے بعد کاروں کی طرف واپسی کے وقت نک ایلن کے قریب آگیا۔ "اس قبر کو ذہن میں رکھنا۔" اس نے سرگوشی کی۔ "تمہیں آج رات یہ قبر دوبارہ کھودنی پڑے گی۔"

ایلن حیرت سے منہ پھاڑے قبر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کیے تھے مگر کسی قبر کو لوٹنے کا کام اسے کبھی نہیں سونپا گیا تھا۔ ریمنڈ ایلن، فریڈی ایلن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کا باپ سینٹ نکولس ایونیو میں ایک چھوٹے سے اسٹور کا مالک تھا۔ بظاہر وہ سگریٹ اور رسالے فروخت کرتا تھا مگر اندر ایک کمرے میں رات دن جوا ہوتا تھا اور وہاں ٹیلی فونوں پر بھی بازیاں لگائی جاتی تھیں۔ اسے تنظیم کی طرف سے تنخواہ ملتی تھی اور تھوڑا بہت وہ نفع بھی اس کا تھا جو سگریٹ اور رسالوں کی فروخت سے حاصل ہوتا تھا۔ ایلن کی ماں اس کی پیدائش سے پہلے سے پیرس اسٹائل بیوٹی شاپ پر کام کیا کرتی تھی اور اب وہاں کی قدیم ترین اور قابل اعتماد ملازمہ سمجھی جاتی تھی۔ ایلن کا باپ خود بھی جوئے کا رسیا تھا اس لیے یہ گھرانہ مستقلاً مالی مشکلات کا شکار رہتا تھا۔

"میرا کسی سے تعارف کرا دو ڈیڈ۔" ایلن نے ہائی اسکول سے ڈپلوما حاصل کرتے ہی اپنے باپ سے کہا تھا۔ "میں تنظیم کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"اپنے باپ کی وش اختیار نہ کرنا ایلن۔" اس کی ماں نے کہا۔ "چونتیس سال میں آج تک وہ اسٹور سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ تم آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ آخر نک راویٹو نے بھی تو اپنے کام کی ابتدا نیچے سے ہی کی تھی۔"

پھر اگر رَ نیلی والا معاملہ نہ ہو جاتا تو ایلن کی عمر بھی اپنے باپ کی طرح تنظیم کے

بڑوں کے قدموں ہی میں گزر جاتی۔ کونیلی بھاری بھرکم اور انتہائی خوش مزاج آدمی تھا۔ وہ کئی برسوں سے نک راویٹو کا پارٹنر اور دایاں بازو بنا ہوا تھا پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ وہ حرص و طمع کا شکار ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ نک راویٹو کو ختم کر کے اس کی جگہ خود تنظیم کا سربراہ بن جائے گا۔ اس کام میں وہ تنہا نہیں تھا۔ درمیانی عہدے کے کئی آدمی بھی اس کے ساتھ مل گئے تھے جن میں ایک ڈونلڈ شاٹ بھی تھا جو ایلن کے باپ کا باس تھا۔ اٹھارہ سال کے طویل عرصے میں ایلن کے باپ نے اس کے دل میں کافی جگہ بنالی تھی۔ ڈونلڈ نے یہ بات اس کے باپ کو بتا دی۔

"کسی غلط آدمی کا ساتھ مت دینا فریڈ۔" شاٹ نے اسے مشورہ دیا۔ "اب خاموش تماشائی بنے رہو۔"

فریڈ نے گھر آکر یہ بات اپنی بیوی کو بتا دی۔ وہ تو جیسے کسی ایسی ہی بات کا صدیوں سے انتظار کر رہی تھی۔ یہ سن کر وہ اچھل پڑی اور بولی۔ "تمہارے بیٹے کو آگے بڑھنے کا اس سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آسکتا۔ اعلا عہدے پر تعیش زندگی اور ہر وہ چیز جو تم کبھی حاصل نہیں کر سکے' تمہارے بیٹے کو مل سکتی ہے۔"

اس میٹنگ میں ایلن کو بھی شامل کر لیا گیا۔ "کونیلی کو جانتے ہو نا؟" فریڈ نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔ ایلن نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "وہ نک راویٹو کا تختہ الٹ کر اس کی جگہ لینا چاہتا ہے۔" ایلن کی آنکھوں میں حیرت چمک اٹھی۔ "تم جاؤ اور یہ بات نک راویٹو کو بتا دو۔ اس کے علاوہ اور کسی سے بات نہ کرنا۔ نہ جانے کون کون کونیلی کے ساتھ ہے۔ سمجھے؟"

ایلنے نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "اگر نک راویٹو نے ثبوت مانگا تو؟" اس نے پوچھا۔

"کونیلی پینشن فنڈ میں سے رقم خرد برد کر رہا ہے اور یہ رقم وہ نک راویٹو کے نام سے اکاؤنٹ میں جمع کرا رہا ہے۔ نک راویٹو ثبوت مانگے تو یہی بات اسے بتا دینا۔"

ایلن کسی نہ کسی طرح نک راویٹو سے تنہائی میں ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ساری بات اسے بتا دی۔ نک راویٹو ایک دام بھڑک اٹھا اور اس نے ایلن کو گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ "تم میرے برسوں پرانے دوست پر الزام لگا رہے ہو۔" وہ غصے سے دھاڑا..... لیکن جب ایلن نے اسے غبن والی سازش کے بارے میں بتایا تو نک سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے اس وقت کونیلی کو بلا بھیجا۔ "اب اس کے سامنے بتاؤ۔" اس نے ایلن سے کہا اور وہ کپکپا کر رہ گیا..... مگر وہ بات اسے دہرانی ہی پڑی تھی۔

"میں نے اب تک لڑکے کی بات کی تصدیق نہیں کی ہے۔" نک راویٹو' کونیلی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا مجھے اس کی بات کی تصدیق کرنا پڑے گی۔"

کونیلی غرآیا۔ "گندی نالی کا کیڑا۔" یہ کہہ کر وہ ایلن کی طرف جھپٹا۔ اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔

نک راویٹو نے اطمینان سے اپنی دراز کھولی اور گن نکال کر ایلن کی طرف اچھال دی۔ اس کی زندگی میں گن پکڑنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ کونیلی کے ہاتھ اس کی گردن پر پہنچ رہے تھے۔ ایلن نے آنکھیں بند کیں اور دونوں ہاتھوں سے پستول پکڑ کر اس کا ٹرائیگر دباتا چلا گیا۔ کونیلی کے بدن پر پانچ سرخ پھول ابھر آئے اور وہ فرش پر گر کر ساکت ہو گیا۔

"آج سے تم میرے دائیں بازو ہو لڑکے۔" نک نے کہا۔ "دائیں بازو اور اس کے ساتھ تمہیں وہ تمام مراعات حاصل ہوں گی جو کونیلی کو حاصل تھیں۔"

یہ چار سال پہلے کی بات تھی اور اس کے ایک سال بعد ہی ایلن کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس عرصے میں اس نے بڑے بڑے کام کیے تھے اور زندگی سے بھی بھرپور لطف اٹھایا تھا مگر آدھی رات کو قبرستان میں قبر کھودنے کے کام کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

شام کو نک نے ایلن کو بلا بھیجا اور اسے بتایا کہ قبر میں لیٹے ہوئے اس مردے کے کوٹ میں ڈھائی لاکھ ڈالر کی منشیات محفوظ ہے۔ غلطی سے اس کی بیوی نے یہ قیمتی سوٹ اسے پہنا دیا تھا۔ "یہ کوٹ ہمارے لیے بے حد اہم ہے۔ ایلن!" ایلن نے مستعدی سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم سمجھ گئے نا؟ اپنی مدد کے لیے ولی میپنک کو بھی ساتھ لے لینا اور کوٹ حاصل کرنے کے بعد اس کا صفایا کر دینا۔"

نک نے ایلن کی طرف دیکھا' اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے' ایلن؟ کوئی بات تمہارے ذہن کو پریشان کر رہی ہے؟"

"قبر کھودنا..... مجھے یہ کام قطعاً" پسند نہیں۔"

"بھوتوں سے ڈر لگتا ہے کیا؟ میں اس کام کے لیے کسی معمولی کارندے کو بھی بھیج سکتا تھا مگر تمہیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اسی لیے اندر کے کسی قابل اعتماد آدمی کی ضرورت ہے۔ تم وہ سوٹ میرے پاس لے آنا۔ میں تمہیں خوش کر دوں گا۔ ایک شاندار بونس۔"

"شکریہ نک۔" اس نے زیر لب کہا۔

"تم قبرستان میں' پستول لے کر نہیں جاؤ گے۔ ولی کو شبہ ہو سکتا ہے۔ جب تم

کوٹ حاصل کر لو تو پھاؤڑے سے اس کا کام تمام کر دینا اور پھر قبر برابر کر دینا۔" نک نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم ولی کو تو جانتے ہو' نا؟"

"ہاں..... ایک دوبار اس سے مل چکا ہوں۔ وہ ٹرک چلاتا ہے اور کبھی کبھار کینیڈا تک ہمارا مال بھی لے کر جاتا ہے۔"

"ٹھیک' وہی ہے' یاد رکھنا مجھے صرف نیلا کوٹ چاہیے' ایلن اور امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ نک بولا اور میٹنگ برخواست ہو گئی۔

نک کے پاس سے اٹھ کر ایلن' کینیڈی کے پاس آیا جو تنظیم کا آدمی تھا اور گیراج چلاتا تھا۔ نک شاید اسے فون کر چکا تھا۔ کینیڈی نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور اسے ایک سیاہ شیورلیٹ کے پاس لے گیا۔ "یہ تمہاری کار ہے' ایلن۔" وہ بولا۔ "اس کی ڈکی میں دو پھاوڑے ایک کدال اور ایک کمبل موجود ہے اور اس کا انجن زیادہ شور بھی نہیں مچاتا۔"

ایلن نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کار چلاتا ہوا کارمن اسٹریٹ پر واقع اپنے گھر آگیا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایلن کا پہلا خیال نک راویٹو ہی کی طرف گیا۔ شاید اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہو اور یہ ذلیل کام اسے نہ کرنا پڑے۔ اس نے سوچا..... مگر دوسری طرف سے اس کی ماں بول رہی تھی۔

"تم بہت شاندار لگ رہے تھے' ایلن۔" ماں کی آواز میں خوشی کا گہرا تاثر تھا۔

"جب تم چرچ کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو بالکل کسی بڑے آدمی کی طرح لگ رہے تھے۔ میں نے تمہاری طرف رومال بھی لہرایا تھا۔ تم نے دیکھا تھا' نا؟"

"نہیں..... میں ذہنی طور پر بہت مصروف تھا۔"

"اوہ..... پھر میں سیدھی گھر آئی تھی اور تمہارے لیے ایک شاندار ڈنر کی تیاری کرنے لگی۔ تم آؤ گے نا' بیٹے۔ نہیں' میرا شکریہ مت ادا کرو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ اس سے زیادہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ ذرا دیر کے لیے آجاؤ' ایلن بیٹے۔"

"نہیں..... میں بے حد مصروف ہوں۔" ایلن نے سختی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

آدھی رات کے بعد وہ کار لے کر نکلا۔

ماں کی کال کے بعد اس نے ولی کو فون کر دیا تھا کہ وہ اسے بروکلین میں رالف پب کے سامنے ملے۔ کار چلاتے ہوئے' وہ طرح طرح کے منہ بناتا جا رہا تھا۔ آج تک

اس نے نک راویٹو کے دائیں بازو کی حیثیت سے چھوٹے موٹے خوش گوار کام ہی سر انجام دیے تھے۔ مثلاً نک کے لیے آنے والی فون کالیں اٹینڈ کرنا' ملاقاتوں کا بندوبست کرنا اور ایک عہدے دار کی حیثیت سے عام باتوں کے فیصلے کرنا۔ وہ بالکل کسی اشتہاری ایجنسی کے باس کے بیٹے کی طرح کام کر رہا تھا مگر اب یہ کام..... آدھی رات کو قبر کھودنا اور مردے کے بدن سے کوٹ چرانا..... یہ ایک انتہائی ناگوار اور حقارت آمیز کام تھا..... مگر ایلن انکار نہیں کر سکتا تھا۔

ولی اسے شراب خانے کے سامنے مل گیا۔ وہ نشے میں دھت تھا' ایلن نے اپنے قریب والی نشست کا دروازہ کھولا۔ ولی کے بیٹھتے ہی اس نے کار کا رخ قبرستان کی طرف کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کار قبرستان کے گیٹ کے ایک طرف روکی اور ٹارچ ہاتھ میں لیے باہر آگیا۔ ولی نے بھی اس کی تقلید کی۔ ٹارچ کی روشنی میں ایلن نے ڈکی کھول کر ایک بڑے سے کمبل میں پھاؤڑے اور کدال کو لپیٹ لیا..... پھر اس کا اشارہ پاکر ولی نے بنڈل اپنے کندھے پر رکھا اور دونوں چارلی کی قبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ قبرستان میں ہو کا عالم تھا۔ ایلن بزدل نہیں تھا مگر یہ کام اس کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ چارلی کی قبر پر پہنچ کر ولی نے بنڈل نیچے رکھ دیا اور اسے کھولنے لگا۔

"میں روشنی دکھاتا ہوں' تم کھدونا شروع کر دو۔"

..... پھر وہ دونوں باری باری قبر کھودتے رہے۔ اچانک پھاوڑا کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔

"شاید خزانے کا صندوق ہے۔" ولی نے تبصرہ کیا اور نشے کی حالت میں گانے لگا۔

"خاموش رہو۔ یہ تابو ہو گا۔" ایلن نے اسے ڈانٹا۔ "جلدی جلدی مٹی ہٹاؤ۔"

ولی خاموش ہو کر مٹی ہٹانے لگا۔

تابوت کا ڈھکنا نظر آیا تو ایلن نے کہا۔ "اس میں دو قفل لگے ہوئے ہیں' انہیں توڑ ڈالو۔"

"کیسے توڑوں؟" بے بسی سے بولا۔ "میں تابوت کے اوپر کھڑا ہوا ہوں۔"

"باہر آجاؤ اور کدال سے تالے توڑ ڈالو۔"

"ہاں' یہ ترکیب ٹھیک ہے۔" ولی بولا اور قبر سے باہر آگیا..... پھر اس نے کدال سنبھالی اور قبر کے کنارے جھک کر تابوت کے تالے توڑنے لگا۔ ذرا سی دیر میں اس نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا اور پھر دونوں ہی چونک پڑے۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر دیکھا۔

تابوت اندر سے خالی پڑا تھا۔

"اوئے اوئے۔" ولی چیختا ہوا اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی جانب ہٹا۔ ایلن سمجھ گیا کہ وہ اب بھاگنے ہی والا ہے۔ اس نے فلیش لائٹ پھینکی اور دونوں ہاتھوں سے پھاوڑا اٹھا کر ولی کے سر پر وار کیا۔ نشے میں ہونے کے باوجود ولی نے جھکائی دی اور پلٹ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایلن توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اپنی ہی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا کھلے خالی تابوت میں جا گرا..... پھر ایک دھماکا ہوا اور اگلے ہی لمحے تابوت کا بھاری ڈھکنا اس کے منہ پر آ گرا۔

ایلن کے لیے اگلا ڈیڑھ گھنٹہ بڑا قیامت خیز گزرا۔ اس نے بڑی مشکل سے تابوت کھولا' قبر سے باہر آیا اور گڑھا پر کرنے لگا۔ ولی کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ آخر وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا نک راویٹو کے ٹھکانے پر پہنچا۔ ایک باڈی گارڈ نے اسے لائبریری میں بٹھایا اور نک راویٹو کو اطلاع کرنے اندر چلا گیا۔

نک آیا تو اس نے شب خوابی کا زرد لباس پہن رکھا تھا۔

"میں کوٹ نہیں لا سکا' نک۔" ایلن نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "سب گڑبڑ ہو گیا۔ وی ابھی تک زندہ ہے اور میں ناکام واپس آیا ہوں۔"

"کیا یہ ایلن بول رہا ہے۔" میرا دایاں ہاتھ..... میرا قابل اعتماد نائب..... وہ شخص مجھے ناکامی کی خبر سنا رہا ہے جسے میں نے دنیا بھر کا عیش و آرام مہیا کیا اور اسے گندی نالی سے نکال کر اپنے سر پر بٹھا لیا؟"

"میں کیا کرتا نک؟" وہ بے چارگی سے بولا۔ "چارلی کی لاش تابوت میں نہیں تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہو' تم؟" وہ چیخ پڑا۔ "ذرا مجھے اپنا منہ سونگھنے دو۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں' نک۔" اس نے گہری متانت سے کہا اور اسے تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے؟ یہ گورکن کی کارستانی ہے۔ اس نے لاش کسی میڈیکل اسٹوڈنٹ کے ہاتھ فروخت کر دی ہو گی اور خالی تابوت' بند کر کے دفن کر دیا ہو گا۔ میڈیکل اسٹوڈنٹ ان لاشوں پر تجربات کرتے ہیں۔" نک خشونت آمیز نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ "میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے' نک۔" ایلن پھر بولا۔ "اگر لاش تابوت میں ہوتی تو میں کبھی ناکامی واپس نہ آتا۔"

"اسٹنڈ ایلن۔" نک اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے غرایا۔ "میں دوستی میں اس قسم کے تساہل کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے ہر حالت میں کوٹ چاہیے۔ چارلی کی لاش

تابوت میں ہے یا کہیں اور' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ مجھے صرف کوٹ چاہیے' ایلن ورنہ تمہیں ایک بار پھر وہی قبر کھود کر اسے میں لیٹنا پڑے گا۔ قبر کو دوبارہ برابر کرانا میری ذمے داری ہو گی۔"

"نک..... خدا کے لیے۔ سوچو تو سہی کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیا پتہ کہ لاش کہاں گئی۔ میں نے آج تک بڑے خلوص سے تمہاری خدمت کی ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب بھی کوٹ کی تلاش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو' ایلن۔" نک کے چہرے کا تناؤ یکایک ختم ہو گیا۔ "تم نے کونیلی سے میری جان بچا کر مجھ پر احسان کیا تھا۔ مجھے تم سے اس لہجے میں گفتگو نہیں کرنی چاہئے تھی۔ سارا قصور چارلی بروڈی کا ہے' اگر وہ یوں اچانک ہی مر نہ جاتا تو تم بڑی آسانی سے' اسے قتل کر کے کوٹ میرے پاس لا سکتے تھے۔"

"تھوڑا سا قصور میرا بھی ہے' نک! مجھے ولی کو زندہ نکلنے نہیں دینا چاہیے تھا مگر میں....."

"اوہ' مارو گولی' ولی کو۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ ہم اگلے ہفتے تک اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔ میں اس کام پر ہیری کو لگا دوں گا۔ وہ اسے باڈلو راما میں شوٹ کر دے گا۔ اہم مسئلہ تو کوٹ کا ہے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ڈھونڈنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔"

نک نے پدرانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "وہ کوٹ جہاں کہیں بھی ہے' صبح تک وہی رہے گا۔" اس نے کہا۔ "قبر کھودنے کی وجہ سے تم بہت تھک گئے ہو' اس لیے تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ گھر جا کر اطمینان سے سو جاؤ۔ صبح ہوتے ہی اپنے کام میں لگ جانا۔"

"یقیناً..... نک' تم بے فکر رہو۔" ایلن نے کہا اور اٹھ کر باہر آ گیا۔

گورکن کے دفتر کی عمارت کی پیشانی پر "آگسٹس میری ویدر گریف پارلر" لکھا ہوا تھا۔ ایلن بے پروائی سے ٹہلتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا اور لان میں چند باوردی پولیس والوں کو دیکھ کر چونک گیا..... مگر جلد ہی اس نے اپنی حیرت پر قابو پا لیا اور اندر کی طرف بڑھا' کسی پولیس مین نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی..... وہ سیڑھیاں چڑھ کر ہال میں آ گیا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے چونک کر دیکھا تو وہ ایک پولیس افسر تھا۔ "تم مردے کو دیکھنے آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں....." ایلن نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے گورکن میری ویدر سے کام ہے۔ اس سے ملنے آیا ہوں۔"

"میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔ کہاں؟ یاد نہیں آ رہا مگر تمہارا چہرہ شناسا لگتا ہے۔ کیا تم کوئی رپورٹر ہو؟"

"سوری آفیسر۔ میں رپورٹر نہیں ہوں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ آگے کی طرف بڑھ گیا۔

راہداری میں پوڈیم پر ایک آدمی کھڑا تھا۔ ایلن پر نگاہ پڑتے ہی اس نے پوچھا۔

"کیا آپ تعزیتی کتاب پر دستخط کرنے آئے ہیں؟"

"نہیں..... مجھے میری ویدر سے کام ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں ملے گا؟"

"وہ اپنے دفتر میں ہوں گے جناب۔ ان پردوں کے عقب میں' ہال کے دائیں جانب والا دروازہ....."

ایلن شکریہ ادا کرکے اس طرف بڑھا ہی تھا کہ وہی آفیسر پھر اس کی راہ میں آکھڑا ہوا۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ بولا "..... میں انسپکٹر گھان ہوں۔ کچھ یاد آتا ہے؟"

گھان..... کیلا گھان۔ ایلن کے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ نک راویٹو نے ایک بار کہا تھا کہ گھان سے بچ کر رہنا۔ یہ بات بھی اس نے بتائی تھی کہ جب گھان پہلے پہلے یہاں آیا تو اس نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ اسے ایک بڑی رقم نذرانے کے طور پر بھیجی تھی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد گھان اس آدمی کو باندھے اس کے دفتر میں آیا اور اسے نک کی میز پر دھکیل دیا۔ "یہ تمہارا غلام ہے سمجھے؟" وہ غرآیا۔ "میں غلام نہیں ہوں۔ ہوشیار رہنا۔ اگر کبھی ہاتھ آگئے تو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔" گھان یہ کہہ کر دندناتا ہوا دفتر سے نکل گیا تھا۔

"گھان....." ایلن بڑبڑایا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔" نہیں آفیسر.... سوری..... مجھے کچھ یاد نہیں۔" یہ کہہ کر وہ پردوں کی طرف بڑھا اور انہیں ہٹا کر ہال میں آگیا۔ اس نے دائیں جانب کے دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہ پاکر دروازہ کھولا اور اندر آگیا۔ یہ میری ویدر کا دفتر تھا۔ اس میں کافور اور لوبان کی بو رچی ہوئی تھی مگر کمرہ خالی پڑا تھا۔ میری ویدر کہاں ہو سکتا ہے؟ ایلن نے سوچا اور چاروں طرف نظر دوڑائی پھر اس کی نگاہ میز کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے دو جوتوں پر جاکر ٹھہر گئی۔ وہ لپک کر وہاں پہنچا۔ فرش پر گورکن میری ویدر پڑا تھا اور وہ نہ جانے کب کا دم توڑ چکا تھا۔ اس کی سفید قمیص پر سامنے کی طرف ایک بڑا سا سرخ دھبہ چمک رہا تھا۔

"اوہ....." ایلن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس کے ذہن پر فوری طور پر یہ خیال آیا کہ یقیناً چارلی بروڈی کی لاش غائب ہونے کا اس گورکن کی موت سے گہرا تعلق ہے۔

میری ویدر وہ آخری آدمی تھا جس نے چارلی بروڈی کی لاش دیکھی تھی۔ ایلن کی طرح کسی اور نے بھی یہی سوچا ہوگا اور اس سے پہلے ہی یہاں آکر گورکن کا کام تمام کر گیا ہوگا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ایلن ایک آواز سن کر اچھل پڑا۔

سیاہ ماتمی لباس میں ایک حسین عورت دروازے میں کھڑی تھی۔ اس نے اپنے گھنے سیاہ بال جوڑے کی شکل میں باندھ رکھے تھے۔ اس کی نگاہ ابھی تک' میز کے عقب میں پڑی' لاش پر نہیں پڑی تھی۔ ایلن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ خبر اسے کیسے سنائے۔

وہ..... میں..... میں....." وہ ہکلا کر رہ گیا۔

عورت اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی پھر جیسے ہی اس کی نظر لاش پر پڑی' اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں۔ "قاتل....." وہ چیخ پڑی اور لہرا کر فرش پر آرہی۔ وہ بیہوش ہو چکی تھی۔ ایلن نے ایک نظر عورت پر ڈالی پھر لاش کی طرف دیکھا اور وہاں سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ہال میں آیا اور راہداری میں اتر گیا تو اچانک وہی پولیس آفیسر پھر اس کے سامنے آگیا۔ "تم انشورنس کمپنی میں تو کام نہیں کرتے؟"

"نہیں نہیں۔ تم کسی شدید قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو' آفیسر۔" ایلن نے دائیں بائیں سر جھٹک کر کہا۔

"لیکن مجھے تمہارا چہرہ یاد ہے۔ تم کہاں کام کرتے ہو؟"

معاً" ہال سے ایک تیز نسوانی چیخ سنائی دی پھر وہ عورت دوڑتی ہوئی دروازے پر آگئی۔ اس کا نازک سا زرد ہاتھ اٹھا ہوا تھا اور ایک انگلی سے امین کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔" اس شخص نے....." وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی۔ "اس شخص نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔"

اس وقت تک ایلن آدھا لان پار کر چکا تھا پھر وہ گیٹ سے نکلا اور عقبی گلی میں دوڑا پڑا۔ اسے اپنے تعاقب میں پولیس والوں کے بوٹوں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ امین کسی قیمت پر گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ دائیں جانب ایک اور گلی تھی۔ وہ اس گلی میں مڑ گیا۔ گلی کے وسط میں ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایلن اس میں گھسا اور دوڑتا ہوا دوسری طرف کے دروازے سے نکل گیا۔ ذرا ہی دور دودھ کا ایک ٹرک کھڑا تھا۔ امین نے عقب میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی۔ ٹرک کا انجن اسٹارٹ تھا۔ شاید دودھ والا عمارت میں بوتلیں رکھنے گیا تھا۔ ایلن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور ٹرک دوڑانے لگا۔

سڑک پر آ کر وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے پولیس والوں اور لوگوں کے ہجوم میں سے صاف نکل گیا۔ کسی نے ٹرک کی طرف توجہ نہیں دی۔ کافی دور نکل آنے کے بعد اس نے ٹرک ایک سڑک کے کنارے کھڑا کر کے انجن بند کیا اور چابی سیٹ پر چھوڑ کر باہر آ گیا۔ وہ بڑے اطمینان سے سڑک پر چل رہا تھا اور اس کا رخ ایک بار پھر گریف پارلر کی طرف تھا۔ چند سوال ایسے تھے جن کا جواب حاصل کرنا اس کے لیے بے حد ضروری تھا۔

پورچ خالی پڑا تھا۔ راہداری میں پوڈیم کے قریب حسب سابق وہی شخص کھڑا تھا..... "پولیس نے مجھے مسز میری ویدر سے گفتگو کر کے حالات معلوم کرنے بھیجا ہے۔ وہ کہاں ہیں؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا' جناب۔ میں نے انہیں باہر جاتے نہیں دیکھا شاید وہ عمارت کے عقبی حصے میں ہوں یا پھر اوپر کسی کمرے میں ہوں گی۔"

ایلن جلدی سے اندر آ گیا اور پھر اس نے ساری عمارت چھان ماری مگر عورت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شاید تہ خانے میں ہو۔ اس نے سوچا اور سیڑھیاں اتر گیا۔ تہ خانے کسی پاگل سائنس دان کی لیبارٹری نظر آ رہا تھا۔ ہر ہر طرف تابوت' اسٹیل کی میزیں' بھری ہوئی بوتلیں' ٹیوبیں' پائپ اور نہ جانے کیا کیا بکھرا پڑا تھا۔ ایک بڑا دروازہ فریزر میں کھل رہا تھا۔ اس میں سلیں رکھی ہوئی تھیں جن میں سے دو سلوں پر چادرے ڈھکے ہوئے انسانی جسم پڑے تھے۔ ایلن نے چادر الٹ کر ان کے چہرے دیکھے تو دونوں لاشیں اس کے لیے اجنبی ثابت ہوئیں۔

وہ واپس راہداری میں آ گیا۔

"مسز میری ویدر تو یہاں کہیں نہیں ہیں۔" اس نے پوڈیم والے آدمی سے کہا۔

"اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو شاپنگ کے لیے گئی ہوں گی' جناب! وہ صبح کے وقت ہمیشہ....."

"ابھی دس منٹ پہلے تو وہ یہیں تھیں۔ دراز قد کی سیاہ لباس والی عورت....."

"دراز قد؟ سیاہ لباس میں؟ نہیں' جناب! وہ مسز میری ویدر نہیں ہو سکتیں۔ میری مالکہ تو بے حد پستہ قامت اور بھرے ہوئے جسم کی خاتون ہیں اور انہیں ارغوانی رنگ کا لباس پسند ہے۔"

ایلن حیرت سے اس شخص کی صورت دیکھتا رہ گیا جس کے چہرے پر سچائی بکھری ہوئی تھی۔

"میں کوسٹ سے آ گئی۔ کیا تم اپنی ڈولی سے ملنا نہیں چاہتے؟ راکسن سروس پر

پیغام دینا۔

تمہاری ڈولی۔"

ڈولی ایک سیماب تن رقاصہ تھی۔ چار سال پہلے ایلن نے جب راویٹو کے نائب کی جگہ حاصل کر لی تو ڈولی کسی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کے نصیب میں آ گری تھی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے فوراً ہی تلاش کر لیتا اور پھر ہفتوں کے لیے اپنے فلیٹ میں بند ہو جاتا..... مگر..... وہ تلخی سے مسکرا دیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔ لیکن فون اس کی ماں کا تھا۔ "ماں۔ میں اس وقت بات نہیں کر سکتا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا..... پھر اس نے نک راویٹو کا نمبر ڈائل کیا تو اسے بتایا گیا کہ نک اپنے دفتر میں نہیں ہے۔ اگلی کال اس نے ہوریس اسٹیم فورڈ نامی ایک وکیل کو کی..... ہوریس ایک مشہور وکیل تھا مگر کسی وجہ سے اسے نا اہل قرار دے دیا گیا۔ تب سے اسے تنظیم کے قانونی معاملات کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔ ایلن نے ہوریس کو گریف پارلر جانے' میری ویدر کی لاش دریافت کرنے اور پولیس کے تعاقب کرنے تک ساری روداد سنا دی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کے دفاع کی کوئی بھی ترکیب کرے۔

"بالکل بے فکر ہو جاؤ' ایلن!" وکیل نے کہا۔ "میں بندوبست کر لوں گا۔ اب تم میری ہدایات پر عمل کرنا اور وہی بیان دینا جو میں بتاؤں۔"

ذرا دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ایلن۔ میرے بیٹے۔" اس کی ماں بول رہی تھی۔ "میری بات تو....."

"ماں۔ فون بند کر دو' ورنہ میں کیلی فورنیا چلا جاؤں گا۔" یہ بڑی کارآمد دھمکی تھی جس کے سامنے اس کی ماں فوراً ہتھیار ڈال دیا کرتی تھی۔ وہ یہاں تھا تو وہ کم از کم اسے دور سے دیکھ کر ہی خوش ہو لیا کرتی تھی۔

فون بند کر کے ایلن بوتل اور ایک گلاس لے کر اپنی خوابگاہ میں آ گیا۔

اس نے ابھی دوسرا جام بمشکل حلق سے اتارا تھا کہ ایک بار پھر اس کا فون جاگ اٹھا۔ ایلن کا جی چاہا کہ ریسیور اٹھا کر زمین پر دے مارے مگر اس بار نک راویٹو بول رہا تھا۔ "مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا۔ کیا رہا؟"

"گورکن کو ایک گورکن کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔" ایلن نے تلخی سے کہا۔ وہاں ایک عورت بھی تھی۔ دراز قد' دبلی پتلی اور حسین..... نہ جانے کون تھی۔ اس نے مجھے پھنسوا ہی دیا تھا۔ پولیس میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی ہے۔"

"تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ صرف نتیجہ بتاؤ۔ نک راویٹو کو صرف کوٹ کی ضرورت ہے۔"

ایلن کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ نک صرف اسی صورت میں اپنا نام لے کر بات کیا کرتا ہے، جب اس کی عزت داؤ پر لگی ہوئی ہو۔

"میں وہ کوٹ ضرور ڈھونڈ لاؤں گا نک! ضرور......"

"ہاں۔ ضرور......" نک نے بھاری آواز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

"آخر میں اس جہنمی کوٹ کو کہاں ڈھونڈوں؟" ایلن نے بلند آواز میں کہا۔ وہ اپنی پیشانی ملتا ہوا پھر خواب گاہ میں آ گیا اور گلاس بھرنے لگا۔ اس بار دروازے کی گھنٹی گونج اٹھی تو وہ جھنجلایا ہوا دروازے تک پہنچا اور ایک جھٹکے سے اسے کھول دیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام چھلک اٹھا۔ دروازے میں سیاہ لباس والی وہی دراز قامت پر اسرار عورت کھڑی تھی۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں، مسٹر ایلن؟" اس کی آواز میں ترنم اور ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ "میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کے اندر آنے کے بعد ایلن نے دروازہ بند کیا اور اسے ڈرائنگ روم لے آیا۔ عورت نے تحسین آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ "بڑی اچھی جگہ ہے۔" وہ بولی۔

"کچھ پینا پسند کرو گی؟" ایلن نے پوچھا۔

"اسکاچ۔ تلخ اور تیز......"

"ایلن ایک جام بنا لایا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"شکریہ۔" عورت نے کہا اور ایک کرسی پر، ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔ "اب ہم باتیں کر سکتے ہیں۔"

"میرے بارے میں کہاں سے معلوم ہوا؟" ایلن نے اس کے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

"ہیڈ کوارٹر سے...... میں وہیں سے آ رہی ہوں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ جب تم بے قصور تھے تو پھر بھاگ کیوں کھڑے ہوئے...... مگر میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"واقعی؟" ایلن کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"یقیناً...... کوئی اچانک ہی ایک خوف ناک الزام لگا دے اور پولیس کی پوری فوج بھی پیچھے پڑ جائے تو آدمی اور کیا کر سکتا ہے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو یقیناً بھاگ

کھڑی ہوتی۔"

"یعنی یہ بات تم نے پولیس کو بتائی ہے اور اب وہ میرے تعاقب میں نہیں ہے؟"

"ہاں...... یہ میرا فرض تھا۔" اس نے اسکاچ کی ہلکی سی چسکی لے کر کہا۔ "بڑی اچھی اسکاچ ہے اور تم...... تم بھی بڑے دلچسپ آدمی ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "میں اپنے کیے پر بے حد نادم ہوں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ اس تنظیم سے تمہارا بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا تعلق مافیا اور سنڈیکیٹ سے ہے اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے، انہوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں......"

"خیر، ان باتوں کو چھوڑو اور مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"مارگو کین...... اور تمہارا نام ریمنڈ ایلن ہے...... ہے نا؟" وہ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی...... پھر وہ یکایک اداس ہو گئی۔ "مگر میں ایک دکھی عورت ہوں۔"

"خیریت؟" ایلن نے پوچھا۔

"کل اچانک میرے شوہر کا انتقال ہو گیا۔"

"اوہ...... بڑا افسوس ہوا۔"

"ہاں...... اس کی عمر باون سال تھی اور وہ مجھ سے پچیس سال بڑا تھا...... مگر بے حد صحت مند اور خوش مزاج آدمی تھا۔" اس نے ایک چھوٹا سا سفید رومال نکال کر اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں پر رکھ لیا۔

"اسے کیا ہوا تھا...... ہارٹ اٹیک؟"

"نہیں، ایک حادثہ ہو گیا تھا۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے اور پھر پولیس کو میرے پیچھے دوڑایا۔"

"نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔" مارگو متاسفانہ لہجے میں بولی۔ "میں مسٹر میری ویدر سے تدفین کے سلسلے میں ملنے آئی تھی پھر جب میں نے اچانک اسے مقتول دیکھا تو ایک لمحے کے لیے میرا دماغ شل ہو گیا، میں یہ سمجھی کہ وہ میرا شوہر میفل کین ہے اور تم نے اسے قتل کر دیا ہے۔"

"صرف اس لیے کہ میں وہاں موجود تھا؟"

"ہاں...... تم اسے بھی ایک حادثے کا نام دے سکتے ہو۔ بعد میں جب مجھے ہوش

آیا تو میں نے انسپکٹر گھان سے بات کی اور اسے فون پر حقیقت سے آگاہ کر دیا۔"

ایلن اٹھا اور وکیل ہوریس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "میں نے تم سے ایک کام کہا تھا۔" وہ وکیل کی آواز سن کر بولا۔ "کیا تم نے کام شروع کر دیا ہے؟"

"ابھی نہیں۔" وکیل نے جواب دیا۔

"تو پھر اسے ملتوی کر دو۔ اب ضرورت نہیں رہی۔" اس نے ریسیور رکھ کر مارگو کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ "کاروباری بات تھی۔" اس نے وضاحت کی تو مارگو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تو مارگو گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ "اوہ....." وہ بولی۔ "مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"کیوں؟" ایلن نے حیرت سے پوچھا۔

"میقل کی بہنیں..... اگر انہیں علم ہو گیا کہ میں اپنے شوہر کی موت کے اگلے ہی روز کسی کنوارے اجنبی کے ہاں گئی تھی تو وہ ہنگامہ کھڑا دیں گی اور مجھے وصیت سے محروم کرنے کی کوشش کریں گی۔ پلیز....."

"میری خواب گاہ میں چلی جاؤ..... یا پچھلے کمرے میں..... جاؤ۔" ایلن نے کہا۔

گھنٹی پھر بجی اور مارگو اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ شاید ڈولی ہو۔ ایلن نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا مگر دروازے پر انسپکٹر گھان کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کیا حال ہے، لڑکے؟" وہ خوش دلی سے بولا اور اندر آ گیا۔

"میں ابھی کچھ دیر بعد تمہارے پاس آنے والا تھا۔" ایلن نے کہا۔

"مجھے یقین تھا۔ بہرحال، میں خود آ گیا تاکہ تمہیں زحمت نہ ہو۔" وہ اب بھی اپنی وردی میں تھا۔ "ایک بات تو بتاؤ۔ آخر تم وہاں سے بھاگ کیوں اٹھے تھے؟"

"اس لیے کہ تم لوگ میرا پیچھا کر رہے تھے۔"

"لیکن اگر تمہارا ضمیر صاف تھا تو پھر....."

"اتنا سوچنے کا وقت ہی کہاں دیا تم نے۔ ویسے اگر میں مجرم تھا تو پھر پولیس سے چھپا ہی کیوں نہ رہا؟"

اس کا جواب دینے کے لیے مجھے ایک فون کرنا پڑے گا۔" وہ مسکرا کر بولا اور ریسیور اٹھا کر ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کیے پھر اس نے پرسی نائی کسی آدمی کو فون پر بلایا۔ "مارگو کین سے کس نے بات کی تھی؟" اس نے پرسی سے دریافت کیا۔ "اس سے پوچھو کہ اس عورت نے ایلن کے بارے میں کیا اس قسم کے سوال کیے تھے کہ وہ کون ہے؟

کہاں رہتا ہے؟ وغیرہ میں ہولڈ کیے ہوئے ہوں۔" ذرا دیر بعد جواب مل گیا۔ گھان ریسیور رکھ کر ایلن کی طرف مڑا۔ "ہاں، اب بتاتا ہوں کہ تم پولیس سے کیوں نہیں چھپے۔ وجہ یہ ہے کہ مارگو کین تمہارے پاس آئی تھی اور اس نے تمہیں بتایا تھا کہ پولیس کو تمہاری بریت میں بیان دیا ہے۔ یہاں آکر اس نے ایک جام بھی پیا اور یہ اسی کا گلاس ہے۔" انسپکٹر نے میز پر رکھے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

"محض تمہارا قیاس ہے۔" ایلن بڑبڑایا۔

"تم میں یہی سب سے بڑی خرابی ہے کہ کسی بات کو مان کر نہیں دیتے اور یہی خرابی تمہیں ایک دن جیل میں سڑا دے گی یا بجلی کی کرسی پر بٹھا دے گی۔ ویسے تمہارا اندازہ بتا رہا ہے کہ تم کم از کم ایک قتل کے مرتکب ضرور ہو چکے ہو۔"

"میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں..... البتہ تم چاہو تو مجھے میری ویدر کے قتل کے الزام میں ضرور گرفتار کر سکتے ہو۔"

"نہیں..... اس میں تمہارا ہاتھ نہیں ہے۔ ہم تفتیش کر چکے ہیں۔ اسے کسی نے اس وقت خنجر مارا تھا جب تم مکان میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے۔ وہ اس وقت کسی سے فون پر باتیں کر رہا تھا کہ قاتل پہنچ گیا۔ ہمیں یہ بات اسی شخص نے بتائی ہے۔ ریسیور ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔"

"وہ کس سے باتیں کر رہا تھا؟"

"اپنے نائب کرٹ بروک سے، جسے وہ ایک روز پہلے ملازمت سے نکال چکا تھا۔ کرٹ بروک میری ویدر سے درخواست کر رہا تھا کہ وہ اسے ملازمت پر واپس لے لے۔ بہرحال، اس قتل سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں مگر میں خبردار کرتا ہوں کہ تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں کسی ایسے بڑے جرم میں گرفتار کروں گا جو یا تو تمہیں بجلی کی کرسی تک پہنچا دے یا پھر تمہاری ساری سرگرمیاں ختم کر کے رکھ دے۔ ایک بات نوٹ کر لو کہ پولیس کی اجازت کے بغیر شہر نہ چھوڑنا۔ پولیس کو میری ویدر کے قتل میں تمہاری شہادت کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"بے فکر رہو۔ میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔" ایلن نے اطمینان سے جواب دیا۔

انسپکٹر گھان چلا گیا تو وہ اپنی خواب گاہ کی طرف رخ کر کے بلند آواز میں بولا۔ "آ جاؤ مسز کین۔ انسپکٹر جا چکا ہے۔"

..... کوئی جواب نہ پاکر وہ خواب گاہ میں گیا اور پھر سارا اپارٹمنٹ چھان مارا لیکن مارگو کین کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

ایلن کو کرٹ بروک کی تلاش تھی، اس نے ڈائریکٹری دیکھی۔ بروک لین میں

کرٹ بروک..... نام کے صرف دو آدمی تھے۔ اس نے ان کے پتے ذہن نشین کیے اور پہلے پتے کی طرف چل دیا۔ اگر میری ویدر نے اپنے اس نائب کو چارلی بروڈی کی لاش آنے کے بعد ملازمت سے نکالا تھا تو اس سے مفید معلومات حاصل ہونے کا امکان تھا۔

وہ کرٹ بروک کے مکان پر پہنچ گیا۔ گھنٹی کے جواب میں ایک صحت مند سی عورت نے دروازہ کھولا۔

"کیا کرٹ بروک گھر پر ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"نہیں، وہ سپر مارکیٹ تک گیا ہے۔ ابھی آجائے گا۔ چاہو تو انتظار کر لو۔"

عورت اسے لے کر چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں آگئی اور اسے بٹھا کر اندر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد اسے اندر سے آوازیں سنائی دیں۔ عورت شاید کرٹ بروک سے ہی کہہ رہی تھی کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے..... پھر ایک دراز قد کا دبلا پتلا نوجوان اندر آگیا۔ "تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟" اس نے ایلن سے پوچھا۔ ایلن سمجھ گیا کہ وہی کرٹ بروک ہے۔

"تم آگسٹس میری ویدر کے ہاں کام کرتے تھے؟" اس نے تصدیق چاہی اور جب نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا تو مزید کہا۔ "میرے خیال میں جب اسے قتل کیا گیا تھا تو اس وقت تم ہی اس سے فون پر بات کر رہے تھے؟"

"ہاں..... مگر میں یہ بیان پہلے بھی دو بار دے چکا ہوں۔" کرٹ نے ہلکا سا احتجاج کیا۔ وہ اسے سادہ لباس میں کوئی پولیس والا ہی سمجھ رہا تھا۔

"تم نے وہاں ملازمت کیسے حاصل کی تھی؟" ایلن نے اس سے پوچھا۔

"میں لانگ آئی لینڈ میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں شوفر تھا۔ کسی بات پر..... انہوں نے مجھے برخواست کر دیا۔ ایک روز میں نے "ٹائمز" میں اشتہار دیکھا تو یہاں آگیا۔ میری ویدر نے مجھے میت گاڑی چلانے پر ملازم رکھ لیا پھر دونوں میاں بیوی مجھے پسند کرنے لگے۔ میری ویدر نے مجھے تدفین کا کام سکھانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے بعد یہ کام میرے سپرد کرنا چاہتا تھا۔

"پھر اس نے تمہیں نکال کیوں دیا؟" ایلن نے دریافت کیا۔

"دراصل میں ذرا کاہل واقع ہوا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ کام بھی پسند نہیں تھا کہ میں بھوکا مرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں اس سے درخواست کر رہا تھا کہ وہ مجھے دوبارہ رکھ لے۔"

"چارلی بروڈی کی لاش تمہارے سامنے ہی تدفین کے لیے لائی گئی تھی؟"

"ہاں..... ہمیں اس کی بیوہ نے فون کیا تھا۔ اس کی لاش میں ہی پک اپ میں

لے کر آیا تھا۔ رات بھر ہم نے لاش سرد خانے میں رکھی۔ صبح اس کی بیوہ چند دوستوں کے ساتھ آئی۔ انہوں نے تابوت منتخب کیا اور دوسرے انتظامات کے بارے میں گفتگو کی۔ وہ اس معمولی سے سیلز مین کو بڑا شاندار کفن دفن دے رہے تھے۔ ہم نے اس کے جسم کا سارا خون نکال کر اس میں رقیق مادہ بھر دیا تھا پھر اگلی صبح تک کے لیے ہم نے لباس اور خوشبو لگانے کے لیے لاش ان کے حوالے کر دی۔ یہ کام انہوں نے خود ہی کیا تھا۔ بعد میں میری ویدر نے لاش تابوت میں رکھی تھی۔"

گویا میری ویدر ہی وہ آخری آدمی تھا جس نے چارلی بروڈی کی لاش دیکھی تھی اور اسے تابوت میں بند کیا تھا۔ "بڑی دلچسپ باتیں بتائی ہیں تم نے، شکریہ۔" ایلن نے کہا اور اس سے رخصت ہو کر باہر آگیا۔

اپنے گھر آکر اس نے ایک جام بنایا اور فون کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے پہلے آرچی فرگوسن کو فون کیا جو تنظیم کی لڑکیوں کا انچارج تھا۔

"میں چارلی بروڈی کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے آرچی کی آواز سنتے ہی کہا۔

"بوبی ایک ہفتے تک کسی سے نہیں مل سکتی۔" آرچی نے جواب دیا۔ "ہم نے ایک ہفتے کے لیے اسے چھٹی دے دی ہے۔ اس سے، بہت سے لوگ ملنا چاہتے تھے اور ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ تم چاہو تو میں تمہارا نام بھی اس فہرست میں لکھ لیتا ہوں۔"

"مجھے اس سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ اس کا فون نمبر بتاؤ۔ شاید وہ مجھ سے ملنے کے لیے راضی ہو جائے۔"

"ایک منٹ انتظار کرو۔" آرچی نے کہا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک نمبر بتایا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ایلن نے وہ نمبر ڈائل کیا۔

"یس....." اس نے دوسری طرف سے ایک مترنم آواز سنی مگر اس میں ہلکے سے دکھ کا عنصر بھی شامل تھا۔

"میں ایلن بول رہا ہوں، مسز چارلی۔ کل میں تمہاری کار میں اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔"

"مجھے یاد ہے مسٹر ایلن۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔ فرمایئے کیسے زحمت کی؟ ویسے آپ مجھے بوبی کہہ سکتی ہیں۔"

ایلن کو حیرت ہوئی۔ نہ جانے کیوں بوبی اس سے اتنے مودبانہ انداز میں گفتگو کر

رہی تھی۔ "میں آج شام تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا تم گھر پر رہو گی' چھ بجے؟"
"میں آپ کا انتظار کروں گی' مسٹر ایلن۔ ضرور تشریف لائیں۔"

سلسلہ منقطع کر کے ابھی وہ ریسیور رکھ کر بیٹھا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایک شیریں آواز ابھری۔

"میں مارگو کین بول رہی ہوں۔ میں مخل تو نہیں ہوئی؟"

"بالکل نہیں....." ایلن چوکنا ہو گیا۔

"میری وجہ سے تمہیں بڑی پریشانی اٹھانی پڑی ہے' ایلن میرے ضمیر پر ایک بوجھ سا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آج رات تم میرے ساتھ ڈنر....."

"اوہ' اس کی کیا ضرورت ہے' مارگو۔"

"انہیں ایلن۔ یہ میرا اصرار ہے۔"

"ٹھیک ہے' مجھے چھ بجے ایک جگہ جانا ہے۔ آٹھ بجے کا وقت کیسا رہے گا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں تمہارے اپارٹمنٹ پہنچ جاؤں گی۔ مجھے تمہارا گھر بہت اچھا لگا تھا۔ اوکے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

چھ بجے ایلن' بروڈی کی بیوہ بونی کے ہاں پہنچا تو وہ کمرے کے وسط میں بیٹھی سسکیاں لے رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے' مسٹر ایلن۔" وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "یہ گھر مجھے ماضی کی یاد دلاتا ہے۔"

"یقیناً مسز بروڈی..... مگر میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں صرف چارلی کے کاغذات ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سارے کاغذات ابھی تک اس کی خواب گاہ کی میز کی دراز میں رکھے ہیں۔ آپ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔"

دراز غیر مقفل تھی۔ ایلن پندرہ منٹ کاغذات میں الجھتا رہا مگر کوئی کام کی چیز ہاتھ نہ لگ سکی تو وہ بونی کے پاس آگیا جو اس کے لیے جام تیار کیے بیٹھی تھی۔ کچھ دیر تک وہ شراب کی چسکیاں لیتا رہا اور اسے تسلیاں دیتا رہا پھر اس سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

کارگو ٹھیک آٹھ بجے آگئی۔ اس نے سبز رنگ کا بے حد نفیس لباس پہن رکھا تھا اور اس کے تراشیدہ ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ اپنائیت بھرے انداز میں' اس کی طرف بڑھی۔ "تمہارا مکان مجھے اس قدر اچھا لگا ہے کہ میں صرف اسے دیکھنے کئی بار آسکتی ہوں۔" وہ انتہائی مترنم آواز میں بولی۔

ایلن کو نہ جانے کیوں اس کی تعریف میں مزاج کا عنصر پوشیدہ محسوس ہوا۔ "میں

چلنے کے لیے تیار بیٹھا ہوں۔" اس نے کہا۔ "کیا تم کچھ پینا پسند کرو گی؟"

"اوہ' نہیں شکریہ۔ کھانے پینے کا کام ہم ریستوران ہی میں کریں گے۔ آؤ....."

وہ بڑی اچھی ڈرائیور ثابت ہوئی۔

سڑکوں اور گلیوں میں وہ اس طرح اپنی مرسیڈیز دوڑا رہی تھی جیسے ان راستوں پر برسوں کار چلاتی رہی ہو..... پھر وہ ہائی وے پر آگئی۔ ایلن کو اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اسے کہاں لیے جا رہی ہے۔ وہ خاموش بیٹھا بیرونی منظر دیکھتا رہا۔ آخر مارگو نے لانگ رج روڈ پر واقع وٹر کی ان' نامی ایک رستوران کے سامنے اپنی کار روک دی۔ دونوں اندر آکر ایک میز پر بیٹھ گئے۔ مارگو نے اسکاچ کا آرڈر دیا اور جلد ہی شراب ان کے سامنے سجا دی گئی۔ مارگو موڈ میں آگئی۔

"میں اور میفل اکثر یہاں آیا کرتے تھے۔" وہ ایک چسکی لیتے ہوئے بولی۔ "میفل ملبوسات کا کاروبار کرتا تھا۔ میں شادی سے پہلے ایک ماڈل تھی۔ ہماری ملاقات ایک اسٹائل شو میں ہوئی..... پھر سات ہفتے بعد ہی ہم شادی کے بندھنوں میں بندھ گئے۔ بعد میں' میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس شادی پر افسوس نہیں کیا۔ بلاشبہ ہماری عمروں میں خاصا فرق تھا مگر میفل بہت اچھا آدمی تھا۔ مجھے اس سے محبت تھی۔ اکثر رات کو سارے کارندوں کے چلے جانے کے بعد وہ دیر تک اپنی فیکٹری میں رہا کرتا تھا۔ ایک رات نہ جانے کیسے بجلی کا شارٹ سرکٹ ہو گیا اور عمارت میں آگ لگ گئی۔ عمارت کو تو زیادہ نقصان نہیں پہنچا مگر کپڑوں کا اسٹور پورا کا پورا جل گیا اور میفل..... وہ اس وقت اسٹور میں تھا۔ وہ وہاں سے زندہ باہر نہ آسکا۔" اس نے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ اس کے منہ سے دبی دب سی سسکیاں نکل رہی تھیں۔

"بس کرو۔ مارگو۔ صبر کرو۔ اب ان باتوں سے کیا فائدہ مجھے ایلن نے تسلی دی تو مارگو جلدی ہی سنبھل گئی۔

"تم بہت پیارے آدمی ہو۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "مگر مجھے کم از کم ایک بار تو کسی کو یہ داستان سنانی ہی تھی نا۔ اب میں اپنے دل کا غبار نکال چکی ہوں اس لیے آئندہ کبھی یہ تذکرہ نہیں کروں گی۔" اس نے جام اٹھالیا۔ "مستقبل کے نام۔"

ایلن نے بھی گلاس اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ کھانے سے فارغ ہوئے اور واپس شہر کی جانب چل پڑے۔ مارگو نے کار اس کے اپارٹمنٹ کے سامنے روک دی۔ "کیا میں پھر کبھی تمہارے گھر آسکتی ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"جب چاہو' آجانا۔" ایلن نے کہا۔ مارگو نے شکریہ ادا کیا اور ہاتھ لہراتی ہوئی کار آگے بڑھا لے گئی۔

ایلن نے اپنے اپارٹمنٹ کا تالا کھولا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے اندر داخل ہوا مگر اس وقت کمرے میں سے دو صحت مند جوان نکلے۔ ان کے ہاتھ ان کے جیکٹوں کی جیبوں میں تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ ان کے پاس ریوالور تھے..... ایلن انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا۔ ان میں سے ایک کا نام گنل اور دوسرے کا فوکس تھا۔ دونوں ہی تنظیم کے پیشہ ور قاتل تھے۔

"نک راویٹو تم سے ملنا چاہتا ہے' ایلن۔" گنل نے کہا۔

"اسی وقت....." فوکس نے لقمہ دیا۔

"چلو دوستو۔"

تینوں نیچے آگئے اور کار میں بیٹھ گئے۔ یہ وہی کار تھی جس میں ایلن ولی کے ساتھ چارلی' بروڈی کی قبر کھودنے قبرستان گیا تھا مگر اس بار اسے عقبی سیٹ پر بٹھایا گیا تھا۔

نک راویٹو اپنے دفتر میں ایک بڑی سی میز کے عقب میں بیٹھا تھا۔ میز کے دائیں جانب کی کرسی پر ایک مسکین سا پچاس سالہ آدمی براجمان تھا۔ اس کے چہرے سے انتہائی پریشانی مترشح تھی۔ اس نے ایک نظر ایلن پر ڈالی اور جلدی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا یہ وہی آدمی ہے؟" نک راویٹو نے ایلن کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

"ہاں..... اس شخص نے بھیک مانگتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اسے اچھی طرح دیکھو۔" نک اس شخص سے بولا۔ "کیا تمہیں یقین ہے' یہ وہی آدمی ہے؟"

"ہاں یہ وہی ہے۔"

"کیا بات ہے نک؟" ایلن نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

نک کرسی سے اٹھا اور ایلن کے قریب آکر اس کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ "میں نے تمہیں اپنے بیٹے کی طرح رکھا ہے۔" وہ غرایا۔ "اس سے کچھ زیادہ ہی اچھا..... مگر تم گندی نالی کے کیڑے نکلے۔"

ایلن کو احساس ہو گیا کہ معاملہ بے حد سنگین ہے۔ وہ اپنا رخسار سہلاتا ہوا خاموش کھڑا رہا۔

نک اس آدمی کی طرف مڑا۔ "ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ اپنے دوستوں سے کہہ دینا کہ وہ اب بے فکر ہو جائیں' انہیں ستانے کوئی نہیں آئے گا۔"

وہ شخص اٹھا اور پلکیں جھپکاتا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا جلدی سے رخصت ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی ایلن بولا۔ "میں کچھ نہیں سمجھ سکا' نک۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟ میں نے اسے آدمی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"آئندہ تم میرا نام نہیں لو گے۔" نک زخمی درندے کی طرح ایلن کی طرف پلٹا۔ "اور نہ ہی میں تمہارا نام اپنی زبان پر لاؤں گا..... لالچی کتے۔"

"میں نے چار سال تک تمہاری بڑے خلوص سے خدمت کی ہے۔ کم از کم مجھے میرا قصور تو بتا دو۔"

"کیا تم نے کوٹ تلاش کر لیا؟" نک دھاڑا۔ "ہو سکتا ہے' کوٹ تم نے تلاش کرکے خود کہیں چھپا دیا ہو۔ میں پوچھتا ہوں' آخر تم نے ان لوگوں کے ساتھ ایسا کیوں کیا ہے؟"

"ہم دونوں میں سے ایک ضرور پاگل ہو گیا ہے' نک۔ مجھے میرا جرم بتاؤ۔"

"خاموش غلیظ سور۔" نک نے اس کی ناک پر گھونسا جڑ دیا اور ایلن بلبلا کر رہ گیا۔

"اس کے باوجود یہ ضرور پوچھوں گا کہ میں نے کیا جرم کیا ہے؟" ایلن سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ "میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس آدمی کا نام کیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم یہ جاننے کی کوشش کرتے رہو گے۔ مجھے تمہاری یہی عادت پسند تھی۔" نک نے کہا۔ "میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ اس آدمی کا نام اسمتھ ہے۔ یہ ایک کاروباری آدمی ہے۔ قانون کی حدود میں رہ کر کام کرنے والا شریف کاروباری آدمی۔ تم نے میرا نام استعمال کیا ہے۔ تم اس کے دوران اس جیسے دوسرے کاروباری آدمیوں کے پاس گئے اور کہا۔ میں ریمنڈ ایلن ہوں۔ میں نک کا ساتھی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ مجھے رقم دو' ورنہ پریشانیوں میں گھر جاؤ گے۔ یونین کی پریشانیاں' ریکٹ کی پریشانیاں اور پولیس کی پریشانیاں۔ تم نے ان سے یہ کہا۔ لالچی سور..... تم نے تنظیم کے اندر رہ کر اپنا ذاتی ریکٹ شروع کر رکھا ہے۔"

"ہرگز نہیں' نک!" ایلن نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ جھوٹ ہے۔" خوف سے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک انتہائی بھیانک جرم ہے جس کی سزا تنظیم کے قانون میں صرف موت ہے۔ "میں شروع سے آج تک تمہارا وفادار رہا ہوں۔ تمہاری وجہ سے انسپکٹر گھان میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اس نے مجھے برقی کرسی پر پہنچانے کا چیلنج دیا ہے۔ وہ میرے خلاف ذرا سی بات کو بھی بڑی بنا کر ثابت کرنے کی

کوشش کرے گا۔"

"جب تک تم قاتل نہ بن جاؤ' گھان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا..... اور آج رات تم قاتل بن چکے ہو۔"

"میں.....؟ میں نے کسے قتل کیا ہے؟ کب کیا ہے؟"

"تم نے آج رات ولی میننگ نامی آدمی کو گولی مار کر ہلاک کیا ہے۔ جرسی میں' جب وہ باڈلو راما سے باہر آرہا تھا۔ تم اپنی گن بھی وہیں پھینک آئے تھے۔ پولیس کو یہ معلوم کرنے میں ذرا۔ دشواری نہیں ہوگی کہ اس پستول پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ثبت ہیں۔"

"میرے نشانات؟" ایلن بری طرح بوکھلا گیا۔

"ہاں..... میں کبھی کوئی چیز ضائع نہیں کرتا۔ نک راویٹو کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "یہ وہی پستول ہے جس سے تم نے کونیلی کو قتل کیا تھا۔"

"وہ پستول آج تک تمہارے پاس محفوظ تھا؟"

"ہاں..... کولڈ اسٹوریج میں محفوظ تھا۔ اس لیے آج بھی اس پر تمہارے فنگر پرنٹس بالکل تازہ لگتے ہیں۔ اب انسپکٹر گھان تمہارے پیچھے قتل کا وارنٹ لے کر گھومے گا۔ کل رات تک وہ تمہیں ڈھونڈ نکالے گا اور تمہارا صفایا کردے گا۔ اسے کسی گواہی' کسی سوال و جواب کی مقدمے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایسا ہی آدمی ہے۔" نک نے مضحکہ خیز انداز میں اسے سلیوٹ کیا۔ "خدا حافظ ذلیل کتے۔ گندی نالی کے کیڑے۔" اس کے لہجے میں نفرتوں کا زہر گھلا ہوا تھا۔

"نک خدا کے لیے۔ میری بات تو سنو۔ میں....."

"لے جاؤ اسے....." نک نے غرا کر دونوں بدمعاشوں سے کہا۔

گٹل فاکس نے لپک کر اسے بازوؤں سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے دفتر سے باہر لے آئے۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں پھر اسی کار میں تھے مگر اس بار کار' ایلن ڈرائیو کر رہا تھا۔ گٹل اور فوکس پچھلی سیٹ پر آگے کی طرف جھکے بیٹھے تھے۔ فوکس نے پستول ایلن کو دکھا کر اپنے قریب رکھ لیا۔

"کہاں چلوں؟" ایلن نے سکون سے پوچھا۔ اسے یقین ہوتا جارہا تھا کہ اس کا آخری وقت قریب آچکا ہے۔ نک کی باتوں نے اس کا سینہ چھلنی کردیا تھا۔ اس نے واقعی بڑے خلوص سے نک راویٹو کی خدمت کی تھی اور اس سے غداری کے بارے میں تو کبھی سوچا تک نہیں تھا۔

"ٹری برو برج..... 125 ویں اسٹریٹ۔" گٹل نے بتایا اور ایلن نے کار اس طرف موڑ دی۔

برج گزر جانے کے بعد انہوں نے اسے گرانڈ سینٹرل پارک وے کی طرف چلنے کی ہدایت دی۔ یہ راستہ کوئنز کے درمیان سے گزرتا تھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا اور سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایلن نے قسمت آزمانے کا فیصلہ کرلیا اور دروازے سے بالکل لگ کر بیٹھ گیا..... پھر اس نے گیئر نیوٹرل میں ڈالا اور دروازہ کھول کر باہر لڑھک گیا۔

"ہے....." اس نے اپنے پیچھے گٹل کی آواز سنی..... مگر وہ گیند کی مانند لڑھکتا ہی چلا گیا۔ یہ بے حد خطرناک اقدام تھا۔ اس نے چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہوئی کار سے چھلانگ لگائی تھی۔ سڑک کے دونوں جانب دور تک گھاس کے قطعات پھیلے ہوئے تھے اس لیے اسے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ وہ لڑھکتا چلا گیا..... پھر ایک جگہ سنبھل کر کھڑا ہوگیا اور کوئنز کی نیم تاریک گلیوں میں روپوش ہوگیا اس کی زندگی کا دارومدار اس بات پر تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے وہ یہ علاقہ چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ چلا جائے۔

اسے کوئنز کی 31 وی اسٹریٹ پر واقع ایک شبینہ کیفے میں بیٹھے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ یہ بات بالکل واضح تھی کہ اسے سازش کے تحت پھانسا گیا ہے۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اس کے گرد یہ جال بننے والے بالکل اجنبی لوگ تھے۔ اسمتھ اور اس کے ساتھی..... نہ جانے یہ کون لوگ تھے؟ اس نے کبھی ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ اس نے مین ہیٹن فون بک میں یہ نام تلاش کرنا چاہا تو اس کا دماغ چکرا گیا۔ ڈائریکٹری کے چھ کالم آسمتھ کے ناموں سے بھرے ہوئے تھے۔ مایوس ہوکر اس نے ڈائریکٹری بند کردی۔

اب وہ اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں جاسکتا تھا۔ اگر نک راویٹو کے آدمی نہ ہوئے تو وہاں پولیس ضرور ہوگی۔ یہ ایک سنگین مسئلہ تھا کہ پولیس اسے ولی میننگ کا قاتل سمجھ رہی تھی اور اس جرم میں اسے تلاش کیا جارہا تھا۔ یہ دو طرفہ لڑائی تھی' جس کا وہ ہر قیمت پر مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اسے کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا' جہاں وہ کچھ دیر کے لیے محفوظ رہ سکے پھر اسے ان لوگوں کا پتہ لگانا تھا جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی تھی اور اس کے بعد اسے نک راویٹو پر اپنی بے گناہی ثابت کرنا تھی۔

"تمہیں کچھ اور چاہیے۔" ایک موٹی ویٹرس نے اس کے قریب آکر پوچھا۔

ایلن نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ "نہیں۔ شکریہ۔" وہ بولا اور اٹھ کر باہر آگیا۔

کچھ دیر تک وہ فٹ پاتھ پر تاریکی میں کھڑا سوچتا رہا..... پھر ایک ٹیکسی روک کر بیٹھ گیا۔ "مین ہیٹن، ویسٹ 71 ویں اسٹریٹ۔" اس نے ڈرائیور کو پتہ بتایا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ ٹھیک چالیس منٹ بعد وہ اس دروازے کے سامنے کھڑا تھا جس کے پیچھے چارلی بروڈی نے اپنی زندگی گزاری تھی۔ اس وقت اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ بروڈی کی بیوہ یہاں سے جاچکی تھی اور چند ہفتوں سے پہلے اس کے لوٹنے کی کوئی امید نہ تھی اور نہ ہی کسی اور کے یہاں آنے کا امکان تھا۔ ایلن اور بروڈی کی بیوہ کبھی دوست نہیں رہے تھے اس لیے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایلن یہاں بھی چھپ سکتا ہے۔ اس جگہ رہ کر وہ بڑے اطمینان سے اپنے خلاف ہونے والی سازش کا پردہ چاک کرکے اس چکر سے نکلنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

چارلی بروڈی کے اپارٹمنٹ کا دروازہ مقفل تھا اور تالے پر زور آزمائی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس لیے وہ عمارت کی چھت پر پہنچ گیا۔ پائپ کے سہارے پھسلتا ہوا وہ ایک کھڑکی تک آیا اور کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اس کی چٹخنی کھولتے ہوئے اندر کود گیا۔ اس نے کھڑکی اندر سے بند کرکے پردہ برابر کر دیا اور تاریک کمرے میں آگے بڑھنے لگا۔ اس کے پر کئی چیزوں سے ٹکرائے مگر وہ دروازے تک پہنچ گیا اور ٹٹول کر بجلی کا سوئچ دبا دیا۔

کمرہ روشن ہوگیا۔

"مسٹر ایلن۔" ایلن نے اپنے عقب میں ایک آواز سنی۔" یوں اچھل پڑا جیسے اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ "یہ بوبی بروڈی تھی جو بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کمبل کو اپنی گردن تک پکڑ رکھا تھا۔ ایلن الجھی الجھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔" مجھے نئی جگہ نیند نہیں آتی۔" بوبی نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ مجھے مارن کے فلیٹ میں منتقل ہونا ہے مگر تب تک میں اپنی یادوں کے ساتھ یہ رات یہیں گزارنا چاہتی تھی۔ بس اس خیال میں رات ہوتے ہی یہاں آگئی....."

"میں سمجھا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے اس لیے مجھے کھڑکی کے ذریعے یہاں آنا پڑا۔"

"آرچی کو فون کرکے یہاں کی چابی منگوا لیتے۔" بوبی سادگی سے کہہ رہی تھی۔ "ویسے کیا آپ مجھے اس زحمت کی وجہ بتانا پسند کریں گے؟"

"ہاں بوبی، میں ایک خوف ناک چکر میں پھنس گیا ہوں۔ مجھے ایک ایسے فرد کی ضرورت ہے جس سے باتیں کر سکوں، جس پر بھروسہ کر سکوں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ

ہستی تم ہی ہو۔"

"اس اعتماد کا شکریہ، مسٹر ایلن۔ آپ بیٹھ جائیں نا۔" وہ بولی۔ "اور مجھے بتائیں کہ آپ کس چکر میں پھنس گئے ہیں۔"

ایلن اس کے قریب، بستر پر بیٹھ گیا۔ "بوبی، میرے خلاف سازش ہوئی ہے۔ راویٹو اور پولیس دونوں ہی میرے تلاش میں ہیں۔"

"اوہ خدایا، مگر مسٹر ایلن! یہ نک راویٹو آپ کی جان کا کیوں دشمن ہوگیا؟"

"اس نے پچھلی رات شاید مرکزی کمیٹی سے مجھے ختم کرنے کی اجازت بھی لے لی ہے..... مگر ٹھہرو۔ میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ چند آدمی نک راویٹو کے پاس آئے اور میرے خلاف کچھ ایسی شکایتیں کیں جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ نک نے مجھے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا، ساتھ ہی اس نے ولی کے قتل کا چکر چلا کر پولی کو بھی میرے پیچھے لگا دیا تاکہ میں نک کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا جاؤں تو پولیس اسے ایک قاتل کی موت سمجھے۔ جن لوگوں نے نک سے میری شکایت کی ہے، میں ان سے بالکل واقف نہیں ہوں۔"

"شاید وہ تمہیں کسی ایسے کام سے روکنا چاہتے ہیں، جو آج کل تمہارے سپرد ہے۔ تمہارے کامیابی سے انہیں شدید نقصان ہو سکتا ہے۔ اگر تم اپنی آج کل کی سرگرمیوں پر غور کرو تو شاید ان کی مخالفت کی وجہ سمجھ میں آجائے اور پھر تم ان تک پہنچ سکو۔" اس بار بوبی کی گفتگو میں آپ جناب کا تکلف نہیں تھا۔

"ہاں، بوبی..... تم ٹھیک کہتی ہو۔" اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

بوبی کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔ "بہتر ہوگا کہ تم مجھے تفصیل سے آگاہ کر دو، شاید میں کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔"

ایلن، بوبی کو کچھ بتاتے ہوئے ڈر رہا تھا..... پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ وہ چارلی بروڈی کی بیوی تھی۔ یقیناً وہ اس کی لاش کی تلاش میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ "تم اپنے شوہر کے کام سے تو واقف تھیں نا بوبی؟"

بوبی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں علم ہے، وہ ہیروئین کس طرح لے جایا کرتا تھا؟" ایلن نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ اٹیچی کیس وغیرہ میں چھپا کر لے جاتا ہوگا۔"

"نہیں..... اپنے سوٹ میں..... خاص طور سے کوٹ کی تہوں میں سی کر....."

"بوبی کی آنکھوں میں حیرت کے آثار پیدا ہوئے۔

"وہ اپنا کوٹ استعمال کرتا تھا، جس کوٹ کے ساتھ اسے دفن کیا گیا تھا، اس

کوٹ کی مالیت لاکھوں ڈالر تھی' بوبی۔"

"یہ تم..... تم کیا کہہ رہے ہو' ایلن؟" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔

"میں بوبی! میں سچ کہہ رہا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم نے چارلی کو دفن نہیں کیا بلکہ خالی تابوت دفنایا تھا۔"

"اوہ میرے خدا....." بوبی کے ہاتھ کانپ گئے اور کمبل چھوٹ کر اس کی گود میں گر گیا۔ وہ اپنے فطری لباس میں بیٹھی تھی۔ ایلن فوراً ہی سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ بوبی نے کمبل درست کر لیا۔ "تو تم اب چارلی کی لاش کی تلاش میں ہو؟"

"ہاں۔ نک نے مجھے یہی حکم دیا تھا اور یہی وہ کام ہے جس سے مجھے کچھ لوگ روکنا چاہتے ہیں۔ کیا تم اسمتھ نامی کسی شخص سے واقف ہو؟"

"ایک سیاہ فام..... جو اپارٹمنٹوں کی صفائی کرتا ہے۔"

"نہیں' وہ ایک برنس مین ہے۔ شاید کسی فیکٹری وغیرہ کا مالک ہے۔ بہرحال' اب مسئلہ یہ ہے کہ لوگ میری تلاش میں ہیں۔ میں یہاں ان سے چھپ کر آیا ہوں۔ میں یہ سمجھا تھا کہ اپارٹمنٹ خالی ہو گا۔"

"اوہ۔ کوئی بات نہیں' تم یہاں جب تک چاہو رہ سکتے ہو۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ فی الحال کسی کو میری ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے بارے میں کوئی نہیں جان سکے گا کہ تم یہاں ہو۔ میں تمہاری احسان مند ہوں ایلن یہ تم نے چارلی کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال رکھی ہے۔"

"چارلی کی تلاش اب میری ذاتی ضرورت بن چکی ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا بوبی! تم آرام کرو۔ میں ڈرائنگ روم میں' صوفے پر سو جاؤں گا۔"

"ایلن یہیں آجاؤ۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "میرے خیال میں اب ہم دوست بن چکے ہیں۔ تم چارلی بروڈی کے لیے اتنا کچھ کر رہے ہو تو شاید اسے بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

ایلن نے ہتھیار ڈال دیے۔

صبح جب ایلن کی آنکھ کھلی تو بوبی غائب تھی..... مگر اس کے نام ایک پرچہ چھوڑ گئی تھی جس میں تحریر تھا۔ "ڈیئر مسٹر ایلن۔ آر جی فرگوسن چاہتا ہے کہ میں آج ہی سے کام شروع کر دوں اس لیے میں کلوزیم جا رہی ہوں۔ وہاں ہوم فرنشنگ کے سامان کی ایک نمائش لگی ہے اور انہیں خریداروں اور وزیٹنگ فائرمینوں کے لیے چند لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ شاید میں آج رات نہ آسکوں۔ تم چاہو تو اسی کھڑکی سے اندر آجاسکتے

ہو۔ باورچی خانے میں تمہارے لیے کھانے پینے کا سامان موجود ہے۔ میں نے تمہارے کپڑے استری کر دیے ہیں۔ موزے اور بنیان وغیرہ بھی دھو دی ہیں جو غسل خانے میں سوکھ رہے ہیں..... تمہاری مخلص بوبی۔"

ایک گھنٹے بعد اس نے نہا دھو کر کپڑے بدلے اور ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔

دوپہر ہوئی تو اس کے کام کرنے کا وقت آگیا۔ وہ سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یقیناً وہ کامیابی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے راستے سے ہٹا دیا گیا۔

اس نے دراز میں سے کاغذ قلم نکالا اور نام لکھنے لگا۔ مسز بروڈی' مارگو کین..... ہارویل اسے ہارویل سے کام شروع کرنا چاہئے اس نے فیصلہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا..... پھر اس نے بوبی کے نام شکریے کا ایک پرچہ لکھا اور احتیاط سے اپارٹمنٹ سے باہر آگیا۔

"پولی کو ریمنڈ ایلن کی تلاش ہے۔" اچانک اس نے پولی کار میں لگے لاؤڈ اسپیکر سے گونجتی ہوئی آواز سنی۔ وہ تیزی سے ایک گلی میں کھسک گیا۔ "جس نے پچھلی رات جرسی سٹی میں ایک آدمی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔" آوازیں رفتہ رفتہ مدھم ہوتی چلی گئیں کیونکہ وہ جلد ہی وہاں سے دور نکل آیا تھا۔

ہارویل اپنے دفتر میں تھا۔ اس کی سیکرٹری نے جب ایلن کو اندر پہنچایا تو حیرت سے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ "تم..... ایلن.....؟ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

"شور مت مچاؤ' ہارویل۔" ایلن نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں اسمتھ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کون اسمتھ؟"

"تم اسے اچھی طرح جانتے ہو' ہارویل۔"

"میں آج کل بہت پریشان ہوں مگر تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ ہارویل مجھے اس آدمی کا پورا نام اور پتہ چاہئے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ تم اب تک اس سے مل چکے ہو گے' اس کے بارے میں تمہیں رپورٹ سے پتہ چل سکتا ہے۔ کاروباری آدمی ہے۔ قانونی قسم کا کاروبار کرتا ہے مگر کسی نہ کسی طرح تنظیم سے بھی وابستہ ہے۔ وہ یونین کنٹرول کرتا ہے جیسے آرچی لڑکیوں کا شعبہ کنٹرول کرتا ہے۔ کاروباری آدمی یونین کے ذریعے ہی تنظیم سے رابطہ رکھ سکتے ہیں۔"

"تم اس کے پاس جاؤ یا اسے فون کرو اور اسمتھ کے بارے میں تفصیل معلوم

کر کے مجھے بتاؤ۔" ایلن کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"ایلن۔ میں..... میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس میں خطرہ ہے۔"

"یہ خطرہ تمہیں میری خاطر مول لینا پڑے گا ہارویل میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ اس لیے میں ذرا رعایت نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے' تمہاری مرضی۔" ہارویل مردہ سے لہجے میں بولا اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ ایلن ان کی گفتگو سننے کے لیے اس کے کان کے قریب جھک گیا۔

"میں ہارویل بول رہا ہوں۔ ریویرٹ کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے' کیسے زحمت کی؟" ایلن نے دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنی۔

"بس یونہی' یہ ایلن کے خلاف نک سے کس نے شکایت کی تھی؟ اسمتھ یا کیا نام ہے اس کا؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"نک نے ذکر کیا تھا۔" ہارویل نے صاف جھوٹ بولا۔ "میں بھی اسمتھ نامی ایک تاجر سے واقف ہوں۔ دسویں ایونیو پر رہتا ہے۔ کہیں۔ "وہی تو نہیں ہے؟"

"نہیں' اس کا نام ہربرٹ اسمتھ ہے۔ ویسٹ سائڈ میں اس کی ایک گڈز فارورڈنگ کمپنی ہے۔"

"اور اچھا شکریہ دوست میرے لائق کوئی کام ہو تو بتانا۔" اس نے فون بند کر دیا اور ایلن کی طرف مڑا۔ "تم نے سن لیا؟" اس نے کہا۔ "اب تمہارے جاتے ہی میں نک کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دوں گا۔ تم میری مجبوری سمجھتے ہو نا؟"

"یقیناً۔ میں سمجھتا ہوں۔ ذرا اپنی فون بک تو دینا۔" ایلن نے کہا۔ فون بک میں سے ایلن نے ہربرٹ اسمتھ کا پتہ نوٹ کر لیا۔ وہ ویسٹ 37 ویں اسٹریٹ میں رہتا تھا۔ پھر وہ ہارویل کی طرف جھکا۔ "تم بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہو ہارویل بہتر ہو گا کہ کچھ دیر آرام کر لو یہ کہہ کر اس نے ہارویل کی کنپٹی پر ایک نپا تلا ہاتھ مارا اور ہارویل کوئی آواز نکالے بغیر ہی کرسی سے لڑھک گیا۔ ایلن اطمینان سے باہر آ گیا۔

"مسٹر ہارویل ایک ضروری کام میں مصروف ہیں۔" اس نے ہارویل کی سیکرٹری کو بتایا۔ "انہیں کچھ دیر تک ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" پھر وہ دفتر سے سڑک پر آ گیا۔ اسے یقین تھا کہ ہارویل ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے ڈرائیور کو ہربرٹ کا پتہ بتایا اور پشت سے سر ٹکا کر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ آدھے گھنٹے بعد ٹیکسی مطلوبہ علاقے میں کھڑی تھی۔ سامنے ہی

ایک عمارت پر اسمتھ کمپنی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ڈرائیور کو کرایہ اور ٹپ دے کر وہ اترا اور گیٹ میں داخل ہوا احاطے میں ٹھکا ٹھک کا شور مچا ہوا تھا۔ وہاں بہت سے ٹرک کھڑے مصروف تھے۔ دو چار آدمیوں نے اسے کی طرف دیکھا پھر اپنے کام میں مصرف تھے۔ دو چار آدمیوں نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ عمارت کی طرف بڑھا اور ایک ڈرائیور سے اسمتھ کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔

"مسٹر اسمتھ۔" ٹرک ڈرائیور نے انگوٹھے سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر اپنے دفتر میں ہیں۔"

ایلن نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر پہنچا اور دفتر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

ہربرٹ اپنی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایلن کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ "اوہ۔ میرے خدا!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ میز پر سر ڈال کر بے ہوش ہو گیا۔ ایلن نے جلدی سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس بھر کر اس کے چہرے پر الٹ دیا۔

"ہربرٹ۔" ایلن نے اسے آنکھیں پٹ پٹاتے دیکھ کر کہا۔ "میری طرف دیکھو۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر تھام لیا۔ "میں تمہیں صرف ایک منٹ کی مہلت دے سکتا ہوں۔ بتاؤ' تمہیں میرے خلاف نک کے پاس کس نے بھیجا تھا؟ سچ بتانا ورنہ یہ تمہارا آخری لمحہ ہو گا۔"

"میں۔ میں تمہیں بتا دوں گا۔" ہربرٹ ہکلانے لگا۔ وہ بے حد بزدل آدمی تھا۔ ایلن کی آنکھوں سے جھانکتی وحشت اس کے جسم میں لرزہ سا پیدا کر رہی تھی۔ "میں یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا مگر انہوں نے مجھے مجبور کر دیا۔ میں نے ان سے کہہ بھی دیا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو میں خاموش نہیں رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے' مجھے صرف اس کا نام بتا دو۔"

"وہ مسز کین ہے۔ مسٹر مینفل کین کی بیوہ..... میں ایک کاروباری ذمی ہوں۔ مینفل کین بڑا ہی خوفناک آدمی تھا' مسٹر ایلن یقین کریں۔ اس کے دو بھائی فارورڈنگ کا کام کرتے ہیں' میں ان سے دشمنی مول لے کر یہاں بالکل کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے....."

"تم نے تو میرے قتل کا سامان کر دیا ہے گدھے کے بچے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں' مسٹر ایلن۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ مسز کین میرے پاس خود آئی تھی اور کہا تھا کہ وہ تمہیں صرف اس ریکٹ سے نکلوا چاہتی ہے۔"

یہ بات ممکن تھی۔ وہ شاید یہی چاہتی ہو کہ ایلن اس گندے کاروبار میں نہ رہے۔ وہ اس کی جان کی دشمن نہیں ہو سکتی تھی۔ "ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "شکریہ۔" ظاہر تھا کہ اس سے زیادہ ہربرٹ کو معلوم بھی نہیں تھا۔ ایلن اب فوری طور پر مارگو کین سے ملنا چاہتا تھا۔ "کیا مارگو کین نے چارلی کی لاش چرائی تھی؟ اس کے ذہن میں کھچڑی سی پکنے لگی۔ کیا اسی نے میری ویدر کو قتل کیا تھا؟ مگر کیوں؟..... "کیوں؟ اس کا جواب اسے مارگو کین سے ہی مل سکتا تھا۔

وہ جیسے ہی باہر سڑک پر آیا' سامنے سے آتی ہوئی دو کاروں کے بریک چرچرائے۔ ان میں سے ایک کار میں سے گٹل اور فوکس نکل رہے تھے۔ دوسری کار میں پولیس کی وردی پہنے کچھ لوگ نظر آرہے تھے۔ ایلن مڑا اور پوری قوت سے دوڑتا ہوا ایک ذیلی سڑک پر گھوم گیا۔ وہ گلیوں میں چکراتا ہوا ایک اور سڑک پر نکل آیا۔ سڑک کے ایک طرف ایک آئس کریم ٹرک کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے بہت سارے بچے اور آدمی کھڑے تھے۔ ڈرائیور انہیں آئس کریم دے رہا تھا۔ ایلن بھاگتا ہوا ٹرک کے قریب پہنچا اور ٹرک کے کیبن میں سوار ہو کر چابی گھما دی اور ٹرک آگے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر میں صرک ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کافی دور آکر اس نے ٹرک چھوڑ دیا۔ قریب ہی ایک زمین دوز اسٹیشن تھا۔ ایلن نیچے اترا اور ٹکٹ خرید کر گاڑی میں جا بیٹھا۔ اس نے پہلے کبھی ان ٹرینوں میں سفر نہیں کیا تھا۔ وہ ایک کونے میں بیٹھا ٹرین کے چلنے کا انتظار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ٹرین چل دی۔ وہ آخری اسٹاپ پر اترا اور باہر آکر قریب ترین بار میں گھس گیا۔ بار کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر اس نے اسکاچ کے دو گلاس پیئے اور بل ادا کر دیا۔

"تمہارے پاس فون بک ہوگی پلیز۔" اس نے بارٹینڈر سے کہا۔

بارٹینڈر نے خوش دلی سے مسکرا کر ڈائریکٹری اس کے سامنے رکھ دی۔ ایلن نے اس میں سے میفل کین کا پتہ نوٹ کیا اور باہر آگیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتا کر اس نے سیٹ سے سر ٹکا دیا اور سوچوں میں کھو گیا۔ یہ بات ممکن تھی کہ مارگو کین ہی ان تمام ہنگاموں کی ذمے دار ہو۔ چارلی کی لاش کی چوری' میری ویدر کا قتل اور ہربرٹ کو اس کے خلاف شکایت کرنے پر مجبور کرنا..... ہربرٹ نے اسی کا نام لیا تھا اور ایلن کو یقین تھا کہ اس میں جھوٹ بولنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ میرے ویدر کے قتل کے وقت بھی وہ وہیں موجود تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ایلن اس کے پاس چاقو نہیں دیکھ سکا تھا مگر لاش دیکھ کر اس کے چہرے پر جو خوف اور حیرت ابھری تھی وہ مصنوعی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ایلن کو اپنے شوہر کا قاتل ٹھہرانے والا ڈراما..... مگر اس نے چارلی کی لاش کیوں چرائی تھی؟

نارگو کین..... اس نے تلخی سے سوچا۔ اس کا رابطہ کسی نہ کسی طرح کرٹ

بروک سے بھی تھا۔ شاید کرٹ بروک نے ہی مارگو کو اس کے خلاف سازش کرنے پر اکسایا ہو۔ "آپ کی منزل آگئی' جناب۔" ڈرائیور کی آواز سن کر وہ خیالوں کی دلدل سے نکل آیا۔

ذرا دیر بعد وہ مارگو کے دروازے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔

مارگو نے خود ہی دروازہ کھولا۔ "اوہ ایلن آؤ۔ اندر آجاؤ۔" وہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔ "ہماری ملاقات کے بعد سے تو تم خاصے مشہور آدمی بن چکے ہو۔"

ایلن اس کے چہرے پر اداکاری کے آثار تلاش کر رہا تھا مگر اسے ایسی کوئی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ ماگو نے سیاہ پتلون لال دھاریوں والا سیاہ سوئیٹر اور سرخ سلیپر پہن رکھے تھے وہ انتہائی معصوم' دلکش اور بے ضرر نظر آرہی تھی۔ "بیٹھو۔" وہ صوفے کی طرف اشارہ کرکے بولی۔ "کیا پیو گے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تم میرے پاس پچھلی رات ہونے والے واقعے سے بریت کے لیے میری شہادت حاصل کرنے آئے ہو مگر ایلن! مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی کوئی شہادت نہیں دے سکتی۔ کل رات جلد ہی ریستوران سے آگئے تھے اور تمہارے پاس اتنا وقت تھا کہ تم نیو جرسی جا کر اس بے چارے ولی کو شوٹ کر سکتے تھے۔ اگر یہ غلط ہے تو بھی میں کسی طرح یہ بات تسلیم نہیں کر سکتی کہ میں نے رات کا کچھ حصہ تمہارے ساتھ گزارا ہے۔"

"میں اس لیے نہیں بلکہ صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم نے ہربرٹ اسمتھ کو میرے خلاف شکایت کرنے کے لیے نک رویٹو کے پاس کیوں بھیجا تھا؟"

مارگو کے ہونٹوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ نظر آئی پھر وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "میں نے سوچا تھا کہ اس طرح یہ گروہ تمہارا مخالف ہو جائے گا اور تمہیں نکال باہر کرے گا۔ پھر میں تم سے بات کروں گی تمہاری رہنمائی اور مدد کروں گی۔ تم..... تم بہت پیارے نوجوان ہو اور مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ بہرحال' اس بات کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ لوگ اپنے پاگل ہو جائیں گے اور تمہیں قتل کرنے کے در پے ہو جائیں گے۔"

"مارگو۔ تم نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ میری جان مصیبت میں ڈال دی ہے۔" ایلن نے کہا اور پھر اسے بتایا کہ نک راویٹو یہ شکایت سن کر کس قدر بھڑک اٹھا تھا اور اسے قتل کرنے کے لیے اپنے گرگے چھوڑ دیے تھے۔ ایلن نے مارگو کو یہ بھی بتایا کہ اس نے ولی کو خود قتل کروایا اور الزام ایلن پر لگا دیا اور اب پولیس بھی اس کی تلاش

میں ہے۔

"میں ابھی ہربرٹ کو فون کر دیتی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "وہ اسی وقت جاکر تمہارے باس کو حقیقت بتا دے گا اور اس طرح اس کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔"

"یہ رکھا ہے فون۔" ایلن نے قریب تپائی پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔ مارگو نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور ہربرٹ کے نمبر ڈائل کیے۔ ایلن ریسیور کے قریب جھک کر ان کی باتیں سننے لگا۔ "ہربرٹ۔" مارگو کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ "تم ابھی تک راویٹو کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ایلن بے قصور ہے۔ تمہیں محض غلط فہمی ہوئی تھی اور تم اس سلسلے میں بے حد شرمندہ ہو۔ مگر خیال رہے' اس پوری گفتگو میں میرا نام نہ آئے۔ بس میں کچھ نہیں سنوں گی۔ تم ابھی جاؤ اور ایلن کی حیثیت بحال کر کے آؤ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایلن کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب یہ بتاؤ کہ تم نے چارلی بروڈی کی لاش کیوں چوری کی تھی؟ وہ اب کہاں ہے؟ اور تم نے میری ویڈر کو قتل کیوں کیا؟"

"چوری..... قتل..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو' ایلن۔" مارگو حیرت سے بولی۔

"تم نے خود یہ کام نہیں کیے ہوں گے۔ میں تمہارے اسٹائل سے واقف ہو گیا ہوں۔ تم نے یہ سارے کام کسی اور سے کروائے ہیں۔ وہ لاش تم نے شاید کرٹ بروک کے ذریعے....."

"میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔" مارگو نے تیزی سے کہا۔

"میں نے تمہیں کل شام اس کے اپارٹمنٹ میں جاتے دیکھا تھا۔ اس نے تمہیں میرے بارے میں مطلع کیا تھا اور بعد میں یہ جاننے کے لیے کہ میں کس چکر میں ہوں' تم نے مجھے ڈنر کی دعوت دی تھی۔"

"نہ جانے تم کیا بکواس کر رہے ہو۔" اس کے چہرے پر غصے کی لہر دوڑ گئی۔ "کرٹ بروک کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس نے میرے شوہر کی موت پر مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور بس..... اس کے علاوہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"میں تمہارا طریقہ۔ کار سمجھ چکا ہوں۔" ایلن نے تلخی سے کہا۔ "تم نے مجھ سے نمٹنے کے لیے ہربرٹ کو نک کے پاس بھیجا۔ کرٹ بروک کے ذریعے چارلی بروڈی کی لاش نکلوائی اور میری ویڈر کو تم نے خود قتل کیا تھا یا یہ کام بھی کسی اور سے کروایا ہے؟ اور کیا تم مجھے بتاؤ گی آخر چارلی بروڈی کی لاش کا تم کیا کرو گی؟ یا کیا کیا ہے؟"

مارگو اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ "کیا بکواس لگا

رکھی ہے' تم نے؟" وہ چلائی۔ "چارلی بروڈی کی لاش۔ چارلی بروڈی کی لاش۔ کیا تم اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچ سکتے؟ تم نے میرا دماغ خراب کر دیا ہے۔ وہ شخص مر چکا ہے۔ اب تمہیں اس کی لاش کی کیا ضرور پڑ گئی؟"

"تمہیں کیا ضرورت تھی؟" ایلن نے وہی سوال دہرایا۔

"کچھ بھی نہیں۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں۔"

"وہ لاش تمہارے پاس ہے۔" ایلن آنکھیں دکھاتے ہوئے بولا۔ "تم نے وہ لاش کسی کے ذریعے قبر سے نکلوائی تھی۔ بتاؤ تم نے اس کا کیا کیا؟" اچانک وہ خاموش ہو گیا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اب اس کے چہرے سے اطمینان ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تمہاری مالی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ تم شاہ خرچ قسم کی عورت ہو۔ کاروبار میں غبن۔ شاید گورنمنٹ کے ٹیکسوں میں چوری بھی کرتی ہو۔ سارے ہی مسئلے ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسی وقت بھی حلقہ تنگ ہو سکتا تھا اور پھر یہ اتنا شاندار مکان....." اس نے در و دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم نے اوپر کی دو منزلیں کرائے پردے رکھی ہیں اس سے ہم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔" وہ بولی۔ "میں اور میفل اب نچلی منزل میں رہتے ہیں۔"

"تمہارے پاس مرسیڈیز ہے۔ تمہارے شوہر کے پاس یقیناً کیڈلاک ہو گی۔"

"لنکن۔ کانٹی نینٹل۔" مارگو نے تصحیح کی۔ "کیڈلاک تو ایک عام سی کار ہے۔"

"ٹھیک۔" ایلن نے معنی خیز انداز میں سر ہلا دیا۔ "تو یہ حالات ہیں۔"

"خدا کے لیے مجھے بھی بتاؤ کہ تم کہنا کیا چاہ رہے ہو۔"

ایلن نے پھر کمرے میں نظر دوڑائی۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک دہرا دروازہ لگا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ "تم نے بہت سوچ سمجھ کر کام کیا ہے۔" وہ بڑی احتیاط سے اس دروازے کی طرف بڑھنے لگا اور جو کام تمہارے اپنے بس سے باہر ہو وہ عادتاً دوسروں سے کروا لیتی ہو۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ آخر وہ کون سا کام تھا جس کے لیے تمہیں چارلی بروڈی کی لاش کی ضرورت پڑی۔ وہ دہرے دروازے تک پہنچ گیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" مارگو چلائی۔ "دروازے کے قریب نہ جانا ایلن۔"

ایلن نے اس کے چلانے کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

"تم....." وہ بولا۔

دہرے دروازے کی نیم تاریکی میں کھڑے بھاری بھرکم آدمی کی آنکھوں میں

وحشت نظر آ رہی تھی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا اور امین کے سینے کا نشانہ لے لیا۔

"میفل کین۔" ایلن بڑبڑایا۔ "تم میفل کین ہو' نا؟"

"کیسے مزاج ہیں مسٹر ایلن؟" میفل کین نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

ایلن نے اپنے عقب سے مارگو کی آواز سنی۔ "تم نے خود ہی اپنے لیے گڑھا کھود لیا ہے۔"

"میری بیوی ٹھیک کہتی ہے مسٹر ایلن۔" میفل نے تائید کی۔ "تم نے واقعی خود کو بڑی مشکلات میں پھنسا لیا ہے۔"

"انشورنس۔" ایلن سوچتے ہوئے بولا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے حالات کے یوں رخ بدلنے اور اپنی جان خطرے میں ہونے کا اسے ذرا احساس نہ ہو۔ اس کا ذہن واقعات کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا۔ "تمہارا بیمہ یقیناً بڑی رقم کا ہو گا جو تمہاری بیوی کو ملے گا۔ تمہارے قرض تمہاری موت کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اور تمہاری بیوی اپنا کاروبار فروخت کر دے گی۔ پھر تم دونوں یورپ یا کسی اور ملک..... شاید برازیل وغیرہ....."

"کیرابین۔" میفل نے تصحیح کی تو اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"تمہاری بیوی نے کرٹ بروک سے تعلقات بڑھائے اور....."

میفل کی مسکراہٹ میں تلخی گھل گئی۔ "ہاں۔ کچھ زیادہ ہی گہرے تعلقات۔" اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا تھا۔" مارگو تیزی سے بولی۔ "یہ تمہارا منصوبہ تھا میفل۔"

"تمہیں صرف ایک مناسب لاش کا انتظار تھا۔" ایلن نے اپنا بیان جاری رکھا۔ اس کا ذہن تیزی سے حالات کو گرفت میں لا رہا تھا۔ "ایک ایسی لاش جس کا چہرہ بگڑ جائے تو وہ بالکل تمہارے جیسی لگے۔ پھر کرٹ بروک نے وہ لاش چرا لی۔ تم نے اس لاش کو اپنے دفتر میں رکھا اور آگ لگا دی۔ اس کے بعد دنیا کے لیے میفل کین مر چکا تھا۔"

میفل کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ امین کہتا رہا۔ "مگر میری ویدر کو کسی طرح شک ہو گیا۔"

"اس نے میری بیوی اور کرٹ کی گفتگو اتفاقاً سن لی تھی۔" میفل نے بتایا۔ "اس نے ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کی۔ اور پوری رقم کا ایک بڑا حصہ مانگنے لگا

تھا۔"

"تم اس سے بات کر لیتے تو شاید وہ کم پر بھی راضی ہو جاتا۔" مارگو نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مگر غصہ تو ہر وقت تمہاری ناک پر دھرا رہتا ہے۔"

"وہ بہت لالچی آدمی تھا۔" میفل نے بتایا۔ "ایک بیوقوف لالچی....."

"اگر باتیں ہی کرنی ہیں تو بیٹھ کیوں نہ جائیں۔" مارگو نے اکتائے ہوئے لہجے میں مشورہ دیا۔

"یقیناً۔" اس کا شوہر بولا۔ "معاف کرنا مسٹر ایلن' میں تمہیں کھڑے رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تم بیٹھ سکتے ہو مگر ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو گولی تمہاری کھوپڑی کے پار ہو جائے گی۔"

وہ تینوں صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔" مارگو نے سلسلہ کلام شروع کیا۔ "میفل میری ویدر سے ملنے گیا۔ مجھے اس کے مزاج کا علم تھا اس لیے میں بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گئی۔ میں جانتی تھی کہ بے چارے کرٹ کو نوکری سے نکال دیا گیا ہے کیونکہ میں اس سے پھولوں کے پیچھے گفتگو کر رہی تھی۔ جب میں نے تمہیں دفتر میں کھڑے دیکھا' مسٹر ایلن تو میں سمجھی کہ تم کرٹ ہو۔ اس وقت تمہاری پیٹھ میری طرف تھی۔ میں سخت خوفزدہ ہوئی کہ کہیں تم نے میفل کو نہ دیکھ لیا ہو۔ سمجھ گئے نا؟ کرٹ کو معلوم نہیں تھا کہ میرا شوہر زندہ ہے۔"

"کرٹ کچھ اور ہی سپنے دیکھ رہا تھا۔" میفل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ پچاس ہزار ڈالر اور مارگو کے ساتھ فرار ہونے کے منصوبے بنا رہا تھا۔"

بے چارا کرٹ۔ "مارگو متاسفانہ انداز میں بولی۔" اس کی مایوسی قابل دید ہو گئی۔ خیر تو میں سمجھی کہ تم کرٹ ہو۔ اس لیے میرا پہلا سوال یہی تھا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیونکہ کرٹ کی ملازمت بحال نہیں ہوئی تھی..... مگر وہ تم نکلے اور سامنے میری ویدر کی لاش پڑی تھی۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو گئی۔"

"میری بیوی اکثر ناقابل برداشت منظر دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔" میفل نے بتایا۔

"اور جب میں ہوش میں آئی تو میفل وہیں چھپا ہوا تھا۔ اور باہر پولیس موجود تھی۔ مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے باہر آکر شور مچا دیا کہ تم نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔ پولیس تمہارے پیچھے دوڑ پڑی اور میرے لیے میدان صاف ہو گیا۔"

ایلن اثبات میں سرہلا کر رہ گیا۔

"مگر مسٹر ایلن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم چارلی کی لاش کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے تھے؟" مارگو نے اچانک اس سے سوال کیا۔

"میرے باس نک راویٹو نے۔" کام میرے سپرد کیا تھا۔ مجھے لاش کی نہیں بلکہ اس کے سوٹ کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے۔" ایلن نے کہا۔ "کیا تم لوگ بتاؤ گے کہ اس کا سوٹ کہاں گیا؟"

"سوٹ؟ وہ تو کرٹ بروک نے اتارا تھا اور لاش کو میفل کا سوٹ پہنا دیا تھا۔"

"تو پھر کرٹ کو ضرور علم ہو گا کہ سوٹ کہاں ہے؟"

"ان باتوں کو چھوڑو مسٹر ایلن۔" میفل بولا۔ "تم یہ بات تو سمجھ ہی گئے ہو گے کہ ہم اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتے۔"

"میفل۔" اس کی بیوی چلائی۔ "میں یہب ات ہرگز پسند نہیں کرتی۔ پہلے تو یہ صرف ایک بے ضرر سابج کا فریب تھا مگر اب واقعی تم بھیانک جرائم کی طرف مائل ہو گئے ہو۔ تم پہلے ہی ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو اور اب ایک اور قتل پر تلے ہوئے ہو۔ میفل ہر مسئلے کا حل صرف قتل نہیں ہوتا۔"

"تقریر مت جھاڑو۔" میفل غرایا۔ پھر اس نے اپنے چہرے پر شگفتگی طاری کرلی۔" مجھے افسوس ہے' مسٹر ایلن۔ میری بیوی سچ کہہ رہی ہے مگر اب تم ہی بتاؤ۔ تمہیں زندہ چھوڑ کر میں اپنے لیے خطرہ مول کیسے لے سکتا ہوں؟"

"یقیناً۔" ایلن نے جواب دیا۔ وہ موقعے کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح کھڑکی سے چھلانگ لگا کر نکل جائے۔ مگر میفل بہت ہوشیار تھا۔

"مگر میفل۔ ہم اس کی لاش کا کیا کریں گے؟ اور خدایا۔ تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے ڈوبو گے۔"

"نہیں ڈارلنگ۔ ایسی بات نہیں ہے۔ تم بے فکر رہو۔ میرے ذہن میں ایک بڑی نادر ترکیب ہے۔" پھر وہ ایلن کی طرف مڑا۔ "مسٹر ایلن' میرے خیال میں تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا کہ تمہاری قبر پر چارلی بروڈی کا کتبہ نصب کر دیا جائے۔"

ایلن اس کا مطلب سمجھ کر دل ہی دل میں لرز اٹھا۔

راستے وہی جانے پہچانے تھے مگر اس بار ایلن کار کی ڈگی میں تنہا ہوتا تو بھی غنیمت تھا مگر اس کے ساتھ بیلچے اور پھاوڑے بھی رکھے ہوئے تھے۔ کار کے ہر جھٹکے کے ساتھ بیلچے یا پھاوڑے کی نوک اس کی کمر یا پہلو میں چبھتی تو اسے ضرا آجاتا۔ آخر یہ سفر ختم ہوا۔

رات کے ساڑھے نو بجے تھے مگر قبرستان کے سناٹے سے لگتا تھا جیسے آدھی سے زیادہ رات گزر چکی ہو۔ میفل نے پستول کی نال پر ایلن کو اپنی ہدایات کی تعمیل پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرا تھے جیسے ایلن نے ذرا سی گڑبڑ کی تو وہ اسے گولی مار دے گا۔ کمبل بچھا کر ایلن پھاوڑا لیے قبر کھودنے لگا۔ مارگو اپنے شوہر کے قریب کھڑی کبھی اپنے شوہر اور کبھی ایلن کو دیکھ رہی تھی۔ میفل پستول تانے خاموش کھڑا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

آخر ایلن کا پھاوڑا تابوت سے ٹکرایا۔ وہ قبر کے اندر تابوت پر کھڑا ہو گیا۔ "کیا بات ہے؟" میفل نے پوچھا۔ "تابوت آگیا ہے تو اب اسے کھولو۔"

"کیسے کھول سکتا ہوں۔ میں اس کے ڈھکن پر کھڑا ہوں۔ مجھے باہر نکالو تبھی تابوت کھل سکے گا۔"

"تم خود باہر آجاؤ۔" میفل نے کہا۔ "میں تمہارے چکر میں آنے والا نہیں ہوں۔ تم مجھے اپنے ساتھ قبر میں گھسیٹ لینا چاہتے ہو۔"

"تمہارے پاس پستول ہے۔ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو میں کسی طرح بھی اس میں سے نہیں نکل سکوں گا۔ گڑھا بہت گہرا ہے۔" ایلن نے سادگی سے کہا..... مگر اس کا ذہن ایک آخری ترکیب سوچ رہا تھا۔

میفل نے ذرا دیر غور کیا پھر پستول اپنی بیوی کے ہاتھ میں دے دیا۔ "اگر یہ ذرا بھی گڑبڑ کرے تو فوراً گولی مار دینا۔" اس نے مارگو سے کہا۔

"ٹھیک ہے میفل۔" وہ پستول سیدھا کرتے ہوئے بولی۔ پھر اس کی آواز میں خفیف سی لرزش شامل ہو گئی۔ "اوہ میفل! یہاں کا ماحول کس قدر خوفناک ہے۔"

"اب تک تو ماحول ٹھیک تھا۔" میفل تلخی سے بولا۔ "پستول ہاتھ میں لیتے ہی تمہارے حالت کیوں غیر ہو گئی؟"

"اوہ میفل۔" مارگو کے منہ سے ایک سسکی نکلی۔ میفل بے یقینی کے سے انداز میں کبھی ایلن اور کبھی اپنی بے ہوش بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا پھر یوں لگا جیسے وہ بھاگ جائے گا یا اپنی جان کی پروا کیے بغیر ایلن پر چھلانگ لگا دے گا۔ "ذرا صبر سے کام لو میفل۔" ایلن نے نرمی سے کہا۔ "اتنے گھبرا کیوں رہے ہو؟"

"ایلن۔ میں تمہیں ایک بہت بڑی رقم....."

"اوہ' گھبراؤ نہیں میفل۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ تمہیں قتل کرنے کا میرے پاس کوئی جواز نہیں۔"

میفل نے ایک طویل سانس لی۔ اس کی بیوی مٹی پر پڑی کسمسا رہی تھی۔

"کیا اب بھی معاملہ تمہاری سمجھ میں نہیں آیا' میفل؟" ایلن کہہ رہا تھا۔ "تمہاری بیوی کی یہ بے ہوشی محض اداکاری ہے۔ ایک جوا ہے کہ یا تو گن میرے ہاتھ میں آجائے گی اور میں تمہیں قتل کر دوں گا یا تم پستول پر قبضہ کر کے مجھے شوٹ کر دو گے۔ اسے ہم میں سے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ اگر تم مجھے مارنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ تمہارا بندوبست کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ سوچ لیتی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو' ایلن؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے" میفل نے الجھ کر کہا۔

"مارگو تم سے نہیں بلکہ کرٹ بروک سے محبت کرتی ہے۔ اسے اب تمہاری ضرورت نہیں رہی..... اور یہ اس کا خاص طریقہ کار ہے اس بار تمہیں ختم کرنے کے لیے اس نے میرا انتخاب کیا ہے۔"

میفل نارگو کی طرف دیکھ کر غرایا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور سراسیمگی کے سے عالم میں ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ "کیا..... کیا ہوا؟" وہ بڑبڑائی۔

"تم ذلیل عورت!" میفل دھاڑا۔ مارگو ایک لمحے کے لیے ہچکچائی پھر اس نے نفرت بھری نظروں سے ایلن کی طرف دیکھا۔ "میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی ایلن۔" وہ غرائی۔

"میرا بھی یہی حال ہے ہنی۔" ایلن پہلی بار مسکرا کر بولا۔ "میں بھی تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔"

میفل نے جھک کر پھاوڑا اٹھایا اور اپنی بیوی کو نے قبر کی دوسری طرف بڑھا۔ "اس بار..... اس بار میں تمہیں ہرگز نہیں بخشوں گا۔" وہ دانت پیس رہا تھا۔ غصے کی شدت سے اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ "غلیظ عورت..... فاحشہ!"

ایک لمحے تک مارگو اپنے شوہر کو اپنی طرف آتے دیکھتی رہی پھر چیخ مار کر اٹھی اور قبرستان کے اندھیرے میں دوڑ پڑی۔ میفل گالیاں بکتا اور دھاڑتا ہوا اس کے تعاقب میں دوڑنے لگا۔ ایلن اچھل کر قبر سے نکلا اور قبرستان کے گیٹ کی طرف چل دیا۔ اس کے عقب میں قبرستان کی تاریکی میں چیخیں' غراہٹیں' گالیاں اور بھاگتے قدموں کی چاپیں گونج رہی تھیں۔

سوا دس بجے کے قریب ایلن نے کارویسٹ 24 ویں اسٹریٹ میں ٹھیک اسی جگہ کھڑی کی جہاں کل اس نے مارگو کین کی مرسیڈیز کھڑی دیکھی تھی..... پھر سڑک پار کر کے اس نے کرٹ بروک کے مکان کی کال بیل بجا دی۔ "تم....." کرٹ اسے دیکھتے ہی غصے سے بولا۔ "تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ تم پولیس مین ہو۔"

"تم خوش قسمت ہو دوست کہ میں پولیس مین نہیں ہوں۔" ایلن نے نرمی سے کہا۔ "لاشیں چرانا بھی خلاف قانون فعل ہے۔" اس نے کرٹ کو اندر دھکیلا اور خود بھی اندر آگیا۔ پھر اس نے دروازہ بند کر لیا۔ "کم از کم تیس دن کے لیے تو جیل کی ہوا کھا ہی سکتے ہو۔"

"کیا..... کیا؟ پتہ نہیں تم کیسی باتیں.....؟" وہ ہکلانے لگا۔

"یہ الفاظ میں پہلے بھی کئی بار سن چکا ہوں۔ شاید تم انداز نہیں لگا سکے کہ یہ بات مجھے کس سے معلوم ہوئی ہے؟ چلو میں بتا دیتا ہوں کہ مجھے یہ بات میفل کین نے بتائی ہے۔"

"مے..... مے..... فل....."

"ہاں میفل کین۔ اس کی بیوی نے تمہیں کیا پٹی پڑھائی تھی؟ اس نے کیا کہہ کر تم سے وہ لاش منگوائی تھی؟"

"میں..... میں..... پلیز....." کرٹ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"تم نے چارلی بروڈی کی لاش چرائی تھیں' دوست! جسے آج میفل کی قبر میں دفن کیا گیا ہے۔ تمہیں میفل کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میفل زندہ ہے؟"

"نہیں۔ وہ زندہ نہیں ہے۔ وہ ڈوب کر مر چکا ہے۔"

"اوہ..... تو مارگو نے تمہیں یہ داستان سنائی تھی کہ وہ تم سے محبت کرنے لگی تھی' اس لیے اس نے اپنے شوہر کو قتل کر ڈالا اور اس کی لاش اب جھیل کی تہ میں پڑی ہے مگر اس طرح اس کے پاس میفل کی موت کا کوئی ثبوت نہیں رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس کے بیمے کی رقم حاصل نہیں کر سکتی تھی چنانچہ اس نے تمہیں چارلی بروڈی کی لاش چرانے پر آمادہ کیا اور پھر اس کی فیکٹری میں آگ لگا کر اس کی موت کا ڈراما کھیلا گیا۔"

"مگر تمہیں ان تمام باتوں کا علم....."

"ایسے ہوا کہ میفل ابھی زندہ ہے۔ وہ عورت محض بیمے کی رقم حاصل کرنا چاہتی تھی اور تمہیں اسی مقصد کے لیے اپنا آلہ کار بنایا تھا۔"

"اوہ..... اوہ۔ میرے خدا۔ مجھے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے ورنہ پولیس....."

"مجھے ایک چھوٹی سی بات بتا دو پھر جہاں چاہو' چلے جاؤ۔ چارلی بروڈی نے جو سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ کہاں ہے؟"

"سوٹ؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہاں' نیلے رنگ کا سوٹ۔ تم نے اس کی لاش سے وہ سوٹ اتار کر اسے میفل

کالباس پہنایا تھا؟

"مگر چارلی کے بدن پر یہ سوٹ تو نہیں تھا۔ اس سوٹ کا رنگ بھورا تھا اور میں نے اسے جلا دیا تھا..... کیا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"ہاں....." ایلن جیسے بہت دور سے بول رہا تھا۔ "مگر ایک بات یاد رکھنا۔ اگر کوئی تم سے کبھی سوٹ کے بارے میں پوچھے تو کہنا کہ وہ نیلے رنگ کا تھا اور ہم نے اسے جلا دیا تھا۔ سمجھے؟ اگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی تو بڑے مصائب میں پھنس جاؤ گے۔"

"میں..... میں یہی بتاؤں گا۔"

"او کے۔ خدا حافظ۔"

"ایک بار پھر وہ چھت پر چڑھ کر کھڑکی کے ذریعے بوبی بروڈی کے کمرے میں آ گیا مگر اس مرتبہ جب اس نے لائٹ جلائی تو کمرہ خالی تھا مگر باورچی خانے کی میز پر اس کے نام ایک پرچہ موجود تھا:

"ڈیئر مسٹر ایلن!"

جانے یہ پرچہ آپ کو ملے گا بھی یا نہیں۔

لیکن اگر مل جائے تو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ نے جو کچھ میرے لیے اور میرے آنجہانی شوہر کے لیے کیا ہے، میں اس کے لیے آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ میں یہاں سے بہت دور جا رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کی وجہ سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ کام میری فطرت کے بالکل خلاف تھا مگر میں مجبور ہو گئی تھیں اب میں یہاں سے دور کسی اور ملک میں نئے سرے سے نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں۔ اب میں نادان بچی نہیں ہوں۔ آرچی فرگوشن کا کام میرے بس سے باہر ہے۔ میری خواہش تھی کہ جاتے جاتے آپ سے ایک اور ملاقات ہو جاتی۔ کاش..... بہرحال، میں نے آپ کے بنیان، موزے اور زیر جامے استری کر کے ڈرائنگ روم میں صوفے پر رکھ دیے ہیں۔

آپ کی بے حد مخلص

بوبی باؤنڈز بروڈی۔"

اس کے موزے اور بنیان وغیرہ صاف ستھرے اور بے شکن صوفے پر موجود تھے۔ یہ لڑکی..... ایلن نے سوچا۔ "کسی دور دراز ملک میں کسی نوجوان کے لیے یقیناً ایک بہترین بیوی ثابت ہو گی۔ اس کے لیے کھانا پکائے گی، کپڑے دھوئے

گی اور یقیناً ہر معاملے میں بہترین رفیق ثابت ہو گی۔" وہ اسی قسم کی لڑکی تھی پھر اس کے پاس ڈھائی لاکھ کی خام ہیروئن بھی تھی جو ان کی باقی زندگی کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ وہ اس سے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر سکتے تھے۔

ایلن کے منہ سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ "اس رقم پر اسی کا حق تھا۔" وہ بڑبڑایا۔ "اور نک راویٹو..... بے وفا دوست اور بے مہر باس۔ اسے یہ رقم ہرگز نہیں ملنی چاہیے تھی۔"

اس نے نک راویٹو کا نمبر ڈائل کیا تو رابطہ ملتے اور اسے پہچانتے ہی نک تیزی سے بولا۔ "کیا حال ہے ایلن؟ تم اچھی طرح تو ہو۔" اس کے لہجے میں وہی چاہت اور نرمی تھی جس کا ایلن عادی ہو چکا تھا۔ یقیناً ایلن کی طرف سے اس کا دل صاف ہو چکا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں نک۔" ایلن نے جواب دیا۔ "تم نے سمتھ اور دوسرے لوگوں کی باتیں سن لیں؟"

"ان سب کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، ایلن بیٹے، مگر اسمتھ نے کہا تھا کہ باقی داستان تم مجھے سناؤ گے۔"

"ہاں..... مارگو کین نامی ایک عورت نے چارلی بروڈی کی لاش اس مقصد کے لیے چرائی تھی کہ....." وہ اسے حالات بتاتا رہا پھر یہ بھی بتا دیا کہ کرکٹ بروک نے چارلی کا نیلا سوٹ اتار کر اسے میری ویدر کی بھٹی میں جلا دیا تھا۔

"اچھا..... جلا دیا؟" نک راویٹو بولا..... پھر ہنس پڑا۔ "مجھے مایوسی ہوئی مگر ایک طرح سے یہ اچھا بھی ہوا ہے۔ مجھے تمہاری سچائی اور وفاداری کا علم ہو گیا ورنہ میں ہمیشہ یہی سمجھتا رہتا کہ تم بدمعاش اور نمک حرام تھے۔ معاملہ صاف ہو گیا ہے، لڑکے! اب تم اپنے عہد پر واپس آ سکتے ہو۔"

"ولی میتھک والے معاملے کا کیا ہوا؟"

"میں نے وہ معاملہ بھی صاف کر دیا۔ بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے مجھے۔ مگر کوئی بات نہیں، اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تو اب میں آزاد ہوں؟"

"ہاں..... تم ایک ہفتہ آرام کر سکتے ہو پھر آ جانا۔"

"نہیں نک، میں اب واپس نہیں آنا چاہتا۔ ان حالات نے مجھے ایک اچھا سبق سکھایا ہے۔ میں اب تمہارے لیے کام نہیں کروں گا۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم، پاگل۔ اگر میرے لیے کام نہیں کرو گے تو تمہیں کوئی

بھی نہیں رکھے گا۔"

"میں اس تنظیم سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔ بس میں الگ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ شاید شریف آدمیوں کی طرح....."

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ لڑکے! آجاؤ....."

"نہیں نک! سوری۔" اس نے فون بند کر دیا اور باہر آکر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

گھر پہنچا تو دروازے پر ڈولی کا پیغام موجود تھا۔ "ٹھیک ہے' چوہے! میں واپس کیلی فورنیا جا رہی ہوں' ڈیوڈ کے ساتھ۔ خدا حافظ..... بے وفا بدمعاش۔"

اس نے دکھ سے سوچا۔ ڈولی بھی اسے چھوڑ گئی۔ تنظیم کو اس نے خود لات مار دی۔ وہ کہاں جائے؟ کیا کرے؟" وہ بوتل لے کر صوفے پر آگرا۔

بوبی!..... نہ جانے کیوں اسے بوبی یاد آ گئی۔ اچھی لڑکی تھی۔ اچھا ہوا اس گندگی سے نکل گئی۔ وہ جہاں رہے' خوش رہے۔

وہ چوتھا گلاس پی رہا تھا۔

ریمنڈ ایلن..... اس نے اپنے بارے میں سوچا۔ نہ کوئی منزل تھی اور نہ ہی کوئی ٹھکانہ۔ نہ کوئی سہارا..... ماں..... اسے اپنی ماں یاد آگئی اور اس کا منہ یوں بن گیا جیسے کڑوی گولی نگلی ہو۔ اس ماں نے اسے کیا دیا تھا؟ یہ وہی عورت ہے' جس نے اسے چور' اچکوں' بدمعاشوں اور خونیوں کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ اس کا وجود تو نہ ہونے کے برابر تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو.....!"

"ایلن..... ایلن بیٹے۔" یہ اس کی ماں تھی..... بے تاب اور ممتا بھری آواز.....

ایلن کی آنکھیں نم ہوگئیں مگر اس نے فوراً سر جھٹک دیا۔ "کیا بات ہے ماں۔ تم مجھے کیوں پریشان کرتی ہو۔ میں تم سے تنگ آگیا ہوں اور اب میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے....."

"ایلن..... ایک بار..... صرف ایک بار..... میرے پاس آجاؤ۔ دیکھو میں تمہاری پسندیدہ چیزیں پکائی ہیں پھر چلے جانا' ایلن۔"

"آرہا ہوں' ماں۔" اس نے بے دلی سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ حرج بھی کیا تھا۔ جا ہی رہا ہے تو ماں سے ملتا چلے۔ بہرحال' وہ اس کی ماں تھی۔

کال بیل کا بٹن دبا کر وہ دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا پھر اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ "بوبی....."

"ہاں ایلن....." اس کے یاقوتی ہونٹوں پر بڑی مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ جوش و مسرت سے اس کے رخسار پر گلاب سے دہک رہے تھے۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کا سادہ سا لباس پہن رکھا تھا اور مجسم بہار نظر آرہی تھی۔" میں نے سوچا تھا ایلن....." وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ "شاید تم آجاؤ۔"

"ہاں بوبی....." اس کی آواز میں خمار ہی خمار تھا۔ لگتا تھا' جیسے کچھ دیر پہلے اس نے جو شراب پی تھی' اس کا نشہ اب چڑھ رہا ہو۔ ایلن نے اندر کی طرف نگاہ دوڑائی۔ بوبی کے پیچھے اس کی ماں کھڑی تھی اور اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ممتا کی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ ایلن نے اپنی ماں کا اس قدر حسین روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "ماں....." وہ اس کی طرف بڑھا۔

مسز فریڈ نے اپنی آغوش وا کر دی۔ "ایلن..... میرے بیٹے!" وہ سسک پڑی۔

"میں تمہیں واقعی بڑا آدمی دیکھنا چاہتی تھی مگر یہاں تو یہی کچھ تھا۔ بوبی بہت اچھی لڑکی ہے۔ تم اس کے ساتھ کہیں اور چلے جاؤ..... کسی دور دراز ملک میں..... میں نے تمہاری پسند کے کھانے پیک کر دیے ہیں۔ بوبی کے پاس دو ٹکٹ ہیں۔ یہ تم سے محبت کرتی ہے۔ اسے اچھی طرح رکھنا۔ شرافت میں اپنا نام پیدا کر لو جو مجھے ایک خط لکھ دینا۔ تاکہ میں بھی سکون سے مر سکوں۔"

"ماں....." وہ بھی سسک پڑا۔

"ایلن بیٹے۔ اب جاؤ..... بوبی کا سامان ائرپورٹ پر ہے' کہیں ریکٹ کے لوگ یا پولیس والے پر تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کر دیں۔"

ایلن نے اپنے بازو پر ایک ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ "آؤ ایلن..... چلیں۔" بوبی نے دھیرے سے کہا۔

"ماں....." اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

"خدا حافظ بیٹے۔ بوبی..... ایلن کا خیال رکھنا۔"

ایلن نے جھک کر اٹیچی کیس اٹھایا اور ماں پر آخری نظر ڈالتا ہوا دروازے سے باہر آگیا۔

مسز فریڈ نے دروازہ بند کرکے اس سے پیٹھ لگا دی..... وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح رو رہی تھی جیسے کسی موہوم سی امید کو اس قدر کامیابیوں سے سرفراز دیکھ کر اس سے خوشی برداشت نہ ہو رہی ہو۔

باہر کار کے انجن کا شور آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔

شیطانوں کی جنت

مراکش ایکسپریس کے ڈبے سے کیری ایک عربی گھوڑے کو دیکھ کر چونک پڑی۔ صحرائی سورج کی سنہری کرنوں میں گھوڑا اور اس کا سوار ٹرین سے ایک دھندلے خاکے کی طرح نظر آرہے تھے۔ اس نے اپنے شوہر کو ٹھوکا دیا۔ "کیوں باب..... یہ کس قبیلے کا آدمی ہے؟"

"معلوم نہیں....." باب نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "شاید کوئی بربر ہو۔"

"دیکھنے میں کتنا وجیہہ اور شان دار ہے؟" کیری نے گھوڑا سوار کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مراکش صرف بیس میل دور رہ گیا تھا۔ ان کی شادی تین روز پہلے ہوئی تھی اور اب وہ مراکش جا رہی تھی جہاں اس کے شوہر کو ایک اہم عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔

باب نے جواب نہیں دیا۔ وہ بھی گھوڑا سوار ہی کی طرف متوجہ تھا جو سیلوٹ کے انداز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا اور تین طرف سے ان گنت گھوڑ سوار اس کی طرف بڑھ رہے تھے یہ ایسا دلکش منظر تھا کہ کیری خوشی سے کھل اٹھی۔ "باب..... یہ کوئی تماشہ ہو رہا ہے یا تم نے میری تفریح کے لئے ان لوگوں کو پہلے سے دعوت دے دی تھی؟"

وہ اب بھی خاموش رہا۔ اسے معلوم تھا کہ سواروں کا یہ اجتماع کسی طوفان کا بھی پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بدترین خدشات کا جلد ہی اظہار ہو گیا۔ اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ گاڑی نے زبردست ہچکولا کھایا۔ مسافر اور سامان ایک دوسرے پر گر پڑے۔ ایک دم شور ہوا لیکن فوراً ہی دوسرا دھماکہ ان آوازوں پر غالب آگیا۔ گاڑی کے گویا پرخچے اڑ گئے تھے۔ انسانی جسم ڈبوں سے اڑتے ہوئے دونوں طرف ریت پر گر رہے تھے۔ قیامت کا سماں تھا۔ دل دہلا دینے والی چیخوں' ڈبوں کے ٹوٹنے کی آوازوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے صحرا کا ذرہ ذرہ کانپ رہا تھا۔ دھوئیں اور ریت کے بادل ہر طرف اڑ رہے تھے۔

باب نے ٹوٹے ہوئے شیشے کی کرچیوں سے خود کو اٹھایا اور اپنی نئی نویلی دلہن کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر موجود تھی اور اسے کوئی نقصان نہیں

پہنچا تھا۔ دونوں اپنے ڈبے میں ہی گرے تھے۔ اس نے جلدی سے کیری کو سنبھالا اور الٹے ہوئے ڈبے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ باہر آکر دونوں ریلوے لائن پر بیٹھ گئے۔ چاروں طرف سے کربناک آہ و بکا کی آوازیں آرہی تھیں گھوڑے تیزی سے گاڑی کی طرف دوڑ رہے تھے۔ جن لوگوں نے گاڑی کے حادثے سے خود کو سنبھال لیا تھا۔ ان کے چہرے گھوڑ سواروں کو دیکھ کر زرد ہو رہے تھے۔

چند لمحوں میں گھوڑ سواروں نے ان کو نرغے میں لے لیا۔

"باب! یہ کیا ہو رہا ہے باب؟" کیری نے دہشت سے کانپتے ہوئے کہا۔

"جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" باب نے اسے تسلی دی۔

گھوڑ سواروں کا سردار سرخ لبادے میں تھا۔ اس نے مسافروں پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس طرف بڑھا۔ جہاں باب اور کیری بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے بالکل سامنے گھوڑے روکے اور کیری کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ کیری خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس نے مضبوطی سے اپنے شوہر کا بازو پکڑ لیا۔ اس کی نگاہ سردار کی انگلی سے پھسلتی ہوئی چہرے پر آئی تو جسم کا رواں رواں پسینے میں ڈوب گیا۔ کیری اخباروں میں اس کی تصویر دیکھ چکی تھی۔ وہ کاکنان تانگ تھا۔ دنیا کا سفاک ترین آدمی! اس کے بال سیاہ تھے' رخساروں کی ہڈیاں نمایاں تھیں۔ ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ اور آنکھوں میں خونخوار چمک تھی۔ سیاہ آنکھیں بالکل سانپ کی آنکھوں کی طرح خوفناک اور چمک دار تھیں۔

کاکنان کا اشارہ پاتے ہی چار سوار گھوڑوں سے کود کر ان کی طرف بڑھے۔ پہلے اور دوسرے سوار کے منہ پر باب کی پے در پے ٹھوکریں پڑیں اور وہ ریت پر لوٹنے لگے۔ تیسرا بڑی پھرتی سے آگے بڑھا لیکن باب نے ایک قدم ہٹ کر لائینگ کک ماری۔ ایک کریہہ چیخ اس کے حلق سے نکلی اور وہ گھوڑے کی ٹانگوں میں جا گرا۔ گھوڑا بدک گیا اور اسے روندتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔

اس سے پہلے کہ چوتھا سوار آگے بڑھتا کاکنان کی خوف ناک غراہٹ سنائی دی۔ باب رک گیا اور اس نے تینوں گرے ہوئے سواروں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اٹھتے اٹھتے انہوں نے ریوالور نکال لئے لیکن فائرنگ سے پہلے ہی ان کی لاشیں تڑپتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ کاکنان کے ریوالور کی نال سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"بزدلوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔" اس نے باب سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں دیکھ چکا ہوں کہ تم ایک اچھے فائٹر ہو۔"

"تم کون ہو؟" باب غرایا۔ "اور کیا چاہتے ہو؟"
کاکنان کا قہقہہ بہت بھیانک تھا۔ کراہتے ہوئے مسافر بھی خاموش ہو گئے جیسے اپنے زخموں کا انہیں ہوش ہی نہ رہا ہو۔ کاکنان نے کیری کی طرف اشارہ کیا۔ "اب یہ ہماری ہے۔ تمہاری زندگی یا موت سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔"
"باب!" کیری نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اس کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ اس بھیڑیئے سے درخواست کروں گی کہ بے گناہ لوگوں کے خون سے ہولی نہ کھیلے۔"

"تم خاموش رہو۔" باب نے پلٹ کر ناخوشگوار لہجے میں کیری کو ڈانٹا۔ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیل رہی تھی۔ اس نے گہری نگاہ سے کاکنان کی طرف دیکھا اور سمجھ گیا کہ اس شخص سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے نرمی سے کیری کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور کاکنان کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں اس کے لئے تم سے جنگ کروں گا۔"

کاکنان کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ ابھی کھلکھلا کر ہنس پڑے گا۔ مگر وہ پتھر جیسی بے رحم آنکھوں سے باب کو گھورتا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"تم ایک سو گھوڑ سواروں کے دستے کے بہادر سوار ہو۔" باب نے دوبارہ کہا۔ "کیا ان کے بغیر بھی بہادری کا دعویٰ کر سکتے ہو؟"
یہ الفاظ کاکنان کے لئے گالی سے کم نہیں تھے۔ اس نے غصے اور نفرت کے ساتھ زمین پر تھوک کر کہا۔ "مجھے چیلنج کرکے تم حماقت کر رہے ہو..... لیکن۔" اس نے اپنے سواروں پر طائرانہ نگاہ ڈالی۔ "میرے ساتھیوں کو بہت دنوں سے محظوظ ہونے کا موقع نہیں ملا ہے۔ میں ان کی تفریح کے لئے تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں۔ تم خوش نصیب ہو کر تمہاری موت ایک بادشاہ کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔"
اس سے پہلے کہ کیری باب کو پکڑتی' اس نے پیار سے کیری کا ہاتھ دبایا اور میدان میں کود گیا۔ "میں تمہارے اس وعدے کو دستے کے تمام آدمیوں کا وعدہ سمجھ کر یقین کر رہا ہوں۔" باب نے کہا۔ "اگر میں جیت گیا تو مجھے اور ٹرین کے باقی تمام مسافروں کو چھوڑ دیا جائے گا۔"
کاکنان نے تمکنت سے کہا۔ "یقیناً..... ایسا ہی ہو گا۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا صحرا کا سینہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے لرزنے لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے کر ایک وسیع دائرہ بنا لیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

صرف جلتی ہوئی لکڑیوں کے تڑخنے یا زخمیوں کی مدھم کراہوں کی آوازیں کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھیں۔
باب کی پہلی کوشش جوڈو کے معمولی سائڈ سٹیپ کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ وہ اپنے ہی زور میں لڑکھڑاتا ہوا ریت پر گر گیا۔ ماحول گھوڑ سواروں کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ باب نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی لیکن اس وقت تک کاکنان بھی چوکنا ہو چکا تھا۔ اس کے جوتے کی آہنی چونچ نے باب کے رخسار پر گہری خراش ڈال دی تھی۔ کیری کی چیخ کاکنان کی دوسری ٹھوکر کے ساتھ ہی بلند ہوئی اور باب کے دوسرے رخسار پر بھی خون کی لکیر نظر آنے لگی۔ ایک سو گھوڑ سوار کھلکھلا کر ایک ساتھ ہنس پڑے تھے۔
باب باکسر تھا لیکن کاکنان نے اس کے ہر حملے کو ناکام بنا دیا۔ اس کا بایاں ہک فوج میں کئی آدمیوں کو زمین دکھا چکا تھا لیکن اب تک وہ کاکنان کو چھو بھی نہیں سکا تھا۔ کیری کی چیخیں مسلسل بڑھتی جا رہی تھیں۔

کنگ نے تراشے کو بغور پڑھا اور نگاہ اٹھا کر کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ گاڑی کے اس حادثے میں ریڈ سرکل کا ہاتھ ہے؟"
"ہاں..... سو فیصد یہ اسی کا کام ہے۔ اس حادثے میں کاکنان تانگ کی موجودگی بھی ثابت ہو گئی ہے۔"
"کاکنان..... اور یہاں مراکش میں؟" کنگ اچھل پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ جو تار اسے بھیجا گیا تھا' وہ بے حد اہم تھا۔ لیکن یہ امید نہیں تھی کہ جس آدمی کی تلاش میں اس نے رات دن ایک کر دیئے تھے' وہ یہاں مراکش میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کئے ہو گا۔
"گاڑی کے حادثے میں جو چند افراد زندہ بچے تھے۔" نائب سفیر نے بتایا۔ "ان میں ایک عرب نوجوان بھی تھا۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود صرف اسی لڑکے کے حواس بجا تھے دوسروں کی حالت بہت نازک تھی۔ مرنے سے پہلے اس نے کاکنان کا پورا حلیہ مجھے بتایا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ کاکنان بربر قاتلوں کا سرغنہ بن چکا ہے۔ ریڈر سرکل کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے پہاڑی قبائل پر مشتمل ہے' جو فرانسیسیوں کے وجود کو برداشت نہیں کرتے' ممکن ہے کہ وہ بھی کاکنان کے ساتھ مل گئے ہوں۔ وہ ایک صدی سے برسرپیکار ہیں اور ان کا مؤقف ہے کہ جب تک انہیں آزادی نہیں مل جاتی' جنگ جاری رہے گی۔"
کنگ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ان قبائل کو لیڈر شپ میسر نہیں تھی۔ اس لئے ان کو جنگ میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کاکنان جیسے آدمی نے جب لیڈر شپ قبول کی ہو گی تو ان کے حوصلے بہت زیادہ بڑھ گئے ہوں گے۔ اب تک بربر قبائل اور حکومت میں فیصلہ کن جنگ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سب قبیلے سلطان مراکش کے وفادار تھے لیکن اگر ان کی وفاداری واقعی کاکنان کی طرف منتقل ہو چکی ہے تو عرب اور یورپ دونوں کے لئے انتہائی بھیانک ثابت ہو گی۔"

"میں کاکنان کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ وہ سلطان کو بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے گا۔ ہمیں چاہئے کہ جلد از جلد اسے قابو میں کرکے اس کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیں۔"

"ہاں..... وہ انتہائی کامیابی سے پہلا وار کر چکا ہے۔" نائب سفیر نے کہا۔ "وہ جس لڑکی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ میری بیٹی کیری ہے اور جو نوجوان کاکنان کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے وہ....." نائب سفیر کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ "ان کی شادی کو صرف تین دن ہوئے تھے اور وہ ہنی مون منانے..... مراکش..... اس کا باقی جملہ سیکوں کی نظر ہو گیا۔ چند لمحوں بعد بولا۔ "اس اخبار میں ایک اطلاع نہیں ہے۔" نائب سفیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "جس روز حادثہ ہوا تھا' اس کے دوسرے روز مجھے ڈاک سے ایک پیغام ملا تھا۔" اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر کنگ کی طرف بڑھا دیا۔ کنگ نے آواز کے ساتھ پڑھا۔

"غیر ملکی شیطان! اگر تم اپنی بیٹی کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو پانچ لاکھ فرانک جمعہ کی شام تک کاسابلانکا کے بلیک پیرٹ میں بھجوا دو اور اپنی منحوس صورت لے کر مراکش سے نکل جاؤ....."

"استقلال"

"لفافے میں اس پیغام کے ساتھ یہ لٹ بھی تھی۔" نائب سفیر نے سنہرے بالوں کا ایک گچھا کنگ کو دکھایا۔

کنگ بولا۔ "اگر اس خط اور لٹ کو بھیجنے والا کاکنان ہے تو وہ لڑکی کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں مانے گا' چاہے تم اسے رقم بھیجو' چاہے نہ بھیجو..... مگر "استقلال" کیا ہے؟

"ایک انقلابی جماعت ہے جس نے 1943ء سے فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کر رکھا ہے۔ اس تنظیم میں میرے کچھ جاننے والے بھی شامل ہیں۔ غالباً کاکنان نے اس جماعت کے چند آدمیوں کی حمایت بھی حاصل کر لی ہے..... اس

تنظیم نے ہمیشہ بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا ہے۔ لیکن کاکنان۔"

"داف..... وہ آدمی نہیں درندہ ہے..... اور درندہ بھی ایسا جو پاگل ہو چکا ہے۔" لڑکی نے جھرجھری لے کر کہا۔

"آج منگل ہے۔" مور بولا۔ "اور جمعہ آنے میں تین دن باقی ہیں۔ ہمارے مہمان نائب سفیر انتظار کرنے پر بخوشی آمادہ ہیں۔ یہ جمعہ تک رقم نہیں بھیجیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بیٹی کو زر تاوان ادا کیئے بغیر واپس لانے کے لئے تین دن کا عرصہ کم نہیں۔ اس سلسلے میں ہم ایک لاکھ فرانک تک خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر ہم مقررہ مدت میں کامیاب نہیں ہوئے تو نائب سفیر اس بات کے مجاز ہوں گے کہ رقم ادا کر دیں تاکہ لڑکی واپس مل جائے۔ بعد میں ہم تاوان کی ادا شدہ رقم حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کر سکتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم ریڈ سرکل کے ہاتھوں میں ہرگز نہیں جانی چاہئے۔ اس سے وہ سب کے سب مسلح ہو سکتے ہیں۔ جب کہ میں نہیں چاہتا کہ ایک تخریبی گروہ کو طاقت حاصل ہو۔"

"کام کا آغاز کہاں سے کیا جائے گا؟" کنگ نے پوچھا۔

"بلیک پیرٹ سے! یہ کاسابلانکا کا ایک شراب خانہ ہے' جسے شیلے نامی ایک بدنام آدمی چلا رہا ہے۔ اگر مراکش میں کسی کو یہ علم ہو کہ کاکنان کہاں ہے تو وہ یہی شخص ہو سکتا ہے۔" مور نے بتایا۔ "شمالی افریقہ کے صرف نصف درجن آدمیوں کو علم ہے کہ بلیک پیرٹ تک کس طرح پہنچا جا سکتا ہے! حتیٰ کہ ہمارے مہمان نائب سفیر بھی راستے سے واقف نہیں ہیں۔" پھر اس نے لڑکی کی طرف اپنا چہرہ گھمایا۔ "کاکنان کا خیال ہے کہ سن لی مر چکی ہے' اس لئے یہ یہیں محفوظ رہے گی۔"

کنگ نے سن لی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی نیم وا آنکھوں سے اسی کی طرف متوجہ تھی۔ کچھ دیر بعد سن لی کے ہونٹ متحرک ہوئے اور سریلی آواز کنگ کے کانوں سے ٹکرائی۔ "تم میرے پاس واپس آؤ گے نا....."

کنگ نے اثبات میں سر ہلا کر نائب سفیر کی طرف دیکھا۔ دو روز پہلے یہی نائب سفیر مراکش کا ایک معزز اہم آدمی تھا لیکن آج وہ ایک مایوس اور دل شکستہ باپ تھا جو مور کی عظیم بلو سرکل کے پاس مدد کی درخواست لے کر آیا تھا۔

مور خفیہ دروازے کی طرف گھوم گیا۔ "ہم اندھیرا پھیلتے ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"موسیو پال..... موسیو پال!" عرب لڑکے کی چیخیں سن کر ڈیوائس پال چونک پڑا۔

اس کا نو عمر نائب ریت پر لڑکھڑاتا اور اسے بھیانک آواز میں پکارتا ہوا آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اچھل کر کھڑا ہوا اور لڑکے کی طرف دوڑ پڑا۔ ایک چھوٹا سا طیارہ شام کے جھٹپٹے میں قریب ہی کھڑا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت پال سوچ رہا تھا کہ لڑکا تنہا کیوں ہے؟ آخر مور اس کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟ سورج غروب ہونے میں صرف بیس منٹ رہ گئے تھے اور اندھیرا ہونے کے بعد انہیں پرواز میں دشواری بھی پیش آسکتی تھی۔

"حاکم! کیا بات ہے؟" اس نے ہانپتے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔

"موسیو پال!" لڑکا بری طرح کانپ رہا تھا۔ پال نے دیکھا کہ لڑکے کے ساتھ ساتھ ریت پر خون کی ایک لکیر کھنچتی چلی آئی ہے۔ اس کا لبادہ بھی خون سے تربتر تھا۔ جونہی وہ پال کے قریب پہنچا' اس کی ٹانگوں نے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا اور وہ اس کے قریب ہی گر گیا۔

طویل القامت پال نے لڑکے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور تیزی سے اس چھپر کی طرف بڑھا جس کے نیچے تھوڑی دیر پہلے وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلی لڑکے کی ٹانگ کے زخم پر جمادی تھی' تاکہ اخراج خون کم سے کم ہو۔

"اوہ! میرے خدا!..... تمہیں کیا ہوا حاکم؟"

"موسیو پال!..... وہ تعداد میں تین تھے۔ انہوں نے مار مار کر میری ٹانگ توڑ دی۔ میں بڑی مشکل سے لنگڑاتا ہوا یہاں تک پہنچ سکا ہوں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر میں نے ان کو طیارے کی خفیہ جگہ کے بارے میں نہیں بتایا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے اور....."

لڑکا دوبارہ کانپنے لگا۔ پال نے اسے چارپائی پر لٹا دیا اور فرسٹ ایڈ ڈبے سے پٹیاں نکالنے لگا۔ ٹانگ کی ہڈی بٹھاتے وقت لڑکا ذبح ہوتے ہوئے مویشی کی طرح چیخ اٹھا۔

"تم ان کے نرغے سے کس طرح نکلے؟" پال نے پوچھا۔

"ایک بہت لمبا سیاہ آدمی اور ایک نوجوان آکر ان تینوں سے لڑنے لگے۔ میں نے موقعہ غنیمت جانا اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔"

بہت خوب! پال سوچنے لگا کہ اگر مور نے اس کے نائب کو غنڈوں سے نجات دلائی ہے تو وہ زیادہ دور نہیں ہوگا۔ اس نے لڑکے کی طرف دیکھا جس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"موسیو پال! میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔" وہ جلدی سے بولا۔

"میں جانتا ہوں حاکم! تم ایک وفادار لڑکے ہو۔"

ابھی وہ مرہم پٹی سے فارغ ہی ہوا تھا کہ مور اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ وہاں پر پہنچ گیا۔

پال نے مور سے دریافت کیا۔ "تم لوگ کہاں رک گئے تھے؟"

"تھوڑی دیر کے لئے ہم منظر کی دلکشی میں کھو گئے تھے۔" مور نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ہماری ذرا سی غفلت سے لڑکا زخمی ہو گیا..... لیکن اب وہ لوگ کئی سال تک کسی لڑکے کو زدوکوب نہیں کرسکیں گے۔ میں نے تینوں کی ہڈیاں پسلیاں ایک کردی ہیں۔"

"یہ تو تم لوگوں نے بہت ہی اچھا کیا۔" پال نے ہنس کر کہا۔

"ان تینوں کے بارے میں ان کے ساتھیوں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا اور میرا خیال ہے کہ ان کے متعدد ہمدرد کچھ دیر بعد یہاں انتقام لینے پہنچ جائیں گے۔ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ صرف پانچ منٹ کی مہلت ہے۔ کیا ہم اس سے استفادہ کرسکتے ہیں۔"

"یقیناً اس عرصہ میں ہم یہاں سے اڑ نکلنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔" پال نے مور کے پہلو میں کھڑے ہوئے نیلے لباس والے پرسکون نوجوان سے اپنا تعارف کرایا۔ "میں پائلٹ ہوں اور میرا نام ڈیواکس پال ہے۔ یہ میرا نائب ہے اور اسے حاکم کہا جاتا ہے۔"

"فائی کنگ!" نوجوان نے مسکرا کر اپنا نام بتایا۔ "میں تمہارے نائب کو اٹھائے لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے زخمی لڑکے کو گود میں اٹھا لیا اور وہ سب تیزی سے طیارے کی طرف بڑھنے لگے۔

پال نے پوچھا۔ "حاکم کو روکنے کی کوشش کرنے والے کون تھے؟"

مور نے کندھے اچکائے۔ "مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم کہ وہ کنگ فوفائٹر تھے۔ ریڈ سرکل کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں اور مقامی شہدے بھی جو اس قسم کی حرکتیں کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔"

جہاز کے قریب پہنچ کر کنگ نے بے ہوش عرب کو مور کی بانہوں میں دے دیا اور خود بھی اوپر بیٹھ گیا۔ ابھی وہ سیٹ پر بیٹھا ہی تھا کہ پال کا نعرہ سنائی دیا۔ "لو..... وہ بھی آگئے۔" اس کے ساتھ ہی طیارے کا انجن گرج کر بیدار ہوا۔ اس نے جلدی سے طیارے کی سمت بدلی اور اسے ساحل کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ ریت کے دھواں دار بادل طیارے کی پشت پر چھا گئے۔

معاً" ایک ہیلی کاپٹر اس سے تقریباً آٹھ سوگز کے فاصلے پر نمودار ہوا۔ یہ ایک جنگی کاپٹر تھا۔ کنگ نے اندازہ لگایا کہ ہیلی کاپٹر تیس سیکنڈ میں ان کے نزدیک پہنچ جائے گا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ خدا جانے پال کیسا پائلٹ ہے اور وہ اس مصیبت سے نجات حاصل بھی کر سکے گا یا نہیں۔

اچانک پال نے طیارے کو زمین سے فضا میں بلند کر لیا۔ اسی لمحے کاپٹر سے گولیاں چلنا شروع ہو گئیں۔ پال نے چلا کر اپنے ساتھیوں سے جھک جانے کے لئے کہا۔ کنگ کے سر سے تقریباً چھ انچ بلندی سے گولیوں کی پوری باڑھ گزر گئی۔ پال نے بڑی مہارت سے طیارے کو موڑا اور گولیوں کی زد سے باہر نکال کر اسے فضا میں بلند کرنے لگا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے ایک گن کنگ کی طرف بڑھائی۔ "ہے تو بہت پرانی، لیکن تم چاہو تو اس بوڑھی مشین کا کمال دیکھ سکتے ہو۔"

کاپٹر تیزی سے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ مگر پال آسمان پر تیرتے ہوئے سیاہ بادلوں میں بار بار طیارے کو ادھر ادھر موڑ رہا تھا تاکہ وہ لوگ کاپٹر کی گولیوں سے محفوظ رہیں۔ کاپٹر بھی بادلوں تک پہنچ چکا تھا۔ دو گولیاں طیارے کی کھڑکی سے ٹکرائیں۔ پائلٹ تیزی سے نیچے جھک گیا ورنہ اس کی کھوپڑی کے ٹکڑے اڑ گئے ہوتے۔ اس نے کپڑے کا ایک بنڈل مور کی طرف پھینکا۔ اس کا اشارہ سمجھ کر مور نے کسی خاص تیل میں بھیگے ہوئے اس بنڈل کو آگ لگا کر ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال دیا اور گاڑھا دھواں عقب میں پھیلنے لگا۔

"موسیو کنگ!..... فائرنگ کے لئے تیار ہو، جیسے ہی میں اشارہ کروں۔ فائر کھول دینا۔" پال نے کہا۔ اس نے جہاز کو جھکایا۔ ایک سو بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طیارہ پانی کی طرف اترنے لگا۔ کاپٹر کا پائلٹ گاڑھے دھوئیں سے بچنے کے لئے کاپٹر کو ادھر ادھر گھما رہا تھا۔ کاپٹر کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ بھی برابر نیچے آ رہا تھا۔

پانی کی سطح جب صرف بیس فٹ رہ گئی تو پال نے کمال مہارت سے طیارے کو سیدھا کیا اور یہی وہ لمحہ تھا جس کا کنگ کو انتظار تھا۔ اس نے جیسے ہی کاپٹر کو زد میں دیکھا مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی۔ کاپٹر کا پورا عملہ شاید اس غلط فہمی میں تھا کہ طیارہ غیر مسلح ہے۔ وہ اس وجہ سے قریب تر پہنچ گیا تھا۔ پائلٹ نے بہت کوشش کی لیکن وہ کاپٹر کو فوری طور پر گولیوں کی زد سے باہر نہ نکال سکا۔ اس کا ہاؤزنگ ٹوٹ گیا اور بڑا پنکھا بے ڈھنگے انداز سے اٹک اٹک کر گھومنے لگا۔

کاپٹر پوری طرح تباہ نہیں ہوا تھا۔ پائلٹ ایک بار پھر گولیاں برسانے لگا

تھا۔ سنسناتی ہوئی گولیاں طیارے کے چاروں طرف سے گزر رہی تھیں۔

"بہتر ہو گا کہ اس سے نمٹ لو۔" مور چیخا۔ "ورنہ ہم شارک مچھلیوں کی خوراک بن جائیں گے۔"

"موسیو! مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس مسلح کاپٹر سے راکٹ نہ پھینک دیا جائے۔" پال نے کہا۔

"اوہ..... کیا ایسا ممکن ہے؟"

"ہاں....." پال نے کہا اور ایک بار پھر بحیرہ روم کی سطح سے طیارے کو بلند کرنے لگا۔ گولیوں سے طیارے کے کسی حصے کو نقصان پہنچا تھا۔ انجن بری طرح گرجتا ہوا شور مچا رہا تھا۔

"جب میں ضرورت محسوس کروں تو کیا تم جہاز کی رفتار بڑھا سکتے ہو؟" کنگ نے کہا۔

"یقیناً موسیو..... جب تم کہو۔"

کنگ نے اثبات میں سر ہلایا اور بڑھتے ہوئے جوش پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اب جہاز اور ہیلی کاپٹر میں صرف پچاس گز کا فاصلہ تھا اور اسے ہیلی کاپٹر کے عملے کی سرد آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ صورت حال کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے اس حصے کی طرف دیکھا۔ جہاں سے راکٹ چھوٹنے والا تھا۔ پال نے اس کی ہدایت کے مطابق رفتار کافی کم کر دی تھی اور اس کے اشارے پر رفتار بڑھانے کے لئے مستعد تھا۔ کاپٹر اب ایک بار پھر قریب تر آنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ راکٹ کا نشانہ خطا نہ کر جائے۔

"اپنے طیارے کو بچانا تمہارا کام ہے۔" کنگ نے کہا۔ "رفتار..... بڑھا دو۔"

پال نے تھروٹل کو پورا گھما دیا۔ طیارہ بوڑھے شیر کی طرح گرجا اور ایک شدید جھٹکا لگا۔ کنگ نے کاپٹر سے راکٹ چھوٹتے دیکھ لیا تھا۔ راکٹ ابھی کاپٹر سے نکل کر کچھ ہی آگے آیا تھا کہ اس نے مشین گن سے راکٹ کو نشانہ بنایا۔ راکٹ پھٹ گیا اور اسی لمحے کاپٹر اس کے قریب پہنچا۔ ممکن ہے کہ کاپٹر کے پائلٹ نے اسے بچانے کی کوشش کی ہو لیکن پال اور اس کے ساتھیوں کو شراروں، شعلوں اور دھوئیں میں دوڑتی ہوئی چنگاریوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پال نے طیارے کی رفتار اس وقت کم کی جب اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ خطرے سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ کاپٹر میں موجود ریڈ سرکل کے چھ گرگوں اور

قیمتی مسلح کاپٹر کی تباہی سے مور بہت خوش تھا۔ پال جوش سے چیخ رہا تھا۔ "یہ لڑکا واقعی کام کر سکتا ہے ماسٹر!"

دو گھنٹے بعد پال اور اس کا نائب انہیں چھوڑ کر واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔

بلو سرکل کے دونوں ماسٹر فائٹر ایک گلی میں خاموش کھڑے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اب تک کئی آدمیوں سے مطلوبہ شراب خانے کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی ان کی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ ہر آدمی اجنبی نگاہ سے انہیں دیکھ کر آگے بڑھ جاتا تھا یا پھر انہیں کڑے تیوروں سے گھورنے لگتا تھا۔

کنگ نے تنگ آکر لوگوں سے پوچھنا ترک کر دیا۔ وہ حیران تھا کہ آخر اس شراب خانے تک کیسے پہنچیں گے۔

اچانک مور کی نگاہ ایک بوڑھے شرابی پر جم گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مور نے کنگ کو ٹہوکا دیا اور دونوں ہی آگے بڑھے۔

"فادر!" مور نے نرمی سے بوڑھے کو مخاطب کیا۔

"فادر.....؟" بوڑھے شرابی نے چونک کر کہا۔ "اس شہر میں مجھے فادر کہہ کر کون پکار رہا ہے؟ میں تو ایک عرصے سے کسی کا فادر نہیں ہوں۔" اس نے نشے سے بوجھل پلکیں اٹھائیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں کی طرف دیکھا۔ "اوہ' تم اجنبی ہو' خیر میں اجنبیوں کے لئے واقعی فادر ہو سکتا ہوں' میرے بچو! بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

"ہمیں کچھ معلومات درکار ہیں۔" مور نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... لیکن معلومات حاصل کرنے کے لئے کسی کو فادر بنا لینا کافی نہیں۔"

"ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں فادر؟"

"وہی جو کمانے والے بچے کرتے ہیں' کیا تم ایک چمچہ بھر شراب کی رقم بھی نہیں دے سکتے؟"

مور نے چند سکے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے جنہیں جیب میں ڈالنے کے بعد شرابی نے کہا۔ "پوچھو؟ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"ہم مسٹر شیلے کے شراب خانے میں جانا چاہتے ہیں۔"

"ضرور جاؤ..... تمہیں کون روک رہا ہے؟"

"مصیبت یہ ہے فادر کہ ہمیں راستہ معلوم نہیں۔" مور نے بے بسی کا اظہار کیا۔

"راستہ میں بتائے دیتا ہوں۔" بوڑھے شرابی نے کہا۔ "سیدھے چلے جاؤ' پھر دائیں..... نہیں شاید بائیں....." اس نے رک کر پیشانی پر ہاتھ پھیرا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر مور کے دیئے ہوئے سکے نکال کر غور سے دیکھے۔ "میں بھی حیران تھا کہ میری یادداشت کو یکایک کیا ہو گیا ہے۔"

مور نے کنکھیوں سے کنگ کی طرف دیکھا۔ کنگ کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ اس نے چند سکے مزید اس شرابی کی نذر کئے تو شرابی کی کھوئی ہوئی یادداشت فوراً ہی واپس آگئی۔ "ہاں..... دائیں طرف گھوم کر انتالیسویں گلی میں چلے جاؤ۔ تم اس شراب خانے کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے اور وہ لوگ بھی تمہیں ہرگز نظر انداز نہیں کریں گے۔ ایک بات غور سے سن لو' اس شراب خانے میں کوئی شخص بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتا' اگر کوئی کوشش کرے تو اس کی لاش ہی باہر آتی ہے۔"

مور اور کنگ نے نگاہوں کا تبادلہ کر کے بوڑھے شرابی کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئے۔

پانچ منٹ بعد وہ بلیک پیرٹ کے سامنے' دیوار کے سائے میں کھڑے اس کے نیون سائن کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شراب خانے کا دروازہ بند ہے اور باہر دو جسیم آدمی پہرے پر کھڑے ہیں۔ ان کی کمر کی پیٹیوں میں لمبے خنجر دور سے نظر آرہے تھے' انہیں اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا کہ پہرے دار اندر جانے سے روکیں گے۔

"میرا خیال ہے ان سے نرمی سے بات کرنا بے کار ہو گی۔"

مور نے اثبات میں سر ہلایا۔ "پھر کیا خیال ہے؟"

"ہمیں برداشت مداخلت والا اصول استعمال کرنا چاہئے۔"

مور نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں آگے بڑھنے لگے۔ سورج کو غروب ہوئے دو گھنٹے تھے اور ان کے پاس اب زیادہ وقت نہیں تھا جیسے ہی دونوں آدمیوں کی نگاہ ان پر پڑی ایک نے غرا کر دوسرے سے کچھ کہا اور پھر چیخ اٹھا۔

"جہاں ہو' وہیں رک جاؤ۔"

کنگ کی فلائنگ ہیل اس کے جبڑے پر پڑی اور وہ ٹوٹے ہوئے دانت اور خون دیوار اور فرش پر بکھیرتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ رات کی نیم تاریکی میں مور کا نیلا لبادہ

منتشر دکھائی دیا پھر اٹھی ہوئی ہوف کک نے نگراں کی پیشانی کو تاک لیا۔ کھوپڑی اس انداز میں چیتھڑے چیتھڑے ہو گئی۔ جیسے وہ ناریل جیسی کوئی شے تھی۔

اس کے بعد دونوں نے دروازے کو آزمایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے ڈریگن اسٹیمپ استعمال کئے لیکن دروازہ نہیں کھلا صرف کانپ کر رہ گیا۔ چار ایڑیاں ڈائنا میٹ جیسی قوت کے ساتھ دروازے سے ٹکرائی تھیں۔"

"میرا خیال ہے ایک کوشش اور کریں تو کافی رہے گی۔" مور نے کہا۔

دونوں پیچھے ہٹے اور ایک بار پھر ان کی ایڑیاں دروازے سے ٹکرائیں۔ دروازے کے دو تختے اکھڑ گئے۔ مور نے ہاتھ ڈال کر حفاظتی پٹی کو ہٹایا اور دروازے کو دھکیل کر کھول دیا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ اندر عجیب ماحول تھا۔ شراب خانے میں چرس کی بو اور سگریٹوں کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔

کمرے کے دور افتادہ حصے میں ایک جسیم آدمی تاش کے پتے میز پر پھیلا رہا تھا۔ اس نے سفید سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کی گنجی کھوپڑی بلب کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ ان دونوں پر پڑی وہ آہستہ آہستہ کرسی سے اٹھا اس کے اردگرد پھیلے ہوئے چند آدمیوں نے فوراً ہی ریوالور نکال لئے تھے لیکن گنجے نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کرتے ہوئے کہا۔" آؤ..... آگے آجاؤ..... میں تمہیں دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔"

اس کی آواز میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔ بلو سرکل کے دونوں ماسٹر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

"بیٹھ جاؤ۔" میکس شیلے نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا "نہیں شکریہ ہم کھڑے رہنا پسند کریں گے۔"

میکس شیلے نے کندھے اچکائے اور کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم دونوں مسٹر باب کے سلسلے میں آئے ہو۔ اس سے قطع نظر کہ تم نے میرے دو عزیز ساتھیوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔" اس نے دروازے سے باہر گلی میں پڑی ہوئی لاشوں کی طرف اشارہ کیا اور حقارت سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

کنگ اور مور لڑنے کا انداز اختیار کئے کھڑے تھے۔ انہوں نے کنکھیوں سے چاروں طرف دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ ان پر کس طرف سے حملہ ہو سکتا تھا۔

"تم تشدد پسند ہو لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ میں تو ایک سیدھا سادا کاروباری آدمی ہوں اور میرے کاروبار کا نام ہے دولت! مجھے صرف اسی ایک چیز

سے دلچسپی ہے۔ کیا ہمارے درمیان کوئی ایسا کاروباری معاملہ طے ہو سکتا ہے؟"

مور نے اثبات میں سرہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں تکلفات میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ وہ لڑکی جہاں ہے اس کے بارے میں مجھے علم ہے۔ میں تمہیں معلومات فراہم کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ اگر تم نے کوئی دھوکہ دینے کی کوشش کی تو لڑکی کا یہ اطمینان برقرار نہیں رہ سکتا۔ لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کے لئے دولت کی پرواہ کرنے والا آدمی نہیں ہے۔ وہ جمعہ کی شام غروب ہونے تک پانچ لاکھ فرانک یہاں پہنچا دے گا..... اور وہاں..... براہ کرم رقم کے بارے میں انکار نہ کرنا' میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس....." اس نے مور کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بڑی رقم کی ایک قسط موجود ہے۔ ایک لاکھ فرانک! اگر تم یہ رقم میرے حوالے کر دو تو میں تمہیں لڑکی کا پتہ بتا دوں گا۔ اس کے بعد کے معاملات کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔"

مور اور کنگ خاموشی سے اسے گھورتے رہے۔

"میں ایک جواری ہوں....." شیلے کہہ رہا تھا۔ "میں تشدد پسند نہیں کرتا' اس سے مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔"

اس نے عقبی پردے کی طرف معنی خیز اشارہ کیا۔ پردے کے پیچھے سے ایک مشین گن کی بھیانک نال دکھائی دینے لگی۔ "تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے..... اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ لڑنے کی بجائے جیب ہلکی کرو اور مجھ سے معلومات حاصل کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ اپنی توانائی کو محفوظ رکھو کیونکہ مستقبل قریب میں تمہیں اس چیز کی اشد ضرورت محسوس ہو گی۔" اس نے رقم وصول کرنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"پوری رقم کا انتظار کیوں نہیں کرتے؟ مور کی آواز میں الجھن تھی۔" اگر تمہارے ساتھیوں نے اس کام کے پانچ لاکھ فرانک مانگے ہیں تو تم صرف ایک لاکھ میں سودے بازی کیوں کر رہے ہو؟"

شیلے نے ایک طویل سانس لی اور پھیلا ہوا ہاتھ گرا دیا۔ "دراصل میں اس پرانے مقولے کا حامی ہوں۔ نو نقد نہ تیرہ ادھار۔ کیا تمہیں بھی یہ بات پسند ہے؟"

مور نے اثبات میں سرہلایا۔ اس نے اپنے لبادے سے ایک نیلا لفافہ نکال کر شیلے کی طرف بڑھا دیا۔ رقم دیتے ہی دونوں کے جسم تن گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اب شیلے انکار کر دے گا اور پھر شراب خانے میں ایک ہولناک جنگ شروع ہو جائے گی لیکن مور کو حیرت ہوئی کہ ایسا نہیں ہوا۔

"اس آدمی کا نام کیا ہے؟" مور نے دریافت کیا۔

"بونی میلال جاؤ اور عبداللہ کا نام پوچھ لینا۔"

کنگ اور مور خاموشی سے پلٹے اور شراب خانے سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد شراب خانے کے ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ سب معمول کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگ گئے' صرف چند آدمیوں کو لاشیں اٹھانے کی زحمت ہوئی تھی اور دو آدمیوں کو شراب خانے کے اندر نگرانی کرنے کے بجائے باہر مامور کر دیا گیا تھا۔

شیلے رقم کا لفافہ لئے کرسی سے اٹھا اور کمرے کے عقبی دروازے سے دوسرے کمرے میں پہنچا۔ یہ دفتر تھا۔ وہاں صوفے پر ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے شیلے کو گھور رہی تھی۔ شیلے نے اپنا بیلٹ کھولا تو اس نے بھوکی نگاہوں میں چمک دیکھی۔ لڑکی کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ شیلے بھوکے بھیڑیئے کی طرح اس کی طرف لپکا۔ "میری پیاری مسز باب!" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہر بات میرے منصوبے کے عین مطابق ہو رہی ہے۔"

"مجھے جو چیز الجھن میں ڈال رہی ہے وہ یہ ہے کہ....." مور نے کہا۔ "آخر اس کتے کے بچے نے ہمیں زندہ کیوں چھوڑ دیا ہے جب کہ وہ ہمیں آسانی سے ہلاک کر سکتا تھا۔"

وہ ایک کیفے میں پہنچے۔ وہاں سے مخبر فون کر کے اطلاع دی کہ ان کی اگلی منزل مقصود کون سی جگہ ہے۔ مور نے یہ کال اس عجیب شخصیت کو کی تھی جو اولڈبل کے نام سے مشہور تھا۔ فون کرنے کے بعد وہ سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ رات بھر سفر کرتے رہے۔ ابتدا میں انہوں نے ایک کرائے کا ٹرک اور بعد میں ایک طیارہ استعمال کیا۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ وہ صوبائی دارالحکومت بونی میلال پہنچ گئے۔

"مجھے رقم کے نقصان کی پرواہ نہیں۔" مور کہہ رہا تھا۔ "میں تو حیران ہوں کہ اسے ہماری آمد کا علم تھا' وہ مسلح حالت میں منتظر بھی تھا پھر اس نے معاملے کو ہمارے لئے اتنا آسان کیوں بنا دیا۔ بس یہی ایک بات مجھے مسلسل پریشان کر رہی ہے۔"

"ایک لاکھ فرانک....." کنگ نے یاد دہانی کرائی۔

"لیکن وہ اس سے زیادہ بھی طلب کر سکتا تھا۔" مور نے غور کرتے ہوئے کہا۔ "اس صورت حال سے صرف کاکنان کا نام سامنے آتا ہے۔ بہرحال' اگر شیلے

واقعی ریڈ سرکل اور کاکنان کو دھوکہ دے رہا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اسے کاکنان کی طرف سے کسی دھوکے کی توقع ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی دانست میں ہمارے ہاتھوں کاکنان کو قتل کروانا چاہتا ہے۔"

"ہاں..... یا پھر ہم اس کے ہاتھوں ختم ہو سکتے ہیں' اس طرح شیلے ایک لاکھ فرانک کے فائدے میں رہتا ہے۔"

صبح کی دھند میں بونی میلال کا شہر قبرستان کی مانند پراسرار نظر آ رہا تھا۔ وہ اس وقت خیموں کے پاس سے گزر رہے تھے جن کے باہر الاؤ روشن تھے۔ دونوں نے کئی گھنٹوں سے آرام نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ایک گھنٹے تک آرام کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک مطلوبہ مخبر اپنے بستر سے اٹھ سکتا تھا اور وہ اس سے رابطہ قائم کر سکتے تھے۔

وہ ایک گھنٹہ بعد اٹھے اور شہر کی طرف چل دیے۔ ابھی وہ پہلے مقام سے چند قدم دور تھے کہ انہیں ایک آدمی اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ ان کے قریب پہنچا۔ انہیں خوش آمدید کہا اور بتایا کہ بونی میلال کا سردار ان کو طلب کر رہا ہے۔ اس دعوت میں مور کو عیاری کی بو محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ اسے قبول کئے بغیر نہ رہ سکا۔

بونی میلال کی گلیوں سے گزرتے وقت کنگ حیران تھا کہ آخر اس شہر کے لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں! گلیاں سنسان تھیں اور کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف اسے اتنا احساس تھا کہ بند کھڑکیوں اور کواڑوں کی جھریوں سے کئی آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے حتیٰ کہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جس کے چاروں طرف پتھروں سے چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ ایک طرف فوارہ تھا اور ان کے سامنے نصف دائرے کی صورت میں سات آدمی کھڑے ہوئے تھے جن کے کڑے تیوروں سے ان کے ارادے ظاہر تھے۔

اس میدانی جگہ سے وہ کھڑکیاں بہ آسانی نظر آ رہی تھیں جن سے عورتوں' مردوں اور بچوں کے چہرے جھانک رہے تھے۔ کنگ کی نگاہ اس دروازے پر جم گئی جہاں ایک جسیم آدمی کھڑا تھا۔ اس آدمی کے دکھائی دیتے ہی سات آدمیوں میں سے ایک نے سرگوشی کی۔ "عبداللہ.....!" اسے دیکھتے ہی کھڑکیوں سے جھانکنے والوں نے پرجوش نعرے لگانے شروع کر دیے تھے۔

عبداللہ نے ہاتھ اٹھایا تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ "مراکش اور بونی میلال

کے باشندو! اس وقت تمہارے سامنے سلطان کی طرف سے بھیجے ہوئے دو آدمی ہیں' ان کی موت کے منظر سے محفوظ ہونے کی کوشش کرو کہ تمہیں ایسے مناظر شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔"

ایک بار پھر چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی نصف دائرے سے دو آدمی آگے بڑھے۔

کنگ اور مور خاموش کھڑے انہیں دیکھتے رہے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ لڑنے کے فن میں ماہر ہیں۔ وہ نفرت آمیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کچھ فاصلے پر رک گئے۔ کنگ اور مور نے فوراً کیٹ اسٹینس اختیار کر لئے۔ حملہ آوروں نے ایلی فنٹ کک آزمائی لیکن بلو سرکل کے دونوں ماسٹر غچہ دے گئے۔ انہوں نے بیک وقت اس کا پیو بلوز استعمال کئے لیکن کسی بھی حملہ آور کی کنپٹی کو نقصان نہیں پہنچا۔ جواباً" انہوں نے ریم ہیڈ پنچ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران کنگ کو موقع مل گیا۔ اس نے حریف کے منہ پر پاؤنڈنگ دیو مارا جس سے اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ کنگ کا ہاتھ بھی فوارے کی طرح نکلنے والے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔

مور اور اس کے حریف میں جنگ جاری تھی۔ مور نے ایک طرف ہٹتے ہوئے نائف پوائنٹ استعمال کیا۔ حملہ آور چیخا۔ اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی' اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس نے دوسرا وار کیا۔ فضا میں کھوپڑی چٹخنے کی آواز دور تک گونجی تھی۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ دو نئے آدمیوں نے مردہ ساتھیوں کی جگہ لے لی۔

اس مقابلے میں کنگ کا بایاں گھٹنا زخمی ہوا۔ تکلیف زیادہ نہیں تھی لیکن وہ اس ٹانگ کو مہارت سے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ حملہ آور سے دب رہا تھا۔ وہ فوارے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ کھڑی ہتھیلی کے جس وار سے حملہ آور نے خود کو بچایا تھا اس نے فوارے کی دیوار میں درز پیدا کر دی تھی۔

مور کی بائیں آنکھ کے اوپر زخم آ گیا تھا۔ خون بار بار رس کر آنکھ میں گر رہا تھا لیکن وہ اس بات کی پرواہ کئے بغیر اس وقت تک لڑتا رہا جب تک مخالف کی دونوں ٹانگیں اور ایک کلائی توڑنے میں کامیاب نہیں ہو گیا..... کنگ کے مدمقابل نے بڑی مہارت کا مظاہرہ کیا لیکن ایک موقع پر ذرا سی لاپرواہی ہوئی اور کنگ کی انگلیوں کا خنجر اس کے سینے میں گھستا چلا گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے بڑی بھیانک

چیخ ماری تھی جس سے پورا ماحول کانپ گیا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر دروازے میں نظر آنے والی شخصیت غائب ہو گئی اور باقی حملہ آوروں کو بھی آگے بڑھنے کی جرات نہیں ہوئی۔ اچانک کنگ کی نگاہ ایک مکان کی چھت کی طرف اٹھ گئی۔ سورج کی طرف پشت کئے ہوئے دو آدمی وہاں کھڑے تھے۔ جب ان میں سے ایک بلند آواز میں بولا تو غالباً سب نے اس کی آواز پہچان لی۔

"بونی میلال کے لوگو!" وہ کہہ رہا تھا۔ "تم نے عبداللہ کے آدمیوں کی طاقت کا مظاہرہ دیکھ لیا اور تمہیں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کون سچا ہے..... اب تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

"استقلال!" کھڑکیوں سے آوازیں بلند ہوئیں۔ "استقلال! استقلال!!"

دونوں آدمی نیچے کودے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ کنگ خاموشی سے ان کو گھور رہا تھا۔ ان میں سے ایک مور کی طرح سیاہ فام تھا اور دوسرا غیر ملکی تھا۔ سیاہ فام نے مور کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم نے بہت اچھے انداز کا مظاہرہ کیا ہے۔"

مور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کنگ کی طرف دیکھا اور ان دونوں کی طرف اشارہ کیا جو چھت سے اتر کر ان کی طرف آئے تھے۔ "انہیں جانتے ہو کنگ! یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔"

ایک گھنٹے بعد وہ چاروں ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور کنگ خاموشی سے پر اسرار ماسٹر مور کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے با ادب بیٹھے ہوئے تھے۔ مور کہنیاں میز پر ٹکائے بڑے فخر سے باتیں کر رہا تھا۔ سپین کی خوبصورت لڑکیاں کھانے کی میز پر چیزوں کو رکھ رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ کنگ بھی خود کو بڑا پر سکون محسوس کر رہا تھا۔

سیاہ فام ماسٹر مور کا ذہن ماضی کے خوشگوار لیکن اداس کر دینے والے دھندلکوں میں کھو گیا۔ "الامین کے محاذ پر رومیل کو شکست ہوئی تو جرمن فوج پسپا ہونے لگی۔ ہم نے ان کے تعاقب میں تھے۔ وہ راستے کی ہر بستی کو برباد کر کے خاک میں ملاتے چلے جا رہے تھے۔ ہم ایک قصبے تک پہنچ گئے اباکھا نامی یہ قصبہ خوبصورت عورتوں کے لئے مشہور تھا۔ اس وقت جرمن فوج وہاں سے ایک دن کی مسافت پر تھی' ہمارے پاس بالکل وقت نہیں تھا لیکن میں وہاں رکنے پر مجبور ہو گیا۔

میرے کانوں میں کسی عورت کے کراہنے کی آوز آئی تو میں ایک

جھونپڑے میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے دنیا کی حسین ترین عورت دیکھی وہ ایک نوجوان کا سرگود میں رکھے سسکیاں بھر رہی تھی۔ خود اس کے اپنے بال خاک اور خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ میری نگاہوں میں مختلف بستیوں کے وہ کنوئیں گھوم گئے جن کا پانی اپنے ہی لوگوں کے خون سے سرخ ہو چکا تھا۔ وہ عورت اپنے جوان شوہر کی لاش پر آنسو بہا رہی تھی۔ ان سے کچھ ہی فاصلے پر ایک پالنے میں دو بچے سو رہے تھے۔ ایک سیاہ فام تھا۔" اس نے سیاہ فام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "عبدل اور دوسرا سفید فام ابراہیم۔" اس نے دوسرے کی طرف دیکھا۔ "تم نسل کے اس تضاد پر حیران ہو گے..... بہرحال عبدل' فالیہ کے مرحوم شوہر کا بیٹا ہے' اس کے بعد فالیہ نے دوسری شادی کی۔ ابراہیم کا باپ ایک غیر ملکی سپاہی تھا۔"

کنگ نے اثبات میں سرہلایا جیسے اس الجھن کے دور ہونے سے پر سکون ہو گیا ہو۔

"میں وہاں ایک سال تک رہا۔ فالیہ ایسی عورت نہیں تھی کہ دنیا کا کوئی بھی مرد اسے آسانی سے نظرانداز کر کے چلا جاتا۔ میں اس سے زیادہ دنیا کی کسی عورت سے متاثر نہیں ہوا تھا..... فالیہ آج سے پانچ سال پہلے تجیئرز کی گلیوں میں مر گئی۔ ایک فرانسیسی گولی نے اس کا کام تمام کیا تھا۔ اس وقت اس کے دونوں بیٹے ساتھ تھے۔"

ماں کے ذکر پر عبدل کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔ "وہ ایک ہجوم کے سامنے تقریر کر رہی تھیں....." اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "وہ عظیم تھیں' کسی ملکہ کی طرح پر وقار..... انہوں نے دھیمے لہجہ میں "استقلال" کہا اور ہمیں اس آگ کو زندہ و تابندہ باقی رکھنے کی وصیت کر کے مر گئیں۔"

"ایک سال بعد مراکش آزاد ہو گیا..... آج بھی رباط میں فالیہ کو انتہائی عزت و احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"اور اب تک دونوں اس کے ادھورے کام کی تکمیل کر رہے ہو۔" کنگ نے اثبات میں سرہلا کر کہا اور چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ ماحول بہت اداس اداس سا محسوس ہونے لگا تھا۔

سورج ابھی پوری طرح سر پر نہیں آیا تھا۔ وہ چار عربی نسل کے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیزی سے پہاڑوں کی طرف بڑھنے لگے۔

"ژوایا چالیس میل دور ہے۔" عبدل نے کہا۔ "نہیں وہاں شام سے پہلے پہنچ جانا چاہئے۔ ممکن ہے کہ راستے میں عبداللہ کے بعض گرگوں سے بھی ملاقات ہو

جائے۔ بونی میلال میں اسے جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا وہ اس کو بھول نہیں سکتا۔ پہاڑی قبائل میں سے بیشتر اس کے اثر میں ہیں۔"

سفر ہر ممکن تیزی سے گزر رہا تھا۔ مور نے عبداللہ کے بارے میں عبدل اور ابراہیم سے جو کچھ سنا تھا وہ مختصراً کنگ کو بتا چکا تھا۔ عبداللہ نسلاً" ترک تھا۔ اس کی باغیانہ سرگرمیوں کا آغاز مشرقی وسطی سے ہوا تھا۔ یہ سوئز کے بحرانی دور کی بات تھی۔ وہ ایک شعلہ بیان مقرر تھا اور اس نے ہمیشہ مسند مراکش پر بیٹھنے کے خواب دیکھے تھے۔ وہ ہر صاحب اقتدار سلطان سے راہ و رسم بڑھاتا اور بالاخر اس سے غداری کرتا' لیکن اصل مقصد سے ہمیشہ دور ہی رہا۔

ان دنوں وہ کاکنان کا آلہ کار تھا۔ کاکنان کو ایک ایسے مقرر کی ضرورت تھی جو عوام میں اسے مقبول بنا سکے۔ عبداللہ بستی بستی گھومتا رہا اور کاکنان کی حمایت میں تقریریں کرتا رہا۔ سادہ لوح عوام اس کی باتوں میں آتے گئے اور اس طرح حمایت کرنے والوں کا حلقہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ اس نے کنگ اور مور کی آمد سے ایک روز پہلے یہ افواہ پھیلائی تھی کہ وہ سلطان کے سفیر نہیں بلکہ باغی ہیں اور سلطان نے انہیں دھوکے سے اس لئے بھیجا ہے کہ انہیں عوام کے سامنے ٹھکانے لگا دیا جائے۔

مور نے بلیک پیرٹ شراب خانے سے نکل کر اپنے چیف اولڈ بل کو جو کال کی تھی اس کے نتیجے میں عبدل اور ابراہیم کو بونی میلال روانہ کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر جب صورت حال کا جائزہ لیا تو استقلال کے حامیوں کو حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اس کے باوجود شہر کے بیشتر لوگوں کو یقین نہیں آیا تھا لیکن جب ان دونوں نے جنگ جیت لی تو عبداللہ چپکے سے کھسک گیا..... ان حالات میں عبدل اور ابراہیم کی باتوں پر یقین کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

عبدل نے یہ بھی بتایا تھا کہ عبداللہ خوب رقمیں خرچ کرتا رہا ہے۔ یہ بات سن کر مور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ہر بات اب اس کے سامنے عیاں ہوتی جا رہی تھی۔ ابراہیم نے مور کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مسزباب کا اغوا پہلی واردات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی درجنوں عورتیں اور لڑکیاں اغوا ہوئی ہیں لیکن زر تاوان صرف اسی لڑکی کے لیے مانگا گیا ہے۔"

"اس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے غلاموں کی تجارت بھی شروع کر رکھی ہے۔" مور غرایا۔

اچانک آس پاس کی پہاڑیاں گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھیں۔ کنگ نے

خود کو فوری طور پر جنگ کے لئے تیار کر لیا۔ دو درجن کے لگ بھگ سوار ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے ان سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئے۔ انہوں نے مقامی لباس پہن رکھا تھا اور ان کے سروں پر سیاہ پگڑیاں تھیں۔ ان کا سردار آگے بڑھا۔ اس نے رائفل اٹھا کر کہا۔ "استقلال!"

عبدل اور ابراہیم نے بھی جواباً "استقلال کہا اور انہیں سردار کی زبانی یہ سن کر قدرے طمانیت حاصل ہوئی کہ وہ ان کے خیر مقدم کے لئے آیا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی کی شادی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انہیں کھانے کے لئے مدعو کرے۔

دعوت کے دوران میں کنگ حیران ہو رہا تھا کہ آخر یہ لوگ اجنبیوں کے لئے اس قدر فیاض کیوں ثابت ہو رہے ہیں اور اتنی فراخدلی سے خرچ کرنے کے لئے روپیہ کہاں سے ملتا ہے۔ شادی کے سلسلے میں رقص کا جو پروگرام ترتیب دیا گیا تھا وہ خاصا خوشگوار تھا۔ اس وقفے میں کنگ کو اپنی منگیتر یاد آتی رہی اور وہ سوچتا رہا کہ اس کی زندگی میں خوشی کا ایسا دن کب آئے گا۔

شادی کے ہنگامے میں انہوں نے دو گھنٹے سے زیادہ ضائع نہیں کئے۔ سردار اور اس کے ساتھیوں نے انہیں گاؤں کے کنارے تک جا کر الوداع کہا اور ان کا سفر ایک بار پھر تیزی سے شروع ہو گیا۔

"استقلال کی حقیقت کیا ہے؟" کنگ نے سوال کیا۔

"1956ء کی آزادی تک درحقیقت یہ مراکش کی ایک نجات دہندہ فوج تھی۔" عبدل نے کہا۔ "لیکن اب اس کا کام صرف یہ ہے کہ مراکش کو زیادہ سے زیادہ قوی' صحت مند اور محفوظ بتایا جائے اور فرانسیسیوں سے ماضی کے تمام جھگڑوں کو فراموش کر دیا جائے۔"

کنگ نے اثبات میں سر ہلایا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے وہ ہواؤں کی وادی میں پہنچ گئے۔ یہ خطرناک ترین وادی تھی۔ اس میں ہوا اتنی تیزی سے گزرتی تھی کہ قدم اٹھانا دوبھر ہو جاتا تھا۔ مور سب سے آگے تھا وہ گھوڑے سے کود گیا اور اس کی لگام تھام کر آہستہ آہستہ درے میں پہنچ گیا۔ عبدل اور کنگ اس کے پیچھے تھے اور ابراہیم سب سے پیچھے قدم جما جما کر گھوڑے کو کھینچ رہا تھا۔ تیز ہوا ان کو آگے بڑھنے سے روک رہی تھی اور وہ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد ہانپنے لگے۔

درے سے گزرتے وقت اچانک کنگ رک گیا۔ اس کی نگاہ ایک ابھرے

ہوئے پتھر پر پڑی۔ اسے کچھ غیر معمولی پن نظر آیا۔ مور بھی رک گیا تھا۔ کنگ نے اس پتھر کی طرف دیکھا جس کے ساتھ ایک تار نظر آ رہا تھا۔ ہوا کی وجہ سے بات کرنا مشکل تھی' آواز سنائی نہیں دے رہتی تھی۔ کان بہرے ہو رہے تھے۔ کنگ نے گھوڑا عبدل کے حوالے کیا۔ وہ سب گھوڑوں کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور کنگ اپنے طاقت ور جسم کے عضلات کو اکڑائے ہوئے ایک ایک قدم احتیاط سے اٹھاتا' تھوڑا سا آگے جھکا اس چٹانی پتھر کی طرف بڑھتا رہا۔

پتھر ہوا سے لرز رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ڈائنا میٹ کا تار پتھر سے لپٹا ہوا ہے۔ یہ تار درے میں ٹھیک درمیان سے گزرتا ہوا دوسری طرف جا رہا تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے تار کو کاٹ دیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ڈائنا میٹ کے قریب پہنچا۔ اس وقت تک مور بھی پوری صورت حال سمجھ کر اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ڈائنا میٹ دیکھ کر اس کا چہرہ سینکڑوں سلوٹوں میں تبدیل ہو گیا۔ اس نے کنگ کو روکا اور پھر ڈائنامیٹ کا سوئچ نکال کر اسے مردہ بنا دیا۔ ان کے جسم پسینے سے شرابور تھے۔ درے سے گزرتے وقت اگر کسی کا پاؤں تار سے الجھ جاتا تو ڈائنا میٹ کے پھٹنے سے درے میں ہی دب کر رہ جاتے۔

درے سے نکلنے کے بعد انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔ گھوڑے ابھی تک بدکے ہوئے تھے۔ سیٹیاں بجاتی ہوئی ہوا نے انہیں بھی حواس باختہ کر دیا تھا۔ انہیں چمکار کر وہ ایک بار پھر آگے بڑھے۔ اب وہ ژوایا سے پہلے آنے والی پہاڑیوں کے آخری حصے میں پہنچ گئے تھے۔

اچانک انہیں کپڑوں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔ انہوں نے ایک آدمی دیکھا جو آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ مور نے بغور اس کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا..... "فادر ہانسل!"

فادر ہانسل قریب پہنچا۔ اس نے چھڑی اٹھائی اور مسکرا کر کہا۔ "استقلال!"

فادر ہانسل کا قلعہ نما مکان اترائی پہ واقع تھا۔ وہ اس کی رہبری میں وہاں پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ اس مکان سے کچھ دور فصلوں اور ندی کی دوسری طرف ژوایا کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ فادر ہانسل بر بر تھا۔ وہ انہی پہاڑوں میں پیدا ہوا تھا اور اس نے ساری عمر تبلیغ میں گزاری تھی۔ وہ اس وقت بھی پادری جیسا لباس پہنے ہوئے تھا۔ مور اور فادر ہانسل جس انداز میں ملے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ پہلے بھی مل چکے ہیں۔ جب مور نے کنگ کو بتایا کہ فادر ہانسل نے زندگی کا

بڑا حصہ ریڈ سرکل سے جنگ کرتے ہوئے گذارا ہے تو وہ چونک پڑا۔ اس کی نگاہوں میں اپنے محترم اور قابل قدر استاد لن فرنگ کی تصویر گھوم گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ فادر ہانسل ان ہی لوگوں میں سے ایک ہے جو اس کے استاد کی رفاقت میں رہے ہیں۔ اس نے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگائی کہ وہ بھی کنگ فو ماسٹر ہے۔

کھانے کے دوران فادر ہانسل نے لڑکیوں اور عورتوں کے غائب ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی بستی پر بھی حملہ کیا گیا تھا اور کئی عورتیں اغوا کرلی گئی تھیں اور یہ بھی بتایا کہ ریڈ سرکل نے ایک عشرت کدہ بنا رکھا ہے جسے "شیطانوں کی جنت" کہا جاتا ہے۔ اغوا کرکے عورتوں کو وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس جنت کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر کوئی بلا اجازت اس طرف جا نکلتا ہے تو کبھی واپس نہیں آتا۔ وہاں اغوا شدہ عورتیں ریڈ سرکل کے اشاروں پر اپنا سب کچھ لٹانے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور انہیں غلاموں جیسی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے..... اور رفتہ رفتہ ان کے دماغ جسم پر حکومت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

فادر ہانسل اپنے دودھیا سفید بالوں کو انگلیوں سے سنوار رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ کرب تھا۔ "پہاڑی قبائل نے ریڈ سرکل کی قوت کو تسلیم کرلیا ہے اور اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ اس کے بدلے میں انہیں ہر طرح کا جانی و مالی تحفظ حاصل ہے۔"

"شیطانوں کی جنت کہاں ہے؟" کنگ نے دریافت کیا۔

"یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے..... میں وہاں تک پہنچنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ ممکن ہے یہ محض افواہ ہو لیکن اگر یہ حقیقت ہے تو ہم جلد ہی اسے دیکھ لیں گے۔ یہ بات صرف عبداللہ ہی کو معلوم ہے کہ....." اچانک وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بلو سرکل کے دونوں ماسٹروں کو اشارہ کیا اور ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جہاں چاروں طرف دیواروں پر بچوں، عورتوں، لڑکیوں، جوانوں اور بوڑھوں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ "یہ میرا خاندان ہے۔" فادر ہانسل نے اشارہ کرکے فخر سے کہا۔

کنگ خاموشی سے ایک ایک تصویر دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک تصویر کے سامنے رک گیا۔ یہ ایک نوجوان چینی کی تصویر تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس تصویر کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ نوجوان چینی کی آنکھیں اسے دیکھی بھالی لگتی تھیں۔ اس نے وضاحت طلب نگاہ سے فادر ہانسل کی طرف دیکھا۔

فادر کے ہونٹوں پر سوگوار سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے اس وقت یہاں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ قاتل گلیوں میں آزادی سے گھومتے تھے۔ ہراس کا یہ عالم تھا کہ بھائی کو بھائی پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ میں ایک مبلغ سیاح کی حیثیت سے بستی بستی گھوم رہا تھا۔ میرے نزدیک تبلیغ ہی ذریعہ نجات تھی۔ اس دوران میری ملاقات اس نوجوان سے ہوئی۔ یہ بھی میرے ساتھ گھومتا رہا۔ اس کا مقصد امن کا پیغام دینا تھا۔ ہم لوگوں کو سمجھاتے رہے لیکن کسی نے کان لگا کر ہماری بات نہیں سنی۔ شہروں میں جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دھڑا دھڑ اسلحہ بن رہا تھا۔ ایک جگہ ہمیں تلواروں سے مسلح چھ سواروں نے گھیر لیا۔ میں خوفزدہ تھا اور دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا لیکن اس نوجوان نے عجیب انداز میں لڑ کر ان شمشیر زنوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ وہ جس انداز میں لڑ رہا تھا' میرے لئے نیا اور حیرت انگیز تھا۔ اس وقت تک نوجوان کئی مرتبہ میری جان بچا چکا تھا اور میں بھی دل میں عہد کر چکا تھا کہ اس کے احسان کا بدلہ کسی نہ کسی روز ضرور چکا دوں گا۔ اب یہ نوجوان مر چکا ہے لیکن آنے والی کل بتائے گی کہ میں اس عہد کو کس طرح نبھاؤں گا۔ کئی کہانیاں ختم ہو جائیں گی اور کئی کا آغاز ہو گا....."

کنگ نے فادر ہانسل کی طرف دیکھا اور پھر مور کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں مسکرا رہے تھے۔ اس کی نگاہ تصویر کی طرف لوٹ آئی اور وہ تعظیم سے جھک گیا۔ لن فونگ کبھی ایسا بھی تھا یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا اپنے محترم استاد کی یاد نے اس کی آنکھیں میں نمی پیدا کر دی تھی۔

ایک سو پچاس میل دور بلیک پیرٹ شراب خانے میں میکس شیلے اطمینان سے بیٹھا ان لذت آمیز گھڑیوں کو یاد کر رہا تھا جو اس نے کیری کے نوجوان جسم کو بھنبھوڑتے ہوئے گزاری تھیں۔ آج وہ بہت عرصے بعد خود بھی چرس پی رہا تھا۔ اس نے کاکنان سے دس فیصد پہ سودا طے کیا تھا لیکن وہ اس سے کہیں زیادہ رقم حاصل کر چکا تھا۔ لڑکی بھی اس کے قبضے میں تھی۔ عبداللہ کے بارے میں اسے کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ کنگ اور مور کو دیکھ چکا تھا کہ وہ اسے ٹھکانے لگا سکتے تھے اور اس طرح وہ عبداللہ کے سر الزام ڈال کر کاکنان کو بھی دھوکا دے سکتا تھا۔

وہ جتنے خوش گوار موڈ میں تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کیری کا جوان جسم اسے کچھ زیادہ ہی پسند آیا تھا۔ چرس کے دم لگاتے ہوئے وہ اس عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا جو دلہن بنی لیکن شوہر کی بجائے اس کی آغوش میں آگری۔ وہ دل ہی دل میں کاکنان کا شکر گزار تھا کہ اس نے ایسے لذت آمیز موقع سے استفادے کی

مہلت دی۔ لڑکی کو ریڈ سرکل کے "شیطانوں کی جنت" نامی مقام پر پہنچا کر اس کا فرض ختم ہو جاتا' لیکن اس نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر دوسرا ہی کھیل شروع کر دیا۔

اچانک دروازہ کھلا۔ اس کی نگاہ بیلا نو پر پڑی۔ وہ ایک بار پھر کیری کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن اس آدمی کو دیکھ کر اس نے پروگرام کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیا۔ بیلا نو اس کا پرانا واقف کار تھا۔ ان کے درمیان میں کچھ کاروباری معاہدے بھی ہوئے تھے۔ دراصل وہ کرائے کا قاتل تھا اور شیلے اسے کئی بار استعمال کر چکا تھا۔ اب کے وہ بہت دنوں بعد آیا تھا۔ اس لئے شیلے سوچ رہا تھا کہ اس کے ساتھ چند منٹ باتیں کرنے کے بعد ہی عشرت کدے کی طرف جائے گا۔

"آؤ بیلانو! اس مرتبہ تو تم نے بہت دنوں بعد صورت دکھائی۔" اس نے بے تکلفی سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

بیلانو نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر دیا اور خاموش بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں شیلے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ شیلے الجھن میں پڑ گیا۔ بیلانو کی شخصیت شروع ہی سے پر اسرار رہی تھی۔ وہ ہر بار کسی نہ کسی عجیب ہی رنگ میں سامنے آتا تھا۔ شیلے نے اس کے چہرے پر سختی دیکھی تو مسکرانے لگا۔ مسکرانے کا انداز خوشامد سے بھرپور تھا۔ "کیا کوئی خاص بات ہے بیلانو! تم کچھ اکھڑے اکھڑے سے نظر آ رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"ہاں....." بیلانو نے جواب دیا۔ "تمہارے پاس ایک ایسی چیز ہے جو تمہاری ملکیت نہیں ہے۔"

"ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے؟" شیلے نے حیرت سے کہا۔

"ایک عورت!"

"کسی نے تمہیں غلط اطلاع دی ہے۔"

"کیا ایک لاکھ فرانک کے بارے میں بھی میری اطلاع غلط ہے؟"

"خیر....." شیلے نے خود کو سنبھالتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ "تمہیں ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"میری خدمات کسی دوسرے نے خریدی ہیں اور اس کا نام عبداللہ ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" شیلے اب نمایاں طور پر خوفزدہ نظر آنے لگا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"ایک لاکھ فرانک۔"

"ٹھیک ہے(" شیلے نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی لاتا ہوں۔ رقم تجوری میں محفوظ ہے۔"

"فی الحال بیٹھے رہو۔" بیلانو نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور جیسے ہی شیلے کرسی پر بیٹھا اسے اپنے جیکٹ سے گذر کر پیٹ میں چبھتے والی خنجر کی نوک کا بہت ہی معمولی سا احساس ہوا۔ یہ بیلانو کا وہ ماہرانہ وار تھا جس سے اس پاس بیٹھے ہوئے چرسیوں اور شیلے کے آدمیوں کو علم بھی نہیں ہوا کہ شیلے کی جان جسم کو چھوڑ کر پرواز کر گئی ہے۔

شیلے منہ کے بل میز پر جھک گیا۔ چند لمحوں تک بیلانو اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھا اور عقبی دروازے کی طرف بڑھا۔ نشے میں دھت کسی آدمی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ کمرے میں دو محافظ کیری کے نیم برہنہ جسم پر بادام کے تیل سے مالش کر رہے تھے۔ ان کے اپنے جذبات مشتعل تھے لیکن وہ ان جذبات کی تسکین کر کے شیلے کے عتاب کو دعوت دے نہیں سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شیلے کسی بھی لمحے اس عورت کے لئے واپس آئے گا۔ دروازہ کھلا تو انہوں نے یہی سمجھا کہ شیلے ایک بار پھر اس عورت سے کھیلنے کے لئے آ رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ بیلانو کے خنجر نے بڑی خاموشی سے انہیں موت کی نیند سلا دیا۔

ان سے نمٹ کر بیلا نو نے ایک نظر کیری کی طرف دیکھا۔ ہیجان خیز جسم دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے اس کی سرخ آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ تجوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے تجوری کھولی اور رقم نکال کر اپنے لبادے میں ٹھونس لی۔ بستر سے ایک کمبل اٹھایا' بے ہوش برہنہ کیری کو اس میں لپیٹا اور عقبی دروازے سے باہر نکل آیا۔ یہ خفیہ راستہ اسے شیلے نے ہی دکھایا تھا۔ وہ گلی میں آیا اور پھر چپ چاپ اندھیروں میں غائب ہو گیا۔

صبح محبت اداس تھی۔ کنگ سب سے پہلے سو کر اٹھ گیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اسے ژوایا کے ایک نوجوان یوسف سے متعارف کرایا گیا۔ یہ نوجوان گھڑ سواری میں کمال رکھتا تھا۔ وہ اسے لے کر ایک میدانی جگہ پہنچا اور تین گھنٹوں تک کنگ کو گھڑسواری کی مشق کراتا رہا۔ کنگ کو احساس ہوا کہ گھڑسواری بھی کنگ فو کی طرح ایک باقاعدہ فن ہے۔ وہ خوش تھا کہ یوسف جیسے باکمال نوجوان سے اسے اس فن میں مہارت حاصل کرنے کا موقع ملا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ دوبارہ مشق کے لیے نکل گئے اور یوسف کو اس شاگرد نے حیرت میں ڈال دیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ دنیا کا کوئی آدمی چند گھنٹوں میں گھڑسواری کے کٹھن مراحل سے گزر سکتا ہے۔

سورج مغرب میں جھکتا چلا جا رہا تھا۔ انہیں گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ کنگ نے یوسف کی طرف دیکھا۔ یوسف کے چہرے پر جوش و خروش کے گہرے تاثرات تھے۔ اس نے اثبات میں سرہلایا اور ہاتھ بلند کرکے استقلال کا نعرہ لگایا۔ ایک عجیب آواز اس کے حلق سے نکلی اور اس آواز کو سنتے ہی مور، فادر ہانسل اور مور کے دونوں بیٹے مکان سے باہر نکل آئے۔

چند لمحوں بعد یہ چھ سوار تیزی سے اس طرف بڑھ رہے تھے جدھر سے گھڑسواروں کا دستہ آندھی اور طوفان کی طرح آرہا تھا۔ فاصلہ کم ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ ان کے گھوڑے آنے والے تیز رفتار گھوڑوں سے ٹکرا گئے۔ ان سواروں کی تعداد سو سے کم نہیں تھی لیکن ابتدا میں ہی چھ سواروں کو ان میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا اس لئے انہوں نے پہلے ہی ہاتھ میں کئی آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

کنگ کے قریب آنے والا ہر گھڑسوار خون اور دانت تھوکتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں تلوار تھی جس سے وہ اپنی حفاظت کر رہا تھا۔ یوسف کا نیزہ تڑپ تڑپ کر عبداللہ کو چھید رہا تھا۔ بوڑھا فادر بیک وقت تین شمشیرزنوں سے نمٹ رہا تھا۔ عبدل اور ابراہیم شراروں کی طرح ادھر سے ادھر رقص کر رہے تھے۔ وہ جہاں جہاں سے گذرتے چیخیں اور کراہیں اپنے پیچھے چھوڑ جاتے تھے۔

مور کی نگاہیں بے چینی سے عبداللہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اسے نظر آگیا لیکن ان کے درمیان میں بہت فاصلہ تھا۔ اس نے گھور کو ایڑ لگائی اور اس طرف بڑھنے کے لئے عبداللہ کے آدمیوں سے بھڑ گیا۔ کنگ نے ایک گھڑسوار کو تیزی سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ ابھی وہ ایک آدمی سے نمٹا ہی تھا کہ اس کی نگاہ یوسف پر پڑی۔ ایک آدمی کا خنجر پشت سے اس کی طرف بڑھ گیا رہا تھا۔ اس نے پھرتی سے گھوڑا موڑا اور بائیں پاؤں کے عضلات کو سخت کرلیا۔ ایلیفنٹ کک اس سوار کے گھوڑے کے پیٹ پر پڑی ور وہ ڈھول کی طرح پھٹ گیا۔ سوار گرا اور درجنوں گھوڑے اسے کچلتے ہوئے نکل ئے۔ نیزہ کنگ پر پھینکا جا چکا تھا۔ اس نے تڑپ کر تلوار گھمائی اور نیزے کے ساتھ ساتھ ں کی تلوار بھی گر گئی۔ وہ آگے بڑھا۔ گھوڑے ٹکرا گئے اور اس کی کھڑی ہتھیلی نے تے گھڑسوار کی کھوپڑی کو دو نیم کر دیا۔

فادر ہانسل نے تین تلواروں کو اپنی تلوار پر روکا اور ایک گھوڑے کی ٹانگ پر

ایلیفنٹ کک ماری۔ گھوڑا زور سے ہنہنایا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی تلوار ہٹی تو فادر ہانسل نے پیٹی سے خنجر کھینچ مارا جو دوسرے سوار کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ تیسرے سوار کی تلوار اس کے لبادے کی ایک دھجی اچک لے گئی۔ اسی لمحے عبدل کی تلوار اس سوار کی گردن کو کچی مولی کی طرح کاٹتی ہوئی نکل گئی۔

مور نے عبداللہ کے قریب پہنچنے کے لئے بہت جتن کیا لیکن فاصلہ کم نہ ہوا۔

کنگ نے پھرتی سے گھوڑا ہٹایا۔ دونوں طرف سے لپکتے ہوئے نیزہ بردار ایک دوسرے کو چھیدتے ہوئے نکل گئے۔ دو کربناک چیخیں فضا میں ابھریں اور ان چیخوں میں دب گئیں جو ان کے گرتے ہی بلند ہوئی تھیں۔ کنگ کی دونوں ٹانگیں اور دونوں ہاتھ چل رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں یوسف کا شکرگزار تھا کہ اس نازک موقع کے لئے اس نے قبل از وقت اسے گھڑسواری کے چند اہم اصول سکھا دیے تھے۔

ابراہیم کے گرد چار گھڑسوار تھے۔ اس کی ایک کلائی زخمی ہو گئی تھی اور بائیں رخسار سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ کنگ نے گھوڑا اسی سمت موڑ لیا۔ اس نے فنگر ڈ ریگن استعمال کیا۔ ایک کی آنکھیں حلقوں سے نکل گئیں۔ دوسرے کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی اور تیسرے نے دانت اور جبڑے کی ہڈی تھوکنے کی کوشش کی لیکن سانس جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ زمین پر گر گیا۔

اچانک اس کی نگاہ عبداللہ پر پڑی۔ اس نے گھوڑے کو موڑا تو ایک نیزہ اس کی دائیں ران کے قریب گھوڑے کے پیٹ میں پیوست ہو گیا۔ کنگ بروقت اچھل کر اس سوار پر جا پڑا تھا ورنہ وہ گر پڑتا۔ سوار فضا میں اچھلا اور جب وہ دوبارہ نیچے آیا تو کئی نیزوں اور تلواروں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اسے چیخنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ اس دوران عبداللہ کنگ کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر بھیڑ میں کھو گیا تھا۔

مور اور کنگ کے گھوڑے ٹکرا گئے۔ دونوں زمین پر گرے اور گھوڑوں کو سنبھالنے کی بجائے انہوں نے زمین پر کھڑے کھڑے ہی دفاعی جنگ شروع کر دی۔ بیک وقت چھ گھوڑے ان کی طرف لپکے۔ دونوں اچھلے۔ بیک ہیڈ نائف سلیش استعمال ہوئے اور دو گھوڑوں کی کھوپڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ ان کی آہنی ٹانگیں گھومیں اور دائرے میں آگے بڑھنے والے چاروں گھوڑوں کے ٹخنے ٹوٹ گئے۔ سوار چیختے ہوئے نیچے گرے اور دوسری سمت سے آنے والے گھڑسوار منہ زور گھوڑوں پر بروقت قابو نہ پاسکے۔

کنگ بے چینی سے کاکنان کو تلاش کر رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ اس دستے میں صرف عبداللہ ہی موجود تھا۔ عبداللہ مور اور کنگ دونوں کی دسترس سے باہر رہا حتیٰ کہ اسے بچے کھچے گھڑسواروں کے ساتھ بھاگ نکلنے کا

موقع مل گیا۔ فتح کا نعرہ یوسف کے حلق سے بلند ہوا اور بھگوڑے سواروں کی رفتار کچھ تیز ہو گئی۔

وہ افق پر منڈلاتے ہوئے شکست خوردہ سواروں کے سائے دیکھتے رہے اور پھر اچانک فضا چیخوں اور نعروں سے کانپ گئی۔ ژوایا میں موجود استقلال کے حامی پہنچ گئے تھے لیکن بھگوڑے ان کی پہنچ سے بھی باہر تھے۔ اس معرکے میں فادر ہانسل خاصا زخمی ہوا تھا لیکن اس کے چہرے سے زیادہ کمزوری ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

"تم بہت اچھی طرح لڑے....." یوسف نے کہا۔

"ہاں! تم جیسے استاد سے کچھ سیکھ کر ایسی ہی اچھی جنگ کا مظاہرہ کیا جاسکتا تھا۔" کنگ نے مسکرا کر کہا اور مور کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرا خیال ہے کاکنان اسے دستے میں نہیں تھا۔"

"تمہارا خیال درست ہے البتہ عبداللہ دستے میں تھا لیکن میں کوشش کے باوجود اس کے قریب نہیں پہنچ سکا۔" اس نے زخمی ساتھیوں کی طرف دیکھا اور ژوایا سے آنے والے استقلال کے دستے کے سردار کی طرف متوجہ ہوا۔ "زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد ہمیں فی الفور آگے بڑھنا ہے۔"

ان کے گھوڑے آہستہ آہستہ ژوایا گاؤں کی طرف بڑھنے لگے جو چٹانوں کی دوسری جانب شہر خموشاں کی مانند نظر آرہا تھا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور فضا ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں اور ہنہنانے کی آوازوں سے کانپ رہی تھی۔ افق پر اب گہری سیاہی تھی۔ بھگوڑے گھڑسواروں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔

ژوایا میں انہوں نے صرف دو گھنٹے گزارے۔

مرہم پٹی کے بعد وہ واپس اسی جگہ آگئے جہاں جنگ ہوئی تھی۔ مور اور کنگ اس سمت دیکھ رہے تھے جدھر عبداللہ اور اس کے ساتھی فرار ہوئے تھے۔ فادر ہانسل، عبدل اور دوسرے دونوں جوان خاموش کھڑے تھے۔ کنگ نے فادر ہانسل کی طرف دیکھا اور کہا۔ "شیطان کی جنت؟"

"میرا خیال ہے ہمیں اس جگہ کو دن کے اجالے میں تلاش کرنا چاہیے۔" فادر نے کہا۔

"نہیں فادر!" مور نے سنجیدگی سے مداخلت کی۔ "اس کام میں جتنی دیر ہو گئی اتنی ہی دشواریاں بڑھتی جائیں گی۔"

"ہمیں اسی طرف آگے بڑھتے جانا چاہیے حتیٰ کہ....."

وہ خاموشی سے آگے بڑھنے لگے۔ پھر چٹانوں تک پہنچنے کے بعد رک گئے۔ فادر

ہانسل کے خیال کے مطابق شیطانوں کی جنت کا آغاز وہیں کسی جگہ سے ہوتا تھا۔ گہری تاریکی تھی اور انہیں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس اندھیرے میں انہیں چوٹی پر تھوڑی سی روشنی نظر آئی۔ غالباً وہی ان کی منزل مقصود تھی۔ انہوں نے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ دیا اور چوٹی کی طرف چڑھنے لگے۔

کچھ آگے جانے کے بعد راستہ ختم ہو گیا۔ اب ان کے سامنے ایک عمودی، بلند چٹان تھی۔ اس بلندی پر چڑھنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہوں نے کمند پھینکی۔ مور اور کنگ اوپر چڑھنے لگے لیکن بیس فٹ اوپر جانے کے بعد معاً انہیں خطرے کا احساس ہوا۔ کنگ نے بمشکل توازن برقرار رکھا اور چھپکلی کی طرح پٹ سے اپنے ساتھیوں کے قریب گرا۔ فوراً ہی مور بھی اس کے پہلو میں آگرا تھا۔ ان کی کمندوں کو اوپر سے کاٹ دیا گیا تھا۔

دفعتاً اوپر سے کسی کی ٹارچ روشن ہوئی۔ مور نے فائر پھینک مارا۔ ایک کراہ سنائی دی۔ اسی لمحے پانچ ٹارچیں روشن ہوئیں اور کنگ کی رائفل سے دو مزید آدمی کام آئے۔ مور نے بھی نشانہ لگایا تھا لیکن چوٹی پر موجود آدمیوں کو فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ روشنی بجھا کر پیچھے ہٹ گئے اور ٹارچیں بجھتے ہی اوپر سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔

"تم لوگ انہیں الجھاؤ۔" مور نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور کنگ کے ساتھ عمودی چٹان کے عقبی حصے کی طرف رینگ گیا۔ نیچے سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ پہاڑیاں فائرنگ سے گونج رہی تھیں اور گولیاں آندھی کی طرح سنناتی ہوئی ادھر ادھر سے گزر رہی تھیں۔ کنگ اور مور نے عقبی حصے سے کمندیں پھینک کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

چٹان کے اوپر چار آدمی تھے۔ ان کی فائرنگ سے بھی یہی اندازہ ہوا تھا اور اب تو وہ ان کے بالکل سامنے تھے۔ کنگ اور مور نے بیک وقت چھلانگیں لگائیں۔ ایک کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ پڑا۔ وہ چیخا، فضا میں بلند ہوا اور پھر چوٹی سے نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ دو آدمیوں کی کھوپڑیاں پوری قوت سے ٹکرائی تھیں اور تیسرا فرار ہونے کی کوشش میں ہڈیوں اور گوشت کا خون آلود ڈھیر بن کے رہ گیا تھا۔

مور نے نیچے اشارہ دیا ساتھی جلدی اوپر پہنچ گئے۔

چٹان کے اس حصے میں ایک پتھر کا دروازہ تھا۔ انہوں نے اسے کھولا تو سامنے طویل سرنگ تھی۔ اس سرنگ میں مشعلیں روشن تھیں۔ غار سے باہر نکلے تو انہیں ایک پوری بستی نظر آئی جو چاروں طرف سے فلک بوس پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔ غالباً

اس وجہ سے اب تک کسی نے اسے دور سے بھی نہیں دیکھا تھا۔

مدھم چاندنی میں انہیں کئی جھونپڑیاں نظر آئیں۔ بستی کے درمیان سے ایک چھوٹی سی ندی گذر رہی تھی۔ اس کے کنارے درختوں کے نیچے کھلے دروازوں کے جھونپڑوں میں ہر طرف برہنگی کا عجیب سا بازار لگا ہوا تھا۔ مرد عورتوں کو جھنجھوڑ رہے تھے' کراہیں اور لذت آمیز سسکاریاں سنائی دے رہی تھیں۔ کنگ نے آنکھیں ملیں۔ اس نے اتنے وسیع پیمانے پر بے حیائی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

وہ ندی کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ پھر اچانک انہیں سات محافظ نظر آئے جو سیدھے انہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے یہ نئے پہرے دار ہیں جو پچھلے پہرے داروں کی جگہ لینے جا رہے ہیں۔" فادر ہانسل نے کہا۔

"ہاں..... اور میرا مشورہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خاموش رہے۔" یوسف بولا۔

وہ پہرے داروں کے قریب پہنچے۔ ایک پہرے دار نے بربر زبان میں کچھ کہا جس کا جواب یوسف نے دیا۔ وہ اور قریب پہنچ گئے۔ تب ان نئے پہرے داروں کو احساس ہوا کہ ان کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی ان کے ساتھی نہیں ہیں لیکن اب ان کا سمجھنا بیکار تھا۔ مور اور کنگ نے دو کی گردنیں توڑ دی تھیں اور عبدل نے ایک کا گلا دبا کر اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا تھا۔ فادر ہانسل' یوسف اور ابراہیم نے تین آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

لاشوں کو ایک طرف جھاڑیوں میں ڈال کر انہوں نے پہرے داروں کے کپڑے پہن لئے اور بندوقیں اٹھائے آگے بڑھنے لگے۔

دفعتاً پانچ نیم برہنہ لڑکیاں ان کے سامنے نہ جانے کہاں سے پہنچ گئیں۔ ان میں سے ایک نے کنگ سے لپٹنے کی کوشش کی لیکن اس نے اسے دور دھکیل دیا۔

"ہمیں کچھ کام اور بھی کرنے ہیں!" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہاں' کوئی دوسرا کام نہیں ہو سکتا....." لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

کنگ نفرت سے منہ موڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے لڑکی کی بائیں ران کے اندرونی رخ ایک سرخ دائرہ دیکھ لیا تھا۔ یہ نشان ریڈ سرکل کی ان مخصوص لڑکیوں کا تھا جنہیں گناہ کی ترغیب دینے کے لئے خاص طور سے تربیت دی جاتی تھی۔ کنگ حیران تھا کہ کاکنان کا شیطانوں کی جنت سے کیا تعلق ہے۔ وہ عیاش نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ عورتوں کی طرف راغب ہو گیا تھا تو پھر اس کی جسمانی قوت مشکوک ہو سکتی تھی لیکن یہ

بات کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں تھی کیونکہ کنگ فو کے کسی ماسٹر کے لئے جسمانی قوت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں کوئی دلچسپی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

وہ آگے بڑھے تو انہیں ایک محل نظر آیا۔

چٹانی پتھروں کو کاٹ کر محل بنایا گیا تھا۔ کنگ نے اب تک جتنے بھی محل دیکھے تھے ان میں یہ سب سے مضبوط محل تھا۔ وہ اس محل کی طرف بڑھنے لگے۔ کنگ سوچ رہا تھا کہ کیا کاکنان اس محل میں موجود ہو گا۔ محل کے چاروں طرف گہری خندق تھی اور اس میں گاڑھے سیال جیسا پانی تھا۔ خندق پر ایک پل تھا جو پھاٹک تک بنا ہوا تھا۔ دروازے یا پل پر کوئی محافظ نہیں تھا۔

وہ دروازے سے اندر داخل ہوئے تو کنگ کے ذہن میں بلیک سپیرٹ شراب خانہ گھوم گیا۔ اسے محل میں اس قدر آسانی سے داخلے پر حیرت تھی۔ محل میں چرس کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ دروازے سے اندر جاتے ہی ایک برہنہ لڑکی ان کے سامنے آگئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک ٹرے تھی جس پر کانچ کا ایک خوبصورت حقہ تھا حقے کی نے سے دھواں نکل رہا تھا۔ لڑکی نے ٹرے والے ہاتھ آگے بڑھائے۔ "آپ کو کتنی لڑکیوں کی ضرورت ہے؟"

یوسف جلدی سے آگے بڑھا۔ کنگ نے حقے کی نے اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے ایک کش لگایا اور بربر زبان میں لڑکی سے بولا۔ "ہم عظیم کاکنان سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔"

لڑکی کی نشے سے بوجھل آنکھیں پھیل گئیں۔ "کاکنان مصروف ہے اور اپنے نہیں بلایا جا سکتا۔ اس کے پاس ایک نئی سفید فام لڑکی ہے اور وہ اسے چھوڑ کر جلدی باہر نہیں آسکے گا۔"

"ٹھیک ہے' ہم انتظار کریں گے۔" یوسف نے جواب دیا "اور انتظار کی کوفت دور کرنے کے لئے....." وہ معنی خیز انداز میں مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

کنگ کمرے میں موجود آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ ہر طرف چٹائیوں اور قالینوں پر برہنہ اور نیم برہنہ مرد اور عورتیں اخلاق و آداب کو بالائے طاق رکھ کر چرس کے نشے میں ڈوبے ہوئے پڑے تھے۔ کنگ نے جھرجھری لی اور ان چار سرخ لبادے والوں کی طرف نظریں گھمائیں جو ایک طرف بیٹھے ایک جوڑے کی خرمستیاں دیکھ رہے تھے۔ چونکہ وہ خود اس محفل نشاط میں شامل نہیں تھے اس لئے کنگ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ کنگ فو کے ماسٹر ہیں۔

لڑکی جلدی واپس آئی۔ اس کے ساتھ چھ لڑکیاں اور تھیں جن کے چہرے جذبات سے عاری تھے۔ ان کے برہنہ جسم زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ نگاہیں جھکائے کھڑی تھیں۔ لڑکی انہیں کنگ اور اس کے ساتھیوں کے حوالے کرکے چلی گئی اور وہ لڑکیوں کے ساتھ ایک نیم تاریک گوشے میں بیٹھ گئے لڑکیوں نے محسوس کیا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ کی طرف راغب نہیں ہے' تو آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھی رہیں۔ ان کے چہروں پر مایوسی' خوشی یا حیرت کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ کنگ اور اس کے ساتھیوں کو بے چینی سے کاکنان کے باہر آنے کا انتظار تھا البتہ یوسف حیرت سے آنکھیں پھاڑے چھ میں سے ایک لڑکی کو مسلسل گھور رہا تھا۔

کاکنان چرس کے دم لگا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ ادھ کھلی آنکھوں سے کیری کو گھور رہا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے وہ مراکش ایکسپریس سے اٹھا لایا تھا۔ پھر وہ پانچ لاکھ فرانک کے لئے بلیک پیرٹ کے مالک شیلے کے حوالے کر دی گئی تھی لیکن شیلے کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے صرف ایک لاکھ فرانک اور کیری پر قناعت کرلی تھی' حالانکہ لڑکی دکھا کر اور رقم حاصل کرکے اسے دونوں کو عبداللہ تک پہنچا دینا تھا تاکہ رقم اور لڑکی کو شیطانوں کی جنت میں کاکنان کو پہنچا دیا جاتا۔

کیری اس وقت بھی برہنہ تھی اور شیلے کا قاتل ایلبانو اسے بری طرح کچل رہا تھا۔ اس شیطانی کھیل سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کاکنان سوچ رہا تھا کہ اسے اپنی قوت بحال رکھنے کے لئے کتنی بڑی قربانی دینا پڑتی ہے۔ وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کیری کو گھورنے لگا جس نے چند منٹ تک جدوجہد کی تھی اور پھر اس کا پورا جسم ایلبانو کے رحم و کرم پر تھا۔

اچانک اسے عبداللہ کے پے در پے شکستوں کا خیال آگیا۔ اس نے دونوں برہنہ جسموں سے منہ موڑ لیا۔ اس کی آنکھیں خون آلود محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا پورا جسم غم و غصے سے تن گیا۔ اس کے جسم کے ایک ایک حصے سے توانائی پھوٹ رہی تھی۔ اس قدر ناکام آدمی کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ عبداللہ اندر داخل ہوا۔

وہ تعظیماً جھکا۔ ترک مقرر نے کاکنان کی طرف دیکھا جو بغور اسی طرح دیکھ رہا تھا جہاں وہ جھکا کھڑا تھا۔ خود عبداللہ کے چہرے پر ناراضگی کے تاثرات تھے۔ وہ کوئی بڑی رقم وصول کرنے کے لئے اسی طرف ناراضگی کا اظہار کرتا تھا اور کسی بھی مشن سے واپسی پر اس کی یہی حالت ہوتی تھی۔

"عظیم عبادت خانے میں چند آدمی تم سے ملاقات کے لئے آئے ہیں کاکنان!"

اس نے کہا۔

"ان سے کہو کہ فی الحال اصطبل میں لیٹ کر سو جائیں۔" کاکنان غرایا۔

عبداللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے چرس کا وزنی حقہ فرش سے فضا میں بلند ہوا اور پھڑپھڑاتا ہوا عبداللہ کی طرف آیا حقے کا نچلا حصہ دھات کا بنا ہوا تھا' وہ پوری قوت سے عبداللہ کے سینے سے ٹکرایا اور اس کا سینہ یوں کھل گیا جیسے کاغذ کا بنا ہوا ہوں وہ ابھی دروازے میں ہی کھڑا تھا۔ الٹ کر گرا اور کروٹ بدل کر اٹھنے لگا لیکن لڑھکتا ہوا زینے پر پہنچ گیا۔ اس کی خون میں نہائی ہوئی لاش درجنوں سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی اس بڑے ہال میں آگری جہاں چرس کا دھواں پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف برہنہ جوڑے بکھرے ہوئے تھے۔

یوسف اس وقت بھی برہنہ لڑکی کو گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی پیدا ہو گئی تھی اور ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا لیکن فادر ہانسل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "نہیں بیٹے....." یوسف کی سرگوشی سانپ کی پھنکار جیسی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔ خاموش ہو' تم جذبات میں آکر کھیل بگاڑ دو گے۔" فادر ہانسل اسے سمجھانے لگا۔

کنگ کے کانوں میں بھی ان کی باتوں کی بھنک پڑ گئی تھی۔ اس نے لڑکی کی طرف بغور دیکھا۔ وہ ایک خوبرو لڑکی تھی لیکن اب تک اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر یوسف کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ کنگ جانتا تھا کہ یہ یوسف کی منگیتر اور چچا زاد بہن غزالہ ہے جسے کاکنان کے گرگے بستی پر حملہ کرکے اٹھا لائے تھے اور یوسف اس کی تلاش میں ایک عرصے سے مارا مارا پھر رہا تھا۔

اچانک وہ چونک پڑے۔ عبداللہ کی خون میں نہائی ہوئی لاش زینے سے لڑھک کر فرش پر آگری تھی۔

وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے لیکن ان سے پہلے ہی ایک آدمی برہنہ حالت میں لاش کے پاس پہنچا۔ اس نے جھک کر لاش کو دیکھا اور چھت کی طرف منہ کرکے ایک کریہہ چیخ حلق سے نکالی۔" یہ عبداللہ ہے..... ہمارا استاد اور سردار..... اسے قتل کیا گیا ہے۔" پھر اس کا لہجہ بدل گیا۔ "کاکنان اور اس کے ساتھیوں کے لئے موت کا پیغام بن جاؤ..... دوستو اٹھو..... اب ہمارے لئے ہر شے حرام ہے..... ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔"

اس کی چیخوں سے ہال میں کہرام برپا ہو گیا۔ عبداللہ کے ان گنت شکست خوردہ ساتھی وہاں داد عیش دے رہے تھے لیکن اب ان میں ہلچل پیدا ہو گئی تھی۔ نشے نے ان

کا حلیہ خراب کر رکھا تھا۔ ان کی حالت اندھوں جیسی تھی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے عبداللہ کی لاش کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کنگ اور اس کے ساتھیوں نے تاریک گوشے سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن مور کا اشارہ پاکر رک گئے۔ انہیں وہ چار سرخ لبادوں والے زینے کے سامنے کھڑے نظر آرہے تھے۔ جنہیں وہ چرس پیتے دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے چیخ و پکار کرنے والے عبداللہ کے ساتھیوں کو روک رکھا تھا۔ اچانک ان کی طرف لپکے اور پھر ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہو گیا۔

بڑے ہال میں چیخوں' کراہوں اور دردناک آوازوں کا شور بلند ہوا۔ خون کے چھینٹے برسنے لگے اور ہڈیاں بکھرنے لگیں۔ ریڈ سرکل کے چاروں گنگ فوماسٹران کے لئے ضرورت سے زیادہ تھے۔ ان کے نزدیک جانے والا ہر آدمی ہڈیوں اور گوشت کا خون آلود ڈھیر بن رہا تھا۔ کنگ کے بازوؤں کی مچھلیاں کانپ رہی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کمرے میں انسانی جسموں کا قیمہ بنانے کی چار مشینیں لگی ہوئی ہوں۔

غلام لڑکیاں سہمی ہوئی ہرنیوں کی طرح ادھرادھر دوڑ رہی تھیں۔ ان میں سے بعض اس ہجوم میں پس کر رہ گئی تھیں۔ مور اور قادر ہانسل اگر نہ روکتے تو شاید ان کے ساتھی بھی اس خونریز جنگ میں اندھا دھند کود چکے ہوتے۔ کنگ جانتا تھا کہ عبداللہ کو ہلاک کرنے والا کاکنان ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس پر ہاتھ اٹھانے کی کوئی جرات بھی نہیں کرسکتا تھا۔ عبداللہ کو جس انداز میں قتل کیا گیا تھا وہ بھی اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ ماسٹرہاتھ کے علاوہ یہ کسی اور ہاتھ کا کمال نہیں ہو سکتا۔

دیواروں سے لگی ہوئی برہنہ لڑکیاں چیخ رہی تھیں۔ مرنے والوں کی آخری چیخیں' للکارنے والوں کی دھاڑیں اور ہڈیاں چٹخنے کی آوازوں سے در و دیوار کانپ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب بڑے ہال میں لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگیں تو شکست خوردہ سپاہی بھاگنے لگے۔ ریڈ سرکل کے ماسٹروں نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ وہ انہیں اوپر جانے سے روکنا چاہتے تھے اور اس مقصد میں نہیں کامیابی ہوئی تھی۔

وہ چاروں خاموشی سے زینے کی طرف بڑھے۔ ابھی انہوں نے چند سیڑھیاں ہی طے کی تھیں کہ مور نے کنگ کو اشارہ کیا اور خود بھی ہال کے روشن حصے میں کود گیا۔ "رک جاؤ دوستو..... تمہیں نرم گوشت کاٹنے کا موقع مل چکا ہے۔" اس کی غراہٹ خوفناک تھی۔ "اب تمہیں اپنے برابر کے چند آدمیوں سے بھی نمٹ لینا چاہئے۔"

چاروں ماسٹر رک گئے انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ سرخ لبادوں میں انہیں اپنے ہی آدمی نظر آئے۔

"کیا تم سب بغاوتوں پر آمادہ ہو' ایک نے کہا۔

"نہیں..... مور نے ہنس کر کہا۔" بلکہ ہم تمہیں بغاوت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے اپنا سرخ لبادہ اتار کر پھینک دیا۔ نیچے سے نیلے لبادے کی جھلک دیکھتے ہی وہ چاروں بجلی کی سی تیزی سے نیچے آئے اور آہنی دیواروں کی طرح چند قدم کے فاصلے پر رک گئے۔ انہوں نے ان گنت جسموں کو انہی کے خون میں نہلایا تھا لیکن خود ان کے جسم پر خون کا خفیف سا دھبہ بھی نہیں تھا۔ ان کے چہرے خراشوں سے پاک تھے۔

یوسف جوش و غصے سے آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ کنگ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور بروقت اسے پیچھے کھینچ لیا ورنہ وہ بھی قیمہ بن چکا ہوتا "نہیں....." کنگ نے نرمی سے کہا لیکن لہجہ تحکمانہ تھا۔ "تم جس انداز میں لڑنے کے ماہر ہو اس کا مظاہرہ کر چکے ہو۔ اب یہ ہمارا کام ہے۔ تمہیں کچھ نہ کچھ سیکھنا چاہئے۔ کیا میں امید رکھوں کہ تم ہمارے لئے کوئی دشواری نہیں پیدا کرو گے۔"

نوجوان یوسف کی انگلیاں سفید پڑ گئیں۔ اس کے جبڑے اور انگلیاں بری طرح بھنچ گئی تھیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ کر رخساروں پر آگئے تھے۔ اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔ اور پیچھے ہٹ گیا تھا۔ مور کے دونوں بیٹے اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں سامنے کھڑے ہوئے چار حریفوں میں سے اپنے مقابل کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ مور سیاہ فام تھا لیکن اس کے سیاہ چہرے سے خوشی صاف جھلک رہی تھی۔ وہ اس وقت بڑے خوشگوار موڈ میں تھا۔ اس نے اپنا حریف تلاش کر لیا تھا اور غالباً ریڈ سرکل کے اس ماسٹر نے بھی اس کی نگاہوں کے چیلنج کو پڑھ لیا تھا۔ وہ بے خوفی سے براہ راست مور ہی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

جنگ کا آغاز اچانک اور بڑی پھرتی کے ساتھ ہوا۔

سہمی ہوئی لڑکیوں کے منہ اور آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ دونوں ٹانگیں اور دونوں ہاتھ' چار ہتھیاروں کی طرح ایک دوسرے پر استعمال کرتے ہوئے وہ دائرے میں گھوم رہے تھے۔ کنگ کا ذہن اس مرحلے پر دو حصوں میں بٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس مرتبہ بھی کاکنان اس کی دسترس سے دور نہ ہو جائے۔ وہ ایک بار پہلے بھی اسے دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور کنگ کو اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں مور کا شکریہ ادا کیا جس نے انہیں روک کر ریڈ سرکل کے ماسٹروں کے لڑنے کا انداز دیکھنے کا موقع دیا تھا۔ ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر کنگ سوچ رہا تھا کہ اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔

وہ کوئی داؤ استعمال نہیں کر رہا تھا۔ اس کے لڑنے کا انداز دفاعی تھا۔ حریف یہ

سمجھا کہ وہ کمزور پڑ رہا ہے۔ بس اسی میں وہ مار کھا گیا۔ اس کی ٹانگ بار بار کنگ کے سر کے اوپر سے گھوم کر گزر رہی تھی۔ کنگ مسلسل پیچھے ہٹ رہا تھا اور پھر..... اس کی دائیں اور بائیں ہتھیلیاں سخت ہونے لگیں۔ وہ گھوما اور ٹانگ لہرانے کے بعد دونوں ہتھیلیاں تلواروں کی طرح گھمائیں۔ حریف دائیں ہتھیلی سے بچنے کے لئے بائیں طرف جھکا اور اسی وقت بائیں ہتھیلی اس کی گردن پر پڑی۔

وار اتنا کارگر تھا کہ اس کی گردن ٹوٹ کر کندھوں کے درمیان لٹک گئی۔ کنگ نے پھرتی سے اچھل کر اس وار کو بچایا جو مرتے مرتے بھی حریف نے کر دیا تھا۔ اس کی گھومتی ہوئی ٹانگ کے سامنے اس نے پاؤں جما دیا۔ گھٹنا ٹوٹ گیا اور ٹانگ ٹوٹ کر نازک شاخ کی طرح فرش پر گر گئی۔

ابراہیم اور عبدل بجلی کی طرح ایک طرف سے دوسری طرف کود رہے تھے لیکن ابھی تک ان دونوں کو کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اسی لمحے مور کا داؤ چل گیا۔ اس کی دائیں انگلی خنجر کی طرح اپنے مقابل کے نرخرے میں گھس گئی تھی۔ چیخ بڑی دلدوز تھی لیکن جب وہ لاش سے ہٹا تو کنگ نے دیکھا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں انگلیوں کا خنجر حریف کے سینے کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

مرنے والے کی چیخ تھی یا کوئی شیطانی آواز! ہال کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا۔ پسلیاں ٹوٹنے کی آواز کسی سوکھے درخت کی شاخیں ٹوٹنے جیسی آواز تھی۔ وہ اپنے ساتھی کی موت پر ہراساں ہو گیا لیکن اسے زیادہ دیر تک حیرت اور خوف کا مظاہرہ کرنے کی مہلت نہیں ملی کیونکہ ابراہیم کا ہاتھ اس کی پیشانی کو دو حصوں میں پھاڑ چکا تھا۔ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرا اور تڑپے بغیر ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

اچانک عجیب حادثہ ہوا۔ ایک خنجر بجلی کے کوندے کی طرح چمکا تھا لیکن فادر ہانسل نے جس برق رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا کنگ اسے دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا اور اسے یہ سمجھنے میں تھوڑی سی دیر بھی لگ گئی کہ درحقیقت ہوا کیا تھا۔ فادر ہانسل فرش پر گرا تو اس کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا تھا۔ خنجر نے کنگ کی بجائے اسے اپنا نشانہ بنا لیا تھا۔

مرنے سے پہلے فادر ہانسل نے صرف یہی کہا۔ "میں نے تمہارا قرض ادا کر دیا ہے..... تمہارا قرض ادا کر....."

وہ ایک پر اسرار جسم تھا جس کی موجودگی کنگ نے فوراً ہی محسوس کی۔

اس نے زینے سے اوپر نگاہ دوڑائی۔ وہ پر اسرار وجود بالکونی میں کھڑا تھا۔ یہ سفید فام ایلبانو تھا۔ کنگ کے ساتھ ساتھ باقی ساتھیوں کی نگاہ بھی ادھر اٹھ گئی۔ انہیں

متوجہ دیکھ کر ایلبانو مسکرایا۔ "جب کوئی خوشی سے مرنا چاہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ فوراً ہی کنگ کے دو ساتھی زینے کی طرف لپکے۔ مور اور کنگ ساتھ ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک ایک جست میں تین تین سیڑھیاں طے کیں مگر جب وہ بالکونی میں پہنچے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

ان کے سامنے ایک طویل راہداری تھی۔ وہ ایک کے بعد دوسرے دروازے پر پہنچے۔ تمام دروازے بند تھے۔ ڈریگن ایکمپس سے بار بار ہزاروں پرزوں میں تقسیم ہو کر دروازے منتشر ہوتے چلے گئے لیکن کمرے خالی تھے۔ پہلا' دوسرا' تیسرا اور چوتھا کمرہ بھی خالی نکلا۔ کنگ حیران تھا کہ کاکنان کہاں گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ریڈ سرکل کی اس برہنہ لڑکی نے جھوٹ بولا ہو؟ جب وہ آخری دروازے پر پہنچے تو کنگ حیران تھا کہ آخر ایلبانو کس قسم کا حریف ہے؟ کیا وہ کنگ کو جانتا ہے؟ غالباً اس کے خیالات مور نے پڑھ لئے تھے۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "محتاط رہو..... بہت عیار قاتل ہے۔ خنجر کے معاملے میں شاید اب تک اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔"

انہوں نے بیک وقت پاؤں اٹھائے۔ ڈریگن اسٹمپ نے آخری دروازے کو بھی ان گنت حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کمرے میں انہیں عیار قاتل تو نہیں البتہ کیری ضرور مل گئی۔ وہی کیری جو پانچ منٹ پہلے ایلبانو کے نیچے کچلی جا رہی تھی۔ وہ بے ہوش تھی یا بے ہوش ہونے والی تھی' کنگ کاکنان اس کی دھڑکن سننے میں ناکام رہا۔

"کمینے کتے....." مور نے نفرت سے تھوک کر کہا۔ اس کا سیاہ ہاتھ بڑھا اور کیری کا دودھیا ہاتھ پکڑ کر اس نے بازو کو کنگ کی طرف گھمایا۔ "اس کے سینے میں جو زخم ہے وہ ابھی ابھی بنایا گیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ لڑکی دس منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"کیا یہ کاکنان کی حرکت ہے؟"

"ممکن ہے یہ ایلبانو کا کیا دھرا ہو۔" مور نے کہا۔

کنگ نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازے کی طرف واپس مڑا۔ چند لمحوں کے بعد راہداری میں کھڑے اس بالکونی کو دیکھ رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے ایلبانو موجود تھا اور اب وہ خالی پڑی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ کنگ نے جھانک کر نیچے دیکھا۔ اسے ایک سایہ نظر آیا۔ وہ تیزی سے دوڑ رہا تھا۔

"میں اسے دیکھتا ہوں۔" مور نے کہا۔ "میرا خیال ہے تم کاکنان کو تلاش کرنا پسند کرو گے۔"

کنگ خاموش رہا۔ اس کی آنکھیں ملگجے اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔ مور

کھڑکی سے اچھل کر زمین کی طرف گرنے لگا۔ وہ خندق کے اوپر سے گزرتا ہوا زمین پر جا گرا اور چند لمحوں بعد اس نے بھی ایک ہیولے کی شکل اختیار کرلی تھی۔ کنگ چند لمحوں تک مور کے سائے کو دیکھتا رہا پھر اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ سارا علاقہ خالی ہوگیا ہو یا پھر سب کے سب گہری نیند سو رہے تھے۔ کہیں ہلکی سی بھی حرکت نظر نہیں آرہی تھی۔ کنگ کو پوری بستی مردوں کا گاؤں محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک نیچے سے اسے ایک عجیب آواز سنائی دی۔ کنگ کی آنکھیں فوراً ہی سکڑ گئیں۔ اس نے خندق کی طرف دیکھا اور اس کی ذہن میں فوراً ہی خیال آیا۔ "خندق....." وہ زیر لب بولا۔ اس کے ذہن میں ماضی کا ایک منظر گھوم گیا جب تھائی لینڈ کے ایک دریا میں وہ تقریباً ڈوب ہی گیا تھا۔ اس نے اثبات میں سرہلایا۔ یقیناً کاکنان اس مرتبہ بھی اسی انداز میں لڑنا پسند کرے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاکنان خندق میں موجود ہے اور اس کا انتظار کر رہا ہے۔

چند سیکنڈ بعد کنگ نے کھڑکی سے خندق میں چھلانگ لگائی اور اس کا طاقتور جسم پانی کی سطح سے ٹکرایا۔ پانی میں گرتے ہی اسے احساس ہوا کہ پانی عجیب گاڑھا اور لیس دار ہے۔ دلدل کی پتلی کیچڑ جیسا یہ پانی اس کے جسم سے چپک رہا تھا اور کنگ کو نیچے کھینچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید تکلیف ہونے لگی لیکن اس تکلیف کی وجہ پانی کا نمک نہیں تھا۔ پانی میں کودنے کے بعد اسے ایک احساس یہ بھی ہوا کہ اس کا بہاؤ ایک خالی سمت میں ہے۔ وہ خاموشی سے اسی طرف تیرنے لگا لیکن گاڑھے پانی کی وجہ سے اسے تیرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیلے اور پیلے سے دھبے چکرانے لگے۔

کنگ کو اپنے پھیپھڑوں میں تکلیف کا احساس ہوا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ جانتا تھا کہ بہاؤ ختم ہوتے ہی کاکنان سے آمنا سامنا ہو جائے گا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کاکنان نے ہی اس کے لئے منصوبہ بندی کی تھی۔ مور نے ایلبانو کا پیچھا کیا اور وہ تنہا رہ گیا۔ یہ بات کاکنان کے منصوبے کے مطابق تھی۔

اچانک اس نے اپنا جسم گرتا ہوا محسوس کیا۔ یہ ایک خالی جگہ تھی۔ دونوں طرف رنگین چٹانی پتھر تھے۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ پچاس فٹ کے فاصلے پر ایک جگہ سے چاند نظر آرہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اسی طرف تیرنے لگا۔ کنگ کے ذہن پر غبار سے چھا رہا تھا۔ اسے وہ چمکیلا خلا میلوں دور محسوس ہونے لگا۔

اس نے غصے سے سر کو جھٹکا دیا۔ ذہن پر چھانے والا غبار بڑھتا جا رہا تھا تب اسے احساس ہوا کہ خندق کے گاڑھے پانی میں کوئی نشہ آور چیز ملی ہوئی ہے۔ یہ اس پانی

ہی کا کمال تھا کہ اس کا جسم نشے کی حالت میں مبتلا ہو رہا تھا۔ جب وہ اس چمکیلے خلاء کے قریب پہنچا تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں پہنچنے میں چند منٹ نہیں بلکہ کئی گھنٹے لگ چکے ہوں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ غنودگی اور سستی کی یہ حالت کاکنان کا سامنا ہونے سے پہلے ختم ہو جانی چاہیے۔ وہ اسے کوئی بھی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جس سے کاکنان کو ایک بار پھر فرار ہونے کا موقع ملتا۔ صحرائے گوبی سے اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہ اب تک کئی بار اسے غچہ دے کر صاف نکل گیا تھا اور کنگ اس موقع پر اسے ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

جب وہ اس خلا کے پاس پہنچا اور سر باہر نکالا تو اسے احساس ہوا کہ وہ جگہ اس مقام سے ایک فٹ کے فاصلے پر ہے جہاں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوا تھا۔ وہ باہر نکلا اور چٹان کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا جسم میٹھے میٹھے درد سے جکڑا ہوا تھا اور وہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا جیسے نشے میں دھت ہو۔

دفعتاً" اس کی ٹانگیں بے جان ہونے لگیں اور وہ گر گیا۔ چٹان اس سے چند قدم دور تھی۔ آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس نے وہ سیاہ پرندہ دیکھ لیا تھا جو اس سے چند فٹ دور زمین پر پڑا ہوا تھا۔ یہ کاکنان کی طرف سے ایک مخصوص اشارہ تھا۔ ایک ایسا اشارہ جس کا مطلب تھا کہ وہ اس کا چیلنج قبول کر چکا ہے۔

یوسف نے بوڑھے فادر ہانسل کی لاش سے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آنسوؤں کی نمی رخساروں پر بھی دیکھی جا سکتی تھی۔ چند لمحوں تک اپنے ساتھیوں کو گھورتا رہا جو اس کے قریب خاموش کھڑے تھے۔ اس نے سر کو جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ فادر ہانسل کی موت نے اس کے دل و دماغ میں عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی۔ وہ خود کو جیالا نوجوان نہیں بلکہ ایک ذمے دار آدمی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے زیر لب کہا۔ "الوداع..... بوڑھے باپ..... الوداع..... تم نے ہمیں بہت کچھ سکھایا ہے۔ خدا تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں اور آخری آنسوؤں کو بھی رخساروں پر بہہ جانے دیا۔

وہ اپنی چچا زاد بہن غزالہ کی طرف بڑھا۔ لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کی روح ابھی زندہ ہے۔ جس وقت درجنوں درندے اس کے جسم کو پامال کر رہے تھے اور اسے دشنام آمیز نگاہیں برداشت کرنا پڑی تھیں تو اس دوران میں غزالہ نے اپنی پاکیزہ روح کو ان سب سے پہلے ہی بچا لیا تھا۔

غزالہ آگے بڑھی۔ اس کی آنکھیں فادر ہانسل کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے حرکت میں آتے ہی بڑے ہال میں موجود سارے برہنہ جسم حرکت میں آ گئے۔ لاشوں جیسے بدن اپنے باپ کی لاش پر آنسو بہانے لگے تو یوسف کا جی ایک بار پھر بھر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر لاش اٹھالی اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

دروازے کے قریب غزالہ رک گئی۔ اس نے ایک نظر یوسف کی طرف دیکھا۔ اس کی جذبات سے پر نم آنکھوں میں پہلی بار شرم و حیا کے تاثرات ابھرے۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ "یوسف!..... استقلال!"

یوسف کا حلق خشک ہو رہا تھا وہ جواب میں کچھ نہیں کہہ سکا۔

"ہمیں گھر لے چلو یوسف!" غزالہ نے سرگوشی کی۔

وہ باہر چاندنی میں نکل آئے۔

جس وقت یہ قافلہ رواں دواں تھا تو نیم تاریکی میں چھپے ہوئے جسموں میں بھی حرکت پیدا ہوئی اور برہنہ لڑکیاں چاروں طرف سے دوڑ پڑیں۔ ان کی چیخ و پکار سے زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ چاند کی نرم و نازک کرنیں آگ برساتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ان بے جان جسموں میں ایک بار پھر زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی جنہیں پے در پے ذلتوں نے مردہ کر دیا تھا۔

اچانک سینکڑوں خنجر چمکے جن مردوں کو چھوڑ کر وہ عورتیں اس قافلے کی طرف بڑھتی تھیں انہوں نے جوش انتقام میں حملہ کر دیا تھا۔ یوسف اور اس کے ساتھیوں کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ حملہ آور کیا چاہتے ہیں۔ یوسف نے فادر ہانسل کی لاش آہستگی سے زمین پر اتاری اور پیٹی سے خنجر کھینچ کر مقابلے پر ڈٹ گیا۔

برہنہ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ حملہ آوروں پر پل پڑی تھیں انہوں نے جوش انتقام میں اپنے ناخنوں سے حملہ آوروں کے چہروں کو سینکڑوں زخموں سے بھا دیا۔ ان کی آنکھیں نوچ لیں اور زخمیوں کو پتھروں سے کچل دیا۔ یوسف اور اس کے ساتھی بڑھ بڑھ کر باقی ماندہ آدمیوں سے نمٹ رہے تھے۔

چند منٹوں میں ندی کا پانی سرخ ہو گیا۔ اب اس میں صرف خون ہی خون بہہ رہا تھا۔

اس ہولناک جنگ میں چند لڑکیاں کام آ گئیں لیکن ان کی موت کا کسی کو غم نہیں تھا۔ لڑکیوں کو محفوظ مقام پر پہنچا کر یوسف اور اس کے ساتھی واپس آئے اور شیطانوں کی جنت کے ایک ایک حصے میں قید لڑکیوں کو آزاد کرنے لگے۔ کیری باب مر چکی تھی۔ اس کی لاش کو بھی اٹھا لیا گیا تاکہ اس کے بدنصیب باپ کے حوالے کر دی جائے۔ ایک

جگہ وہ ٹھٹھک کر رک گئے۔ انہیں ایلبانو کی صورت نظر آئی۔ یہ سفاک قاتل اس وقت سہمے ہوئے بیل کی طرح دوڑ رہا تھا۔ اس کا چہرہ لہولہان تھا اور ہاتھ پاؤں شل تھے۔ مور نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایلبانو کی پہلے ایک کلائی توڑی پھر دوسری' اس کے بعد وہ اس کی آنکھوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جب فنگر ڈیگر نے اس کی دونوں آنکھیں باہر نکال دیں تو ایلبانو کی چیخیں شیطانوں کی جنت کے ذرے ذرے کو لرزانے لگیں۔

"اسے سنبھالو یوسف! میں اسے جان سے نہیں ماروں گا۔ یہ نشان عبرت بن کر بستی میں رہے گا۔" مور نے سپاٹ لہجے میں کہا اور یوسف نے آگے بڑھ کر ایلبانو کو جکڑ لیا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ دیوانگی میں وہ بار باران سے اپنی موت کی درخواست کر رہا تھا لیکن کسی کے کان ان آوازوں کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

گزرتے ہوئے قافلے پر خاموشی طاری تھی لیکن ان کے قدموں کی آہٹ سے چٹانیں لرز رہی تھیں۔ کنگ کو ہوش آیا تو اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک مشعل بردار جلوس جا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جسم ابھی تک میٹھے میٹھے درد میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے چاند کی طرف دیکھا۔ اسے زیادہ دیر غافل نہیں رہنا پڑا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ایک سائے پر پڑی جو اس سے کچھ فاصلے پر منتظر کھڑا تھا۔ یہ کاکنان تھا۔ کنگ کا پورا جسم تن گیا۔ وہ دل ہی دل میں اس طاقتور حریف کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا جو اس کی غفلت سے فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کی توقع کسی کنگ فو ماسٹر سے ہی کی جا سکتی تھی۔

دونوں شاہانہ انداز میں کولہوں پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے کی طرف سے حملے کا انتظار کرنے لگے۔ کنگ نے پورے جسم کے عضلات اکڑا کر اس نشہ آور کیفیت کو ختم کر دیا تھا اور اب وہ نہ صرف ہر لحاظ سے تازہ دم تھا بلکہ اس کے دل میں نفرت کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ لڑائی کے دوران دماغ بے قابو نہ ہونے پائے۔ غصے کی حالت میں کنگ فو کی کسی تکنیک کو صحت کے ساتھ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کنگ نے بیقراری کے ہاتھوں مجبور ہو کر آہستہ آہستہ کاکنان کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔

تین گز کے فاصلے سے اس نے گلائیڈنگ لیپ کے ساتھ کاکنان کے سر کو نشانہ بنایا۔ کاکنان نے ڈبل ڈریگن اسٹمپ کو آسانی سے رد کر دیا۔ کنگ واپس زمین پر پہنچا تو کاکنان پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ کاکنان نے لاشنگ کک اس کی ریڑھ کی ہڈی پر مارنے کی کوشش کی تھی لیکن کنگ پھرتی سے اس کی زد سے باہر نکلا اور کاکنان کی ٹانگ اس سے ایک انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔

کاکنان جیسے ہی زمین پر پہنچا کنگ اچھلا۔ اس نے فضا میں بلند ہوتے ہی ہدف دیکھ لیا تھا۔ کاکنان بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ دونوں حریف پہلے بھی آمنے سامنے آچکے تھے اس لئے وہ بڑی حد تک ایک دوسرے سے واقف تھے۔ کاکنان نے کنگ کے حملے سے پہلے ہی پھرتی سے کھوپڑی توڑنے والی ضرب لگائی لیکن کنگ کی پاؤنڈنگ ویو نے کاکنان کی ضرب کو پانی بنا دیا۔ اس نے سر کو دائیں جانب جھکایا اور فوراً ہی دایاں پاؤں ضرب لگانے کے لئے سخت ہو گیا جیسے ہی کنگ نے کاکنان کی طرف دھوکے کا وار کیا اور سخت ٹانگ لہرائی کاکنان کی آہنی ایڑھی کی تیز دھار نے اس کی پشت پر چرکہ لگا دیا۔ کنگ تڑپ کر پلٹا اور اس کا بایاں ہاتھ گھوم گیا۔ کاکنان کی ناک کے سامنے سے تباہ کار گولے کی طرح گھومتا ہوا ہاتھ بغیر کوئی نقصان پہنچائے گزر گیا۔ کنگ نے چاندنی میں کاکنان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے عضلات میں سختی پیدا ہو گئی تھی لیکن آنکھیں اس کی پھرتی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکیں۔ غالباً کاکنان کو پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ کنگ واقعی اس کے مقابلے کا ماسٹر ہے۔

کنگ کے دونوں پاؤں چٹان پر گھومے۔ اس نے پشت کاکنان کی طرف کرلی' وہی پشت جو ابھی چند لمحے پہلے کاکنان کے حملے سے ریزہ ریزہ ہونے والی تھی' اب وہاں خون کا دھبہ نمودار ہو رہا تھا۔ اس زعم نے کنگ کو مزید ہوشیار کر دیا نشے کی رہی سہی قوت بھی زائل ہو گئی اور وہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ کنگ کا ٹائیگر کلا' کاکنان کے چہرے کی طرف لپکا۔ کاکنان بڑی صفائی سے جھکا اور ہیڈ پنچ سے جواب دیا لیکن وہ کنگ کی رانوں کے درمیان میں ضرب لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کنگ نے دایاں گھٹنا اٹھایا اور ضرب کی سمت بدل دی۔ کاکنان کی ہتھیلی ہڈی پر پڑی اور رائیگاں گئی۔ اسی دوران میں کنگ کی دائیں کہنی کاکنان کے جھکے ہوئے سر کی طرف لپکی لیکن کاکنان نے بیک وقت مونکی بلو اور لاشنگ کک استعمال کرکے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اسی مہلت میں کنگ کے پیٹ سے ایک بار پھر کاکنان کی تیز دھار آہنی ایڑی ٹکرائی اور خراش میں خون بھر گیا۔

دوسرا زخم لگتے ہی کنگ رقص کے انداز میں دائیں طرف کودا اور کاکنان کی پیچھے ہٹتی ہوئی ٹانگ پر ہیمر بلو لگائی۔ اس کی مٹھی کاکنان کے کھلے پائنچوں والی پتلون کی تہوں کو کاٹتی ہوئی نکل گئی۔ کنگ کے چہرے پر سکون تھا۔ وہ کاکنان کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

رات گزر چکی تھی اور اب افق پر سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ کاکنان نے فضا میں کچھ سونگھا اور خود کو چٹان پر گرا دیا' پھر وہ پھرتی سے فضا میں بلند ہوا۔ یہ ایک

خطرناک حملہ تھا۔ اگر کنگ سے ذرا سی چوک ہو جاتی تو آج کا سویرا اس کی زندگی کی شام بن جاتا۔ کاکنان کا ڈریگن اسٹمپ بیکار کرکے اس نے ٹائب سلیش استعمال کیا۔ اس کی تلوار جیسی کاٹ رکھنے والی انگلیاں کاکنان کے نرخرے سے ایک انچ کے فاصلے سے گزر گئیں کنگ نے بیک وقت بچھو کے ڈنگ کے طرح اسکارپین بلو اور بندر کے پنجے کی طرح مونکی بلو استعمال کئے۔ کاکنان ایک فٹ کے فاصلے پر گر گیا۔ اس نے گرتے ہی راک سمیش سے اپنا دفاع کیا لیکن کنگ کے وار اس کے ہاتھوں کو زخمی کر رہے تھے۔ کنگ نے اسی دوران میں اپنا خطرناک ترین وار کیا' لیکن کاکنان بجلی کی طرح تڑپ کر اپنا گلا بچا گیا۔ لاشنگ کک اس مرتبہ بھی رائیگاں گئی تھی۔

کاکنان کا کندھا اور دایاں ہاتھ ٹائیگر کلا سے زخمی ہوا تو اس نے کنگ کی ران کے گوشے میں چوٹ مارنے کی کوشش کی لیکن اس وقت کنگ کا بازو نصف دائرے کی شکل میں گھومتا ہوا اس کے اپنے سر پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے اپنا وار ملتوی کرکے اس جان لیوا وار سے بچنے کے لئے بڑی پھرتی سے سوونگ برڈ استعمال کیا۔ یہ اس کی حاضر دماغی ہی تھی جو پھرتی کے ساتھ ساتھ اسے بچا گئی ورنہ اس کی کھوپڑی چیتھڑوں میں تبدیل ہو کر آس پاس بکھر گئی ہوتی۔

کنگ نے فوراً ہی پاؤنڈنگ ویو استعمال کی جسے بھینسے کی ٹکر جیسے انداز میں ریمز ہیڈ سے بچا گیا۔ کنگ نے اس کی ٹکر سے بچنے کیلئے دائیں طرف جھکائی لی اور لیپنگ ڈیئر سے کاکنان کو زمین سے اچھال کر فضا میں بلند ہونے پر مجبور کر دیا۔ اسی لمحے اس کے ہاتھ کا نائف پوائنٹ کاکنان کے نرخرے کی طرف بڑھا۔

کاکنان نے دوبارہ وار بچایا اور کنگ کے تیز ناخن اس کی گردن پر خراشیں ڈالتے ہوئے نکل گئے۔ ہر خراش فوراً ہی خون آلود ہو گئی۔ اب دونوں ہی ماسٹر آف فائٹ زخمی ہو چکے تھے اور ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے رہے۔ ان کے لڑنے کا انداز وحشیانہ رقص سے مشابہہ تھا۔ یہ وحشیانہ رقص جاری رہا۔ یہاں تک کہ دو گھنٹے گزر گئے۔ ان کے جسم خون اور پسینے سے تر ہو چکے تھے اور ہونٹوں پر خشکی نظر آنے لگی تھی۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔

کاکنان نے جسمانی قوت کو زائل ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اس نے روحانی قوت کا سہارا لینے کی کوشش کی لیکن روحانی قوت تو نہ جانے کب کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اس نے اپنے استاد کے بتائے ہوئے سبق کو دہرانا چاہا لیکن وہ ایک لفظ بھی زیر لب نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

کنگ کا جسم اب پتھر کی طرح سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کاکنان اپنی ظاہری اور باطنی دونوں قوتوں کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جسم کے اس تناؤ کے ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ کاکنان پسپا ہو رہا ہے۔ کاکنان کے چہرے پر جابجا خراشیں تھیں۔ پیشانی کی خراش سے خون بہہ بہہ کر اس کی آنکھوں میں گر رہا تھا۔ کاکنان نے اپنے خطرناک ترین داؤ استعمال کئے تھے لیکن ایک آدھ وار کامیاب بھی ہوا تو کنگ کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ وہ سمجھ گیا کہ جس قوت کو بلانے میں اسے ناکامی ہوئی ہے وہ کنگ کے پاس موجود ہے۔

زندگی میں پہلی بار کاکنان کو احساس ہوا کہ چونکہ اس نے نیکی کی راہ چھوڑ کر بدی کا راستہ اپنا لیا تھا۔ اس لئے اب اس کا انجام قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ دیوانہ وار حملے کرنے لگا۔ کنگ اور اس کے ہیولے دور سے دیکھنے والوں کو دو کی بجائے ایک ہی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اتنی پھرتی سے ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے اور اپنے آپ کو حریف کے واروں سے بچا رہے تھے کہ ان پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔

سورج دھیرے دھیرے بلند ہو رہا تھا اور دھوپ پھیلتی جا رہی تھی۔

کنگ نے دل ہی دل میں اپنے حریف کی طاقت اور فن کو داد دی۔ وہ واقعی اس کا مد مقابل تھا۔ خود اس کے دل سے اپنے مرنے کا خوف زائل ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں کیری باب کی لاش گھوم گئی اور پھر اس کے بدنصیب باپ کا چہرہ اس کے ذہن میں گھومنے لگا۔ اس کے جبڑوں کی ہڈیاں نمایاں نظر آنے لگیں۔ ہاتھ پتھر کے محسوس ہونے لگے۔ کاکنان نے ریزہیڈ کو بائیں طرف جھکائی دے کر بچایا اور اس کے بائیں بوٹ کی تیز دھار ایڑی دائرے کی شکل میں گھومتی ہوئی کنگ کے رخسار کی طرف بڑھی۔ فضا میں بلند ہونے والی چٹخنے کی آواز نے اسے بتا دیا کہ وہ حریف کی ہڈی کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کنگ کا ہاتھ اس کی آنکھوں اور گلے کے سامنے تیز دھار چاقوؤں کی طرح گھوم رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔

ایک پتھر سے اس کا پاؤں ٹکرایا۔ ذرا سا توازن بگڑا۔ اسی لمحے کاکنان کے سر سے ہتھیلی گزر گئی۔ اسے کھوپڑی کے بالائی حصے میں حرارت کا احساس ہوا۔ ہتھیلی نے چند بالوں کو اڑا دیا تھا۔ وہ پہاڑیوں سے لڑتے لڑتے ریتیلے میدان میں پہنچ گئے۔ نصف میل کا یہ فاصلہ انہوں نے تین گھنٹوں میں طے کیا تھا۔

اچانک کنگ آگے بڑھا۔ اس نے دونوں بازو اور دونوں ٹانگیں بیک وقت استعمال کی تھیں۔ یہ ایک فیصلہ کن وار تھا جس کا جواب اس کے اپنے استاد کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا۔ اس وار میں ایک خوبی تھی کہ چاروں میں سے ایک ہدف ضرور

نشانہ بن جاتا ہے۔ کاکنان اس ناگہانی افتاد سے بوکھلا گیا پھر بھی وہ تین وار بچانے میں کامیاب ہو گیا لیکن کاٹ ڈالنے والی ہتھیلی کے چوتھے وار کے سامنے اس کی پیش نہیں گئی ہتھیلی اس کی کلائی پر پڑی اور ہاتھ یوں ٹوٹ کر ریت پر گر گیا جیسے خشک لکڑی تیز دھار کلہاڑے کے وار سے ٹوٹ جاتی ہے۔

کاکنان تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگا۔ کنگ نے اچھل کر دونوں ٹانگیں پھینکیں اور دونوں ایک دوسرے سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر گھورنے لگے۔

"نہیں کاکنان!" کنگ نے کہا۔ "تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ مر جاؤں گا یا تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

کنگ نے بایاں ہاتھ چلایا۔ انگلیوں کا خنجر کاکنان کے رخسار سے ٹکرایا۔ رخسار سے گوشت کا پارچہ اتر گیا اور کاکنان کے چہرے پر خون ہی خون پھیل گیا۔ وہ جھکا لیکن دوسرا وار اس کے بائیں گھٹنے پر پڑا تھا۔ ٹانگ بروقت ہٹانے سے ٹوٹی تو نہیں البتہ اس کا جوڑ نکل گیا۔ کاکنان زمین پر گر گیا۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس نے مرنے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ماضی کی دھندلی دھندلی تصویریں اس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں اور وہ ان جرائم کو دیکھ رہا تھا جن کی پاداش میں وہ اس انجام کو پہنچا تھا۔

قلفلہ واپس اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ کنگ اور مور کیلئے یہ مشن کامیابی اور ناکامی دونوں پر مشتمل تھا۔ کیری باب کی لاش ان کی کامیابی کا منہ چڑا رہی تھی۔ لیکن انہیں خوشی تھی تو اس بات کی کہ ایک کیری باب کی قربانی دے کر انہوں نے شیطانوں کی جنت تباہ کر دی ہے۔ جہاں مستقبل میں ناجانے کتنی بے گناہ لڑکیاں شیطانوں کی ہوس کا شکار ہونے والی تھیں۔

انتقام

ساری شرارت نومی کی تھی۔ سدا کا شریر ہے' جب دیکھو کسی نہ کسی شرارت میں مصروف رہتا ہے۔ ابھی کچھ ہی دنوں کی بات ہے ایک شخص خوفناک سی شکل کا مالک لمبی لمبی مونچھیں ضرورت سے زیادہ کالا رنگ کندھے سے بندوق لٹکائے اور بدن پر کارتوسوں کی پیٹی سجائے ہماری رہائش گاہ میں آگھسا تھا اور پتھروں کے نیچے چھپ گیا تھا۔ کچھ اور لوگ اس کے تعاقب میں آئے تھے لیکن ان کی نگاہ پتھروں کے نیچے اس جگہ نہیں پڑی تھی جہاں وہ شخص چھپا ہوا تھا۔ تعاقب کرنے والے اسے یہاں نہ پاکر چلے گئے تھے اور اس بے چارے کی جان بچ گئی تھی لیکن شیطان نومی کو بھلا کہاں چین۔ کئی بار پر پھیلا کر اس پر جھپٹے مارے اور کونوں کھدروں میں چھپ چھپ کر طرح طرح کی آوازیں نکالتا رہا۔ اس بے چارے کی خوف سے گھگھی بندھ گئی تھی لیکن مصیبت کا مارا تھا مجبوراً یہاں آچھپا تھا اس لیے نکل کر نہ بھاگا کیونکہ باہر ان لوگوں نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ جو اس کا پیچھا کرتے ہوئے آئے تھے اور پھر ساری رات نومی اسے طرح طرح سے پریشان کرتا رہا۔ کبھی پتھروں کو ادھر ادھر ڈھکیلنے لگتا تھا اور کبھی دروازے کھولنے بند کرنے لگتا تھا۔ چھپا ہوا آدمی کئی بار خوف سے چیخ پڑا تھا اور نومی قہقہے لگا لگا کر ہنس رہا تھا۔ اور صبح کو تو اسی نے حد ہی کر دی۔ اس بے چارے نے اپنی بھری ہوئی بندوق اپنے پیروں کے پاس رکھ لی تھی اور پتھروں سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے نہ جانے کن خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ نومی چپکے سے اس کے پیروں کے پاس پہنچ گیا اور پھر اس نے اپنے پنجوں سے بندوق کا گھوڑا دبا دیا اور بندوق چل گئی۔ بس غضب ہو گیا۔ ادھر تو وہ مظلوم چیخ پڑا اور دوسری طرف باہر موجود لوگوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ خوب گولیاں چلیں اور پناہ گزیں زخمی ہو گیا۔ پھر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ نومی اس سارے ڈرامے سے بہت خوش تھا اور بچوں کی طرح قلقاریاں مارتا پھر رہا تھا لیکن میں اس پر بہت ناراض ہوئی۔

"بھلا تمہیں کیا ملا اس کے ساتھ یہ سلوک کرکے؟" میں نے تلخ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"مجھے تو بہت مزہ آیا' اور تمہیں نہیں معلوم وہ ڈاکو تھا۔ بہت خطرناک ڈاکو۔

اس نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا تھا اور کافی لوٹ مار کی تھی۔ اچھا ہوا کہ وہ گرفتار ہو گیا۔" نومی اب بھی بہت خوش تھا لیکن میں نے اس سے اتفاق نہ کیا۔

"وہ ڈاکو تھا یا جو کچھ بھی تھا۔ ہمیں تو اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔" دو تین دن تک میں نے نومی سے کوئی بات نہیں کی اور وہ طرح طرح سے میری خوشامدیں کرتا رہا۔ بس پھر میں ٹھیک ہو گئی۔ اس ویران کھنڈر میں صرف وہی ہی تو میرا دوست تھا۔ کہیں سے اسے یہ چمگادڑ کا بدن مل گیا تھا۔ بہت خوش تھا اس مردہ بدن میں گھس کر اور نہ جانے کہاں کہاں پر پھڑپھڑاتا پھرتا تھا۔ دور دور تک نکل جاتا تھا اور کئی کئی دن کے بعد واپس آکر مجھے طرح طرح کے قصے کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ اس سے قبل وہ سانپ کے بدن میں تھا' لیکن ایک بار شامت آگئی تھی۔ چند دیہاتیوں نے کہیں گھیر کر لاٹھیوں سے اس کے بدن کو کچل دیا تھا۔ بہرحال وہ اس بدن کو چھوڑ کر بھاگا تھا' اور اب چمگادڑ کے بدن میں تھا۔

اکثر وہ کہا کرتا۔ "شیمی تم بس ان کھنڈروں میں گھسی رہتی ہو۔ دل نہیں گھبراتا تمہارا؟ کہیں چلا کرو۔ سب گھومتے پھرتے ہیں سوائے تمہارے۔ چلو کبھی میرے ساتھ۔"

"دل....." میں ہنس پڑی۔ "کون سا دل؟" اور نومی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ بہرحال اس کی رٹ جاری رہی' لیکن میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

اس دن بارش ہو رہی تھی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ آسمان پر سیاہ گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آ رہی تھیں' اور بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ یہ موسم بڑا جانفزا ہوتا ہے' اور ایسے موسم میں نہ جانے کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ شریر نومی نے جب بجلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کی پیشکش کی تو نہ جانے کیوں میں اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

بھوری چٹانیں پانی میں نہا کر نکھر رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے تمام گڑھے بھر گئے تھے۔ جل تھل ہو رہے تھے' اور حشرات الارض زمین کے سوراخوں سے باہر نکل آئے تھے تاحد نگاہ پانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نومی کے ساتھ ساتھ فضا میں چل رہی تھی کہ دفعتاً" اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"شیمی! وہ دیکھو' وہ کیا ہے؟" میں نے اس کے اشارے کی سمت دیکھا تو ایک بلند و بالا سیاہ پہاڑ کے دامن میں سوکھی ہوئی ہڈیوں کا ایک پنجر پڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے پانی جمع ہو چکا تھا اور وہ ادھر ادھر تیر رہا تھا۔ نومی پھر پھڑپھڑاتا ہوا نیچے اتر گیا۔ وہ اس ڈھانچے سے کچھ فاصلے پر پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھ گیا اور پانی میں بہتے ہوئے اس ڈھانچے کو بغور دیکھنے لگا۔ کمینہ اسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ میں اس کے نزدیک جا کھڑی ہوئی' لیکن نجانے کیوں میرے ذہن پر ایک بوجھ سا طاری ہو گیا۔ میں خود کو مضطرب محسوس کر

رہی تھی۔

یہ ڈھانچہ' یہ ڈھانچہ مجھے گزرے ہوئے کچھ واقعات یاد آنے لگے اور میری نگاہیں پہاڑ کی دیوار کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھتی چلی گئیں۔ تب میں نے پہاڑ کی اس چوٹی کو دیکھا جو بہت ہی بلند تھی اور اس چوٹی پر مجھے کچھ نظر آیا۔

ہاں' وہ شاید میں ہی تھی جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی اس کی گہرائیوں میں پھیلی اس وادی کو دیکھ رہی تھی لیکن میرے نزدیک بھی کوئی تھا۔ کون ہے یہ' میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوچا۔ تب مجھے شاہد نظر آیا۔

"اوہ ہاں" وہ شاہد ہی تو تھا' شاہد میرا شوہر۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا اور تب ہی ایک بھیانک چیخ میرے کانوں میں لہرا گئی۔

ایک انسانی بدن اس پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گر رہا تھا۔ فضا میں لڑھکنیاں کھاتا ہوا گہرائیوں کی جانب آ رہا تھا' میں نے چاہا میں لپک کر اس بدن کو پکڑ لوں۔ یہ میرا ہی جسم تو تھا زندگی سے بھرپور' جوانی کی رعنائیوں سے سجا ہوا۔ لیکن میرے نادیدہ ہاتھ اس وجود کو نہ پکڑ سکے۔ میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے دامن یں بہتے ہوئے ایک برساتی نالے میں آگرا۔ یہی نالہ تھا جس میں اب بارش کی وجہ سے پانی بھر گیا تھا۔ اس وقت بھی شاید بارش ہو چکی تھی اور برساتی نالہ اپنے جوبن پر تھا۔ انسانی بدن اس نالے میں آگرا۔

میں اس سے الگ کھڑی ہوئی تھی اور میری نگاہوں میں تاسف کے آثار تھے۔

تب ہی نومی کی کریہہ چیخ نے مجھے جگایا۔ میں خیالات سے باہر آگئی۔

"شمی! شمی! کیا سوچنے لگیں؟"

"کچھ نہیں نومی! کوئی خاص بات نہیں۔"

"شمی' دیکھو یہ انسانی ڈھانچہ کس طرح پانی کی لہروں سے کھیل رہا ہے۔ شمی آؤ کیوں نہ ایک تجربہ کریں۔" نومی نے حسب معمول پھر ایک تجویز پیش کر دی۔

"کیسا تجربہ؟" میں نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"تم اس ڈھانچے میں داخل ہو جاؤ' دیکھیں تو سہی اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟"

"اونہوں' میں ایسی غلیظ چیزوں کو پسند نہیں کرتی۔ اگر مجھے ایسا ہی کوئی بدن حاصل کرنا ہوتا تو تمہاری طرح کسی چمگادڑ کا بدن حاصل کر لیتی اور فضا میں تمہارے ساتھ پرواز کرنے لگتی۔ لیکن مجھے ایسے منحوس بدن پسند نہیں ہیں۔ چھی چھی' کبھی اپنے آپ کو دیکھو تو فوراً اس خول سے نکل بھاگو۔" میں نے کہا اور نومی پھر ہنسنے لگا۔

"تم تو بس شمی انوکھی ہو۔ ارے یہ بدن کیا حیثیت رکھتے ہیں ہمارے لیے۔ جب چاہو چھوڑ دو اور اس سے نکل کر کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن ہر جگہ

ایک ہی کیفیت ملتی ہے۔ شمی! مان لو میری بات ذرا تجربہ ہی سہی۔ دیکھیں تو سہی کہ اس جسم میں داخل ہو کر تمہاری کیا کیفیت ہوتی ہے؟"

نومی نے مجھے کچھ اس طرح مجبور کیا کہ میں تیار ہو گئی۔ آگے بڑھ کر میں نے اس پانی پر کھیلتے ہوئے انسانی ڈھانچے کو پکڑ لیا۔ چاروں طرف سے اس کا جائزہ لیا اور پھر اسے پانی سے کھینچ لیا۔ اگر یہ برساتی نالہ پوری طرح بھر جاتا تو یہ پانی اس انسانی ڈھانچے کو لے کر نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔ بہرصورت میں نے نومی کی ہدایت پر عمل کیا اور اس ڈھانچے میں داخل ہو گئی۔

عجیب سی گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ ڈھانچے میں داخل ہوتے ہی اس کے خلا پر ہونے لگے۔ ہڈیوں کے درمیان کھال پیدا ہونے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے میں اس حصار میں بند ہو گئی۔ میں نے چیخ چیخ کر نومی کو آوازیں دیں' لیکن نومی کے قہقہے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ تب میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"شریر آدمی ہمیشہ ایسی ہی فضول حرکتیں کرتے رہتے ہو تم۔ میں باہر آ رہی ہوں۔"

"ارے نہیں نہیں شمی! سنو تو سہی۔ آخر ایسی کیا جلدی ہے جب چاہو اس سے باہر آ سکتی ہو۔ تم قیدی تو نہیں بن گئیں۔ دیکھو کیسی انوکھی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اس میں۔ واہ' اس پر تو گوشت آتا جا رہا ہے۔ بڑا دلچسپ تجربہ ہے شمی۔"

میں نے ڈھانچے کو دیکھا۔ سوکھی ہوئی ہڈیاں پر گوشت ہو گئی تھیں۔ ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ گورا گورا سفید اور گلابی آہ کتنا خوبصورت بدن تھا۔ لیکن لباس سے بے نیاز۔ مجھے شرم آنے لگی۔ انوکھے ہوتے ہیں یہ بد۔ نہ جانے کیسے کیسے بوجھ لاد لیتے ہیں خود پر۔"

"نومی کمینے! اپنا رخ بدل لو۔ ورنہ میں باہر آ جاؤں گی۔"

"میں سمجھ گیا۔ تمہیں بے لباسی کا احساس ہو رہا ہے۔ انسانی بدن میں بس یہی خرابی ہے۔ وجود میں آتے ہی مصنوعی ضرورتوں کا شکار ہو جاتا ہے مگر ہم اس تجربے کو مکمل کریں گے۔ تم چند لمحے توقف کرو۔ میں ابھی تمہارے لیے لباس مہیا کرتا ہوں۔"

نومی نے اپنے بدن کو تولا اور فضا میں بلند ہو گیا۔ میں برساتی نالے سے ہٹ کر اس چٹان پر آ بیٹھی جہاں تھوڑی دیر قبل نومی بیٹھا ہوا تھا۔ پانی کی بوندیں میرے بے لباس بدن کو بھگو رہی تھیں۔ لمبے لمبے بال ذرا سی دیر میں بھیگ کر میری گردن اور سینے پر آ پڑے تھے۔ میں ان لمبے بالوں سے اپنے بدن کو چھپانے لگی۔ حالانکہ یہاں کوئی نہیں تھا لیکن بس ایک احساس ایک فطری احساس مجھے شرم دلا رہا تھا۔

فضا میں نومی نظر آیا اور میں سمٹ گئی۔ اس نے ایک لباس میرے اوپر ڈال دیا۔ "اب تم یہاں سے تھوڑی دور چلے جاؤ۔ میں یہ لباس پہن لوں۔" میں نے کہا اور نومی نے مجھ سے یہ اخلاقی تعاون کیا' تب میں نے لباس پہن لیا۔

"اب میں تمہارے پاس آسکتا ہوں؟" نومی کی آواز ابھری اور میری اجازت سے وہ میرے پاس آگیا۔ اس نے شرارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اپنے نوکیلے بھیانک دانت نمایاں کر دیے۔

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟" میں غصیلے انداز میں بولی۔

"اوہ' نہیں شیمی! یقین کرو ایسی بات نہیں ہے۔ تم بہت خوبصورت نظر آرہی ہو۔ کیا یہ تجربہ انوکھا نہیں ہے۔ سوکھی ہوئی ہڈیوں کا پنجر ایک دم سرسبز و شاداب ہو گیا۔"

"ہونا ہی تھا۔ مٹی کے اس وجود میں روح کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ ساری شادابی روح کی ہوتی ہے۔ تم یہ لباس کہاں سے لے آئے؟"

"میری نہ پوچھو۔ میری دنیا ان کھنڈرات تک محدود نہیں ہے۔ میں تو نہ جانے کہاں کہاں گھومتا پھرتا ہوں۔ ان پہاڑوں سے کچھ دور سرسبز جنگلوں سے پرے ایک خوبصورت شہر آباد ہے۔ حسین عمارتوں کا شہر جہاں بے شمار لوگ رہتے ہیں۔"

"آہ' میں اس شہر کو جانتی ہوں۔ میں نے وہاں بیس سال گزارے ہیں۔ مجھے وہ شہر یاد ہے۔"

"وہ تمہارا شہر تھا؟"

"ہاں' وہ میرا شہر ہے۔" مجھے اپنے دل میں حسرتیں تڑپتی محسوس ہو رہی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا یاد آتا جا رہا تھا۔ ذہن کے دریچے کھل رہے تھے اور ان سے یادوں کی ہوا آرہی تھی۔

"کیا تمہارے دل میں اس شہر کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو نہیں ہے شیمی؟" نومی نے پوچھا اور پھر جلدی سے بولا۔ "اب تو تمہارے سینے میں دل ہو گا؟"

"آرزو۔" میں نے حسرت بھری آواز میں کہا۔

"کیوں' کیا تمہارے احساسات نہیں جاگے؟ کیا تمہارا دل اب بھی مردہ ہے؟"

"نہیں نومی۔"

"اس شہر میں تمہارے اپنے لوگ ہوں گے۔ وہ سب ہوں گے جن کے درمیان تم رہی ہو؟"

"میرے اپنے۔" میں حسرت بھری آواز میں بولی۔ "تھے نومی! مگر اب ان سے

میرا کیا تعلق ہے۔ میرے اور ان کے رشتوں کے تو سارے دھاگے ٹوٹ چکے ہیں۔ میں فطرت سے بغاوت کی جرات کہاں کر سکتی ہوں۔"

"بغاوت تو کوئی بھی نہیں کر سکتا لیکن تفریحاً" تجرباً" دیکھو تو سہی' وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ دیکھو تو سہی ان میں سے کوئی تمہیں یاد کرتا ہے یا سب بھول چکے ہیں۔ بس تفریحاً"۔ پھر ہم وہاں سے چلے آئیں گے۔ بالآخر ہمیں انہی کھنڈرات میں آجانا ہو گا!"

یادوں کی ہوائیں تیز ہو گئیں اور ذہن کے دریچوں میں گزارا ہوا ماضی ابھرنے لگا۔ پھر میری آواز بھری۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے نومی! مگر کیا کروں ان لوگوں کے درمیان جاکر' کوئی بھی نہیں ہے میرا اور کوئی ہوتا بھی تو اب ان میں میرا فاصلہ کسی طور ممکن نہ تھا۔ دنیا سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے۔ پھر اس دنیا سے جی لگانے سے کیا فائدہ؟ تم ہمیشہ ایسی ہی کوئی شرارت کرتے ہو لیکن یقین کرو' تمہاری یہ شرارت میرے لیے بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے۔ میں تمہیں بتاؤں نومی' یہ بدن یہ انسانی ڈھانچہ جو نہ جانے کتنے عرصے کے بعد تم نے مجھے دکھایا ہے' میرا اپنا ہی ہے۔ ہاں' میں اسے بھول چکی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ کہاں پڑا ہوا ہے' لیکن یہ شاید میرا انتظار کر رہا تھا اور تمہاری شرارت نے مجھے ماضی کے تلخ غاروں میں دھکیل دیا۔ نومی مجھے اجازت دو کہ میں یہ ناپاک بدن چھوڑ دوں' جس کی کثافتیں مجھ پر مسلط ہو گئی ہیں۔ مجھے وہ آزادی پسند ہے نومی! جو مجھے فطرت کی جانب سے ملی ہے ہاں' میں آزاد رہنا چاہتی ہوں۔ میں یہ بدن چھوڑ رہی ہوں۔"

"ارے' ارے سنو تو سہی شیمی! دیکھو یہ تو ہمارے دائرہ اختیار میں ہے۔ بھلا ہمیں یہ بدن چھوڑنے سے کون روک سکتا ہے جن چیزوں سے ہمارا ناطہ ٹوٹ چکا ہے اب ہمیں کوئی بھی ان سے رابطہ رکھنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ تو بس ایک تجربہ ہے ایک تفریح ہے جس کے بارے میں ہم عرصہ تک باتیں کرتے رہیں گے۔ آخر کوئی نہ کوئی موضوع تو تلاش کرنا ہی ہو گا۔ پرانی باتیں دوہراتے دوہراتے کتنا وقت بیت چکا ہے۔"

"ہاں' نجانے کتنا' شاید پچیس سال' ہاں نومی پچیس سال پہلے ہی کی تو بات ہے۔ چھوٹی سی تھی میں۔ ہاں' بڑا خوبصورت تھا مرا گھر۔ حسین ترین اور وہ بوڑھا شخص' جواب نجانے کہاں ہے؟ اور اب سے پہلے مجھے یاد نہیں آیا جسے میں نے کہیں تلاش نہیں کیا۔ زمین کے ناطے وہ میرا باپ تھا۔ مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا اس کی آنکھوں سے محبت طوفان بن کر امنڈتی تھی اور میں اس طوفان میں ڈوب جایا

کرتی تھی بے پناہ چاہتا تھا مجھے' اور میں بھی اسے اتنا چاہتی تھی' اور اس کی وجہ یہ تھی
نومی کہ اسے میری ماں سے پیار تھا۔ اتنا چاہتا تھا وہ میری ماں نے اس کا ساتھ چھوڑا تو وہ
کئی سال تک اسپتال میں داخل رہا۔ نیم دیوانہ ہوگیا تھا وہ اور اگر میں اپنی ماں کے
خدوخال اختیار نہ کرلیتی تو شاید اس کی یہ دیوانگی اسے بہت پہلے موت کی وادیوں میں لے
جاتی' لیکن ڈاکٹروں نے مجھے اس کے سامنے پیش کیا' شاید یہ کوئی نفسیاتی علاج تھا اور
مجھے دیکھ کر وہ پھر سے جی اٹھا۔ اس نے اپنی تمام محبتیں میرے لیے وقف کردیں۔ یہ
دوہری محبت تھی۔ میرے خدوخال اس کی محبوبہ سے ملتے تھے اور میں اس کی محبوبہ کی بیٹی
تھی۔ یہ دونوں محبتیں مجھے حاصل ہوگئیں اور وہ زندگی کی جانب لوٹ آیا۔

دولت مند آدمی تھا۔ دولت کی کمی نہ تھی۔ اس کے ہرکاروں نے اس کا
کاروبار اس کی عدم موجودگی میں بھی بڑی وفاداری سے سنبھال رکھا تھا اور بعد میں بھی
یہی ہوا۔

اس کی محبتیں میرے لیے وقف تھیں اور وہ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔ زندگی
میں کبھی اس نے کسی دوسری عورت کی آرزو نہ کی۔ بس میری ذات کا ایک ایک لمحہ
اس کی زندگی تھا اور میں بھی اس محبت کرنے والے باپ کو بے پناہ چاہتی تھی۔

سو پھر یوں ہوا' زمانے کی ضرورتوں کا خیال اسے آیا۔ میں بڑی ہوچکی تھی اور
میرے بدن کی رعنائیاں میری جوانی کی آمد کا اعلان کررہی تھیں۔

سو اس نے سوچا کہ دستور زمانہ تو نبھانا ضروری ہے' مجھے بھی زندگی کے اس
محور میں شامل کردے جو ماہ و سال سے انسانوں کے گرد مسلط ہے۔ سو اس نے تلاش کیا
میرے لیے کسی ایسے نوجوان کو' جو دولت مند نہ ہو اور میرے ساتھ اس کی کوٹھی میں
زندگی گزارنا پسند کرلے' حالانکہ میرا باپ اس قدر دولت مند تھا کہ اگر وہ چاہتا تو میرے
لیے بہت سے اچھے گھرانے مل سکتے تھے۔ ایسے گھرانے جو بخوشی مجھے اپنا لیتے۔ اس کی وجہ
یہ تھی کہ شکل و صورت میں میں سیکڑوں لڑکیوں میں ایک تھی اور حسن کے ساتھ ساتھ
دولت بھی رکھتی تھی' جس کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے لیکن نجانے میرے باپ کی
سوچ کیسی تھی' وہ صرف ایسا لڑکا چاہتا تھا جو اس کی بیٹی کے ساتھ اسی کے گھر میں رہ سکے'
اور اسے اپنی بیٹی سے جدا نہ ہونا پڑے۔ اور وہ نوجوان شاہد تھا۔ اس کی ایک فرم کا
مینجر' ایک خوبصورت اور اسمارٹ نوجوان۔ میرے باپ کی نگاہ اس پر پڑی اور جب
اسے معلوم ہوا کہ شاہد اس دنیا میں تنہا ہے تو وہ بہت خوش ہوا' اس نے دل میں تہیہ کر
لیا کہ وہ شاہد کو شیشے میں اتار لے گا۔ یہ شخص اس کے تصورات کے عین مطابق تھا۔

پھر یوں ہونے لگا کہ شاہد ہمارے گھر آنے لگا۔ وہ فرم کے کاموں سے ہی آتا

تھا۔ سہا سہا سا ڈرا ڈرا سا۔ میرے والد اپنے ملازمین کے ساتھ بہت سخت تھے اور ان کے
سارے ملازم ان کی سخت مزاجی سے واقف تھے اس لیے ان سے خوف زدہ رہتے تھے۔

پھر ایک شام میں نے اس خوفزدہ نوجوان کو دیکھا۔ میں اس وقت اپنی کوٹھی کے
لان پر چہل قدمی کررہی تھی۔ میرے والد گھر پر موجود نہیں تھے۔ وہ نیلے رنگ کی ایک
کار سے اترا۔ شربتی رنگ کے خوبصورت لباس میں ملبوس چھریرے بدن کا مالک۔ سیاہ
بالوں کے خشک گچھے اس کے دودھ جیسے سفید چہرے پر خوب سج رہے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ
آنکھوں میں جوانی کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ وہ میری طرف ہی آگیا۔

"معاف کیجئے گا' سیٹھ ابراہیم صاحب گھر پر موجود ہیں؟"

"آپ کو نظر آرہے ہیں؟" میں نے سوال کیا اور میرے سوال پر وہ بوکھلا گیا۔

"م....... میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو ڈسٹرب کیا۔" اس نے کہا۔

"کتنی بار معافی مانگیں گے آپ؟" میں نے پوچھا اور وہ گہری گہری سانسیں لینے
لگا۔

پھر بولا۔ "آپ کون ہیں؟"

"سیٹھ ابراہیم بہرطور نہیں ہوں۔" میں اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہورہی
تھی۔

"مس ابراہیم ہیں؟" وہ مسکرایا۔

"اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے؟"

"دیکھئے خاتون! مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ سیٹھ صاحب گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔
اس سے قبل اگر آپ نے مجھے کسی قدر بدحواس محسوس کیا ہے تو وہ صرف سیٹھ صاحب
کی وجہ سے۔ میں ان کے علاوہ کسی اور سے مرعوب نہیں ہوتا اور پھر آپ تو ڈرنے کی
چیز ہی نہیں ہیں۔"

"بے تکلف ہونا چاہتے ہیں؟" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"ہرج بھی کیا ہے۔ صرف اتنا بتا دیں کہ سیٹھ صاحب کتنی دیر میں آئیں گے
تاکہ میرے رکنے کا جواز پیدا ہوجائے یوں بھی بہت ضروری کام ہے ان سے۔"

"مگر میں آپ سے بے تکلف نہیں ہوسکتی۔"

"میں مجبور نہیں کروں گا آپ کو۔"

"ڈیڈی ایک گھنٹے میں آجائیں گے۔ انہوں نے مجھے فون کیا تھا۔"

"گویا میرا اندازہ درست نکلا۔ آپ مس ابراہیم ہیں۔ خادم کو شاہد پرویز کہتے
ہیں۔"

"آپ ڈرائنگ روم میں ان کا انتظار کریں۔ اندر چلے جائیں۔"

"اوہ۔ وہاں گھٹن ہو گی۔ آپ اجازت دیں تو میں اس بینچ پر بیٹھ جاؤں؟" اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا اور میں ناک سکوڑ کر خاموش ہو گئی۔ وہ مسکراتا ہوا بینچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ میں پھر چہل قدمی کرنے لگی۔ لیکن ذہن اسی کی طرف تھا۔ تب اس کی آواز ابھری۔

"آپ میرا قرض نہیں ادا کریں گے مس ابراہیم؟"

"کیا؟" میں نے غصے میں پوچھا۔

"میں نے آپ کو اپنا نام بتایا ہے۔ آپ پر بھی فرض ہو گیا ہے کہ آپ اپنا نام مجھے بتائیں۔ یہ ایک طرح کا اخلاقی قرض ہے۔" اسی وقت ایک ملازم ہمارے پاس آ گیا۔

"شمی بی بی چائے لگا دوں' یا صاحب کا انتظار کریں گی؟"

"انتظار کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"شاہد بابو آپ کے لیے چائے لے آؤں؟" ملازم اسے پہچانتا تھا۔

"ضرور فضل بھائی! میں انتظار نہیں کروں گا۔" اس نے جواب دیا اور ملازم چلا گیا۔

میں اسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "یہ فضل تمہیں کیسے جانتا ہے؟"

"میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں مس شمی! خادم ہوں آپ کا۔ سیٹھ صاحب کی فرم کا مینجر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ ملازم کی وجہ سے اسے میرا نام معلوم ہو گیا تھا۔ کمینہ مجھے جلاتا رہا۔ چائے پیتا رہا۔ اس دوران میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر ڈیڈی آ گئے۔ وہ وقت سے پہلے ہی آ گئے تھے۔ میں کسی قدر جزبز ہو گئی تھی لیکن ڈیڈی کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ وہ اس سے بات کرنے لگے۔ انہوں نے اور چائے منگوا لی تھی۔

کافی دیر تک وہ بیٹھا رہا' کچھ دیر کاروباری گفتگو ہوئی اور پھر ڈیڈی سے اجازت لے کر چلا گیا۔ میرے ذہن پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا لیکن اس کے جانے کے بعد ڈیڈی اس کی تعریفیں کرتے رہے۔ وہ اس سے بہت متاثر تھے۔ دوسرے دن مجھے اس کا فون ملا وہی شرارت بھری باتیں' ویسی ہی گفتگو مجھے اس کی گفتگو دلچسپ معلوم ہوئی تھی۔ پھر وہ اکثر ہمارے ہاں آتا رہا۔ ڈیڈی اسے بہت زیادہ لفٹ دینے لگے تھے۔ شاید ڈیڈی نے اس سے کوئی بات بھی کر لی تھی اور اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ مجھ سے گھل مل جائے۔ ایک آدھ بار ڈیڈی نے خود بھی مجھ سے اس کے ساتھ جانے کی سفارش کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس سے مانوس ہونے لگی۔ غالباً یہی میرے ڈیڈی کا مقصد تھا۔ انہوں نے اس

کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس اپنے طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان کے خیالات پر پورا اترتا ہے۔ میں چونکہ زندگی کے اس رخ سے واقف نہیں تھی اس لیے یہ پہلا شخص میری دلچسپی کا باعث بن گیا اور جب ڈیڈی نے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تو میرے چہرے پر شرم کے تاثرات پھیل گئے۔

"کیسا لگتا ہے وہ تمہیں؟" ڈیڈی نے پوچھا۔

"عجیب سوال ہے ڈیڈی! ایک شریف آدمی ہے اچھا ہے اور بس۔" میں نے جواب دیا اور ڈیڈی سنجیدہ ہو گئے۔ پھر پرخیال انداز میں بولے۔

"دراصل شمی بیٹے! تم میری دلی واردات سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہم ان غم آلود قصوں کی جانب نہیں جائیں گے' جن کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے لیکن اتنا میں تمہیں ضرور بتانا پسند کروں گا کہ تمہارے علاوہ میری زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے۔ شادی ایک اہم فریضہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک نہ ایک دن یہ فریضہ پورا کرنا ہے۔ البتہ میری خواہش تھی بیٹے کہ کوئی ایسا نوجوان مجھے مل جائے جو تمہارے معیار پر بھی پورا اترے اور میں اسے اپنے ساتھ رکھ سکوں۔ شاہد اس سلسلے میں میرے لیے باعث دلچسپی ہے۔ وہ تنہا ہے اور کوئی بھی نہیں ہے اس کا۔ اگر تم پسند کرو تو میں اس سے تمہاری زندگی کے بارے میں بات چیت کروں؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن ڈیڈی نے خود ہی میری مرضی کا یقین کر لیا تھا۔ مجھے خاموش پا کر وہ بولے۔

"تو میں یہ سمجھوں کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"میں نے آپ کی کسی بات پر کبھی اعتراض نہیں کیا ڈیڈی!" میں نے مسکرا کر کہا۔ اور پھر نوبی! شاہد میری زندگی میں داخل ہو گیا۔ کھلنڈرا اور شوخ سا نوجوان۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ زندگی میں محرومیوں کا شکار رہا ہے۔ کوئی بھی نہیں ہے اس کا' اور میرے مل جانے سے اسے دلی مسرت ہے۔ چنانچہ میں خلوص دل سے اس کی شریک زندگی بن گئی۔ میں نے اپنی تمام تر محبت اس پر نچھاور کر دی۔ اور شاہد ہم میں گھل مل گیا۔

ڈیڈی نے اسے ہر سہولت فراہم کر دی تھی۔ اب وہ اس فرم کا مینجر نہیں بلکہ ایک طرح سے مالک تھا' البتہ ڈیڈی اصول پرست آدمی تھے۔ اخراجات کے معاملے میں وہ ہمیشہ ہی سنجیدہ رہے تھے اور ایک حد پسند کرتے تھے لیکن یہ حدود شاہد کو پسند نہیں تھیں۔

"کیسی تکلیف وہ بات ہے شمی! ہم لوگ اتنی بڑی دولت اتنی وسیع جائداد کے

مالک ہیں لیکن شادی کے بعد ایک بار بھی اس کا موقع نہیں ملا کہ ملک سے باہر جاتے' دنیا دیکھتے میرے دل میں بڑی آرزو ہے کہ میں ملک ملک کی سیر کروں۔"

"تو ڈیڈی سے بات کرو۔"

"میں بات کروں؟ میں تمہیں ایک بات بتا دوں شمی لیکن شرط یہ ہے کہ تم محسوس نہیں کرو گی؟"

"کیا بات ہے؟"

"پہلے اس کا وعدہ کرو کہ تم کبیدہ خاطر نہ ہو گی اور نہ ہی میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار۔"

"چلو وعدہ!"

"تمہارے ڈیڈی نے تمہارے ساتھ میری شادی کر کے ایک گھرداماد خریدا ہے اور وہی مثالی روایت قائم کر رہے ہیں جو گھرداماوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ میں آج بھی ان کی فرم کا مینجر ہوں اور مجھے وہ حیثیت حاصل نہیں ہے جو کہ ہونی چاہئے تھی۔"

"تمہیں کہاں اس کا احساس ہوتا ہے شاہد؟" میں نے سوال کیا۔

"ہر جگہ' مجھے بتاؤ تمہارا شوہر ہونے کے باوجود کسی چیز پر حق ہے؟ میں تو اپنی پسند کی ایک کار بھی نہیں خرید سکتا۔"

"تم اپنی پسند کی چار کاریں خرید لو شاہد۔ میں تمہیں رقم دوں گی۔"

"تم دو گی نا۔ یہ فرق ہے مجھ میں اور تم میں شمی!" وہ تلخی سے مسکرایا۔

"تم ان باتوں کو محسوس مت کرو شاہد! میں ڈیڈی سے بات کروں گی۔"

"نہیں شمی! میری سبکی ہو گی۔ تم ان سے کوئی بات نہ کرنا۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گئی لیکن میں نے بعد میں ڈیڈی سے اس موضوع پر بات کی اور ڈیڈی مسکرانے لگے۔

"شوہر کی حمایت میں لڑنے آئی ہے مجھ سے۔ پگلی یہ بتا کہ میں اس دولت کا کیا کروں گا۔ میرے کس کام آئے گی یہ تم دونوں کے لیے ہی ہے لیکن کچھ توقف کرو شاہد بہت اچھا لڑکا ہے لیکن بہرحال اجنبی ہے۔ پہلے اسے پرکھ لوں۔ یہ کام جاری ہے۔ میرے چند خاص آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد سب کچھ تم دونوں کو سونپ دوں گا۔"

"عجیب بات ہے ڈیڈی! آپ اب اسے پرکھ رہے ہیں جب وہ میری تقدیر کا مالک بن چکا ہے۔ میں کہتی ہوں وہ اچھا انسان ہے' کوئی خرابی نہیں ہے اس میں۔ اسے کسی محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔"

"مگر وہ کیا چاہتا ہے؟"

"اسے کوئی حیثیت دی جائے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ ملک سے باہر جانا چاہتا ہے۔ دنیا دیکھنا چاہتا ہے۔"

"تم بھی اس کے ساتھ جاؤ گی؟"

"ہاں ڈیڈی!"

"اور میں؟" ڈیڈی نے درد بھرے لہجے میں پوچھا۔ اور میں ایک دم خاموش ہو گئی۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں نے خود غرضی کی ہے۔

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے ڈیڈی!"

"ارے نہیں بھئی! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ٹھیک ہے تم دونوں گھوم آؤ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"نہیں ڈیڈی! میں آپ کے بغیر نہیں جاؤں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" میں نے کہا اور ڈیڈی ہنسنے لگے۔ بہرحال ڈیڈی نے اسے کچھ اختیارات دیے اور وہ خوش ہو گیا۔ چند ہفتوں کے بعد اس نے دوبارہ باہر جانے کی ضد شروع کر دی۔

"میں کب منع کرتی ہوں شاہد! لیکن ہم ڈیڈی کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔"

"کیا؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں' میں ڈیڈی کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔"

"تو پھر کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں کیا برا ہے؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم ڈیڈی کو ناپسند کرتے ہو شاہد؟"

"یہ بات نہیں ہے شمی بس' ہمیں وہ آزادی نہیں مل سکے گی۔ بات یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر آج بھی خود کو ان کا ملازم سمجھتا ہوں اور ان سے بے تکلف نہیں ہو پاتا۔"

"بہرحال جیسا تم پسند کرو۔"

ہم نے باہر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ خود ہی ڈیڈی ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ ہم دنیا دیکھنے نکل گئے استنبول' روم' پیرس' لندن' سوئٹزرلینڈ اور نہ جانے کہاں کہاں ڈیڈی اس دوران مجھے بہت یاد آتے رہے تھے۔ مجھے ان کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس کے علاوہ شاہد میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ ایک رات اس نے شراب بھی پی تھی جس پر پہلے تو مجھے حیرت ہوئی اور پھر شدید غصہ آیا۔ شاہد نے مجھ سے معافی مانگ لی تھی لیکن میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ اب اس کے وہ جذبات

نہ رہے تھے جو چند روز پہلے تھے۔ وہ مجھ سے کترانے لگا تھا اور اکثر تنہا گھومنے نکل جاتا تھا۔ طرح طرح کے بہانے تراشتا تھا۔ ایک بار مجھے شبہ ہوا تو میں نے اس کا تعاقب کیا اور پہلی بار میرا دل خون ہو گیا۔ میں نے شاہد کو ایک فرانسیسی عورت کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ دونوں بالآخر ایک ہوٹل کے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔

میں نے کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی اور خاموشی سے واپس آ گئی۔ اس رات شاہد ہوٹل سے واپس نہیں آیا تھا۔ رات کو تیز بارش ہوئی تھی اور میں ساری رات ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی خاموش سڑکوں کو گھورتی رہی تھی۔ اس رات مجھے ڈیڈی کی باتیں یاد آئی تھیں۔ وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ پہلے شاہد کو پرکھ لیا جائے اس کے بعد اسے آزادی دی جائے۔ شاہد میں آوارگی کے جراثیم تھے۔ وہ چھوٹا انسان تھا۔ ذہنی طور پر چھوٹا تھا اور ذہنی طور پر چھوٹے انسان کو جب دولت مل جاتی ہے تو وہ بہت پست ہو جاتا ہے۔

لیکن قصور ڈیڈی کا بھی تھا۔ یہ سب کچھ تو انہیں شادی سے قبل سوچنا چاہئے تھا۔ شاہد میری پسند تو نہیں تھا، میں نے اس سے محبت تو نہیں کی تھی۔ بس ڈیڈی اسے میرے سامنے لائے اور ایک خاص مقصد کے تحت لائے۔ میں نے ان سے اعتراض نہیں کیا اور وہی کچھ کیا جو ان کی اپنی خواہش تھی لیکن اس خواہش کی تکمیل کے بعد شاہد کے بارے میں شک و شبہ کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ تو ان کا فرض تھا کہ وہ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتے اس کے بعد فیصلہ کرتے اور حقیقت وہی نکلی۔

شاہد اب دولت میں کھیلنے لگا تھا اور یہ دولت اب اس کی آنکھوں پر پردے گراتی جا رہی تھی۔

وہ صبح کو واپس آیا۔ چہرے پر شرمندگی اور گزری ہوئی رات کی نحوست کے آثار منجمد تھے۔ مجھ سے آنکھیں نہیں ملا پا رہا تھا۔ وہ پشیمان سے لہجے میں بولا۔

"مجھے احساس ہے کہ تمہیں بڑی تکلیف سے یہ رات گزارنی پڑی ہو گی۔ لیکن میں کیا کروں، چند لوگوں سے شناسائی ہو گئی، یہ ہمارے کاروباری بھی ہیں، بس انہوں نے دعوت دے ڈالی تھی۔ پھر اسی دعوت میں تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور کچھ ایسی تیز ہوئی کہ میں واپس نہ آ سکا۔"

بڑا گھٹیا سا بہانہ کیا تھا اس نے، لیکن میں اس پر حقیقت منکشف نہیں کی۔ یہ نہیں بتایا میں نے اسے کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکی ہوں۔ بس میں نے ایک ہی بات کہی۔

"شاہد ہم واپس چلیں گے۔"

"ایں، کیا کہہ رہی ہوں۔" میرا مقصد ہے ابھی، ابھی سے، ابھی وقت ہی کتنا گزرا ہے؟"

"شاہد! ہم واپس چلیں گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ اس وقت تو اس نے کچھ نہیں کہا لیکن بعد میں خاصی برہمی کا اظہار کیا تھا۔

"ابھی تو ہمارے پاس کافی وقت ہے شبی! اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی دل بھی نہیں بھرا اور تم واپس جانے کی بات کر رہی ہو۔"

"میں نے تم سے آخری بات کہہ دی ہے شاہد! اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو تم یہاں رک جاؤ، میں واپس چلی جاتی ہوں۔" میں نے بدستور سختی سے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھلا، خیر اگر تم واپس ہی جانا چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔" اس نے بے دلی سے کہا اور پھر نہایت بیدلی سے وہ واپس چل پڑا۔

میرا ذہن سپاٹ تھا، کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی میں، ہاں، یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ ڈیڈی سے اس بارے میں بات کروں گی اور ان سے کہوں گی۔ ڈیڈی! شاہد کی طرف سے محتاط رہنا بے حد ضروری ہے۔ وہ اس مزاج کا انسان نہیں ہے جس کا ہم نے سمجھا تھا۔ وہ چھوٹا آدمی ہے اور یقیناً آئندہ بھی وہ چھوٹی حرکتیں کرے گا۔

گھر واپس پہنچی تو ایک عجیب سا ماحول پایا۔ ملازم سہمے سہمے تھے اور مجھے دیکھ کر بھونچکے سے ہو گئے تھے۔ پھر ہمارے دو دیرینہ ملازم میرے پاس آ کر رونے لگے اور میں دھک سے رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ........ آپ........ آپ کو نہیں معلوم ہو سکا بی بی!" فضل بابا نے پوچھا۔

"کیا نہیں معلوم ہو سکا؟" میں متحیرانہ انداز میں بولی اور فضل کی بھیگی ہوئی آنکھیں مجھے کچھ بتانے لگیں۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں فضل بابا کو جھنجھوڑ دیا۔ "کس بارے میں کہہ رہے ہو فضل بابا! بتاتے کیوں نہیں؟"

"صاحب........ صاحب........" فضل بابا گھٹی ہوئی آواز میں بولے۔

"ہاں کیا ہو گیا صاحب کو؟"

"بی بی! وہ تو آپ کے جانے کے پندرہ دن کے بعد ہی........ بس دل کا دورہ پڑا تھا آپ کو یاد کرتے کرتے۔" فضل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور میرے حواس گم ہو گئے۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے کیا کچھ کیا اور کب تک کرتی رہی۔

ہوش آیا تو تنہا تھی بس ملازمین کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا میرے پاس۔ شاہد بھی نہیں تھا۔ میں نے نقاہت بھرے لہجے میں شاہد کے بارے میں پوچھا تو بوا بشیرن نے بتایا کہ صاحب تو بہت کم گھر آتے ہیں بس کبھی دن میں آجاتے ہیں کبھی رات کو دفتری کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔

غم و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے مجھ پر۔ ڈیڈی نے ساری زندگی مجھے تنہا نہیں چھوڑا تھا' دنیا ترک کر دی تھی انہوں نے میرے لیے' لیکن میں نے نئی زندگی پاتے ہی انہیں نظرانداز کر دیا تھا۔ میں انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی اور میری جدائی وہ برداشت نہ کر سکے' لیکن ڈیڈی کے انتقال کو کئی ماہ گزر گئے تھے۔ ہمیں خبر بھی نہ دی گئی حالانکہ بے شمار لوگ موجود تھے۔ ملازم تھے ہمارے مجھے ان لوگوں پر شدید غصہ آیا۔ میں نے اسی وقت تنویر صاحب کو فون کیا۔ تنویر صاحب ہماری ایک فیکٹری کے نگراں تھے۔ میں نے بچپن سے انہیں دیکھا تھا ڈیڈی ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

"تنویر صاحب! میں شمی بول رہی ہوں۔"

"کیسی طبیعت ہے شمی بٹی! ڈاکٹر صاحب بتا رہے تھے۔"

"ڈاکٹر اور طبیعت کو جہنم میں جھونکیں مجھے اس بات کا جواب دیں کہ آپ کو ہمارے بارے میں معلوم نہیں تھا؟"

"میں سمجھا نہیں بٹی؟"

"مجھے ڈیڈی کی موت کی اطلاع کیوں نہیں دی گئی تھی؟"

"اطلاع؟ وہ تو دے دی گئی تھی۔" تنویر صاحب تعجب سے بولے۔

"کیسے دے دی گئی تھی؟"

"آپ سوئٹزرلینڈ میں تھیں۔ کیبل کا جواب بھی ملا تھا' شاہد صاحب کی طرف سے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں تنویر صاحب!"

"جوابی تار میرے پاس موجود ہے شمی بٹی!"

"لے کر آئیں میرے پاس۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ غم و غصے سے میری کیفیت بہت خراب ہو رہی تھی۔ تنویر صاحب اتنا بڑا جھوٹ تو نہیں بول سکتے ہیں لیکن شاہد نے یہ بات کیوں چھپائی مجھ سے۔ اس نے اتنے عرصہ تک مجھے کچھ نہیں بتایا اور پھر خود ہی میں نے اس کا جواب بھی حاصل کر لیا۔ شاہد تو رنگ رلیاں منانے آیا تھا۔ وہ بھلا فوری واپسی کب پسند کرتا۔ اسے خود بھی تو واپس آنا پڑتا۔

تنویر صاحب نے شاہد کا جواب میرے سامنے رکھ دیا۔ لکھا تھا۔ "سخت غم ہوا۔

شمی نڈھال ہے۔ ابھی اسے واپس لانا ٹھیک نہیں ہے۔ اسے بہلانے کے لیے رکنا ضروری ہے۔ آپ تمام امور کی نگرانی کریں۔ شاہد!"

"فریبی شاہد! کہاں ہے وہ؟ وہ کہاں ہے تنویر صاحب؟"

"معلوم نہیں بٹی! وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تمام کام ان دنوں ان کا سیکرٹری محسن دیکھ رہا ہے۔ بڑی پریشانیاں ہوتی ہیں شاہد صاحب کے بغیر۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"باقاعدہ نظر نہیں آتا' پھر کہاں رہتا ہے؟"

"خدا جانے۔"

میں سوچ میں ڈوب گئی۔ شاہد کی فطرت سے واقف ہو گئی تھی ورنہ خوش فہمیوں کا شکار رہتی۔ تنویر صاحب کے جانے کے بعد نہ جانے کب تک سوچتی رہی۔ پھر ملازموں کو بلا کر شاہد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگی۔ پتہ چلا کہ وہ گھر میں بھی بہت کم نظر آتا ہے۔

بہرحال اس شام وہ واپس آگیا۔ مجھے ہوش و حواس میں دیکھ کر اس نے کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بس یونہی رسمی طور پر طبیعت پوچھ لی۔ لیکن میں نے تار اس کے سامنے رکھ دیا۔

"تم نے مجھے ڈیڈی کی موت کی اطلاع کیوں نہیں دی شاہد؟"

"اوہ۔ یہ...... یہ کہاں سے آیا تمہارے پاس؟"

"یہ جواب ہے تمہارا؟"

"نہیں' بس پوچھ رہا تھا۔ میری ہمت نہیں پڑی تھی شمی! اس لیے یہ غمناک خبر میں تمہیں نہ سنا سکا۔ کہ کہیں تمہیں صدمہ نہ ہو۔"

"ڈیڈی مر چکے تھے اور ہم رنگ رلیاں مناتے پھر رہے تھے۔" میں نے کہا

"یہ کیوں نہیں کہتے شاہد کہ تمہاری تفریحات ترک ہو جاتیں۔ تمہیں واپس آنا پڑتا۔ اس کا اعتراف کیوں نہیں کرتے؟"

"تمہیں میری نیک نیتی پر شک نہیں کرنا چاہئے شمی!"

"میں جانتی ہوں تم کتنے نیک نیت ہو۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے شمی! لیکن میری طرف سے غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ لوگ تمہیں بہکا رہے ہیں' تمہاری صحت پہلے ہی خراب ہے۔"

"کتنے دن کے بعد گھر آئے ہو؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولا۔

"میری صحت کی طرف سے بہت فکر مند لگتے ہو۔" میں بدستور طنزیہ انداز میں بولی۔

"شمی میں سمجھ گیا ہوں' میں جان گیا ہوں کہ کون تمہیں میرے خلاف بھڑکا رہا ہے' لیکن شمی ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ گھر کے ملازمین اور دفتروں میں کام کرنے والے طبقے گھٹیا ہوتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں صرف ایک بات ہوتی ہے کہ مالکان کی ہمدردیاں حاصل کریں اور اپنا مالی مفاد پورا کریں۔ تنویر صاحب بھی اس قسم کے لوگوں میں سے ہیں۔ اب میرا تجربہ اتنا بھی محدود نہیں ہے کہ میں انسانوں کے بارے میں اندازہ نہ لگا سکوں۔ یہ تار انہوں نے محفوظ رکھا اور بالاخر تم تک پہنچا دیا۔ اس کی وجہ پر غور کیا تم نے؟ وہ صرف تمہاری توجہ چاہتے تھے' وہ چاہتے تھے کہ تم ان کی ہمدردی پر غور کرو' ان پر بھروسا کرو۔ اس کے بعد وہ اپنے مسائل تمہارے سامنے لائیں گے۔ اور ظاہر ہے اس کے بعد تم اپنے ہمدردوں کے بارے میں نہ سوچو گی تو کس کے بارے میں سوچو گی۔ یہ لوگ میری طرف سے تمہیں بہت زیادہ بھکا دیں گے چونکہ اسی میں ان کی جیت ہے۔"

"نہیں شاہد صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے تنویر صاحب کو یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آپ نے مجھے ڈیڈی کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اور شاہد لاجواب ہو گیا' ظاہر ہے بیچارے تنویر صاحب کو یہ بات کیا معلوم تھی کہ شاہد نے مجھے ڈیڈی کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اس لیے شاہد کا یہ اعتراض خود بخود ختم ہو گیا تھا۔

"بہرصورت۔" شاہد نے گہری سانس لے کر کہا۔" میں محسوس کر رہا ہوں شمی کہ میرے لیے حالات بہت ناسازگار ہوتے جا رہے ہیں۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ شروع سے لے کر اب تک میں صرف ایک کھلونے کی حیثیت رکھتا ہوں۔ ڈیڈی مرحوم نے مجھے ایک تنہا آدمی پایا اپنی بیٹی کے لیے ایک گھر داماد حاصل کر لیا۔ یہ سوچ کر کہ میں ان کا دست نگر رہوں گا اور ان کے احکامات پر عمل کرتا رہوں گا۔ انتقال ہو گیا ان کا تو ساری دولت اور ساری جائداد وہ تمہارے نام کر گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ میں ایک اجنبی شخص ہوں اور اسی طرح ان کی بیٹی کا غلام بن کر رہ سکتا ہوں کہ اس کا دست نگرا ہوں مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے شمی! لیکن ایک حقیقت میں تمہارے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں وہ حیثیت حاصل نہیں کر سکا جو مجھے ملنی چاہئے تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں تمہارے گھر میں صرف ایک ڈمی ہوں

اور شمی ڈمی بن کر انسان خوش نہیں رہ سکتا۔ بس مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا۔ تم اپنے ملازمین سے ربط رکھو' ان سے دوستیاں کرو۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر غور کرتی رہو مجھے ذلیل و رسوا سمجھو میں تمہیں اس سے نہیں روک سکتا۔"

شاہد یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور میں اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ میں اس مکار آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتی تھی' فرانس میں اگر میں اسے اس انداز میں نے دیکھ لیتی تو شاید یہی سمجھتی کہ شاہد کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے لیکن جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ اور اس کے بعد میں کسی حماقت کی شکار نہیں ہو سکتی تھی۔ شاہد پر قابو رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اس کی لگامیں کھینچے رکھوں اور لگام کو کبھی ڈھیلا نہ ہونے دوں۔

یہ بات اس سے قبل مجھے نہیں معلوم تھی کہ ڈیڈی جائداد کے بارے میں کوئی وصیت نامہ چھوڑ گئے ہیں نہ ہی میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی میری تو حالت ہی درست نہیں تھی لیکن شاہد یہ بات بھی مجھے بتا گیا تھا۔ یقیناً اسے ان ساری چیزوں سے دلچسپی ہو گی۔ ڈیڈی کی بات نہ مان کر میں نے شدید نقصان اٹھایا تھا۔ اگر شاہد کو باہر کی دنیا کی ہوا نہ لگتی تو شاہد وہ انسان ہی رہتا لیکن میں نے اس کی اصلی تصویر دیکھ لی تھی۔ اور اب میں شاید اس پر کبھی بھی بھروسا نہیں کر سکتی تھی۔ جو اب سے پہلے مجھے اس کی ذات پر تھا۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ ڈیڈی کر گئے ہیں اب اس سے قطعاً انحراف نہ ہو گا۔

شاہد حسب معمول اپنی رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ میں اسے کسی بات کا پابند نہیں کر سکی۔ جب دل چاہتا وہ گھر آ جاتا۔ جب دل چاہتا چلا جاتا۔ ابتدا میں میں نے اس سے پوچھا مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ پا سکی۔ کئی بار اس نے مجھ سے بڑی بڑی رقمیں وصول کی تھیں۔ اس کے علاوہ دفتر سے بھی وہ رقمیں حاصل کرتا رہتا تھا۔ جس کی اطلاع مجھے مل جاتی تھی۔ لیکن میں چشم پوشی کرتی رہی۔ البتہ اس دن میں خود پر قابو نہ رکھ سکی جب مجھے شاہد کی دوسری شادی کی خبر ملی۔ شاہد نے ایک اور شادی کر لی تھی' نہ جانے کب۔ ممکن ہے مجھ سے شادی سے قبل ہی وہ شادی شدہ ہو۔ اس جیسے شخص کے بارے میں کیا کہا جا سکتا تھا۔ یہ خبر مجھے ایک بالکل غیر متعلق آدمی سے ملی تھی۔ یہ ایک اسٹیٹ بروکر تھا۔ جو شاہد سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ شاہد نے اپنی بیوی کے لیے ایک بنگلہ خریدا تھا۔ اس کے کاغذات کی تکمیل کے لیے بروکر یہاں آ گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ میں بھی شاہد کی بیوی ہوں۔ لیکن چند ایسی باتیں ہوئیں کہ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ شاہد نے یہ بنگلہ اپنے بیٹے کے نام سے خریدا ہے۔ فراز شاہد'

یہ اس کے بیٹے کا نام تھا۔ اسی بات سے میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے مجھ سے قبل ہی وہ شادی شدہ ہو۔

غم و غصے سے میں پاگل ہو گئی۔ شاہد آیا تو میں طوفان بنی بیٹھی تھی جو اسے دیکھتے ہی بپھر گیا۔

"تم پہلے سے شادی شدہ ہو شاہد۔ یا میری تقدیر پھوڑنے کے بعد تم نے یہ شادی کی تھی؟ جواب دو شاہد!" اور شاہد کا چہرہ اتر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا لیکن پھر سنبھل گیا۔

"تمہیں یہ خبر کس نے دی ہے شمی؟"

"مجھے میری بات کا جواب دو شاہد' مجھے صرف جواب درکار ہے۔"

"وقت آگیا ہے شمی کہ میں تم پر اپنی حقیقت کھول دوں۔ ہمارے دشمنوں نے ہمارے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کر دی ہے۔ اتنی وسیع کہ اگر میں تمہیں حقیقت حال سے روشناس نہ کر دوں تو نہ جانے کیا ہو جائے۔ آؤ شمی! براہ کرم اس وقت تک کے لیے برے خیالات ذہن سے نکال دو جب تک تم پر میری حقیقت واضح نہ ہو جائے۔ آؤ میں اس سے قبل تم سے کچھ نہ کہوں گا۔"

کچھ ایسی اداکاری کی تھی اس نے نومی کہ میں بے وقوف بن گئی میں اس اسرار کو جاننے کی خواہاں ہو گئی جس کے بارے میں شاہد نے کہا تھا اور شاہد مجھے اپنی کار میں لے آیا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور میرے استفسار کے باوجود خاموش رہا تھا۔ بس اس نے ایک جملہ کہا تھا۔ "چند لمحات توقف کرو شمی! تم پر تمام حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔" میں اس کا فریب نہیں سمجھی تھی اور تجسس میں ڈوبی میں یہاں تک آ گئی تھی۔ آخری وقت تک میں اس کی چال نہ سمجھی۔ مجھے تو اس وقت احساس ہوا جب شاہد نے مجھے اس پہاڑ کی چوٹی سے نیچے دھکیل دیا تھا۔ میں گہرائیوں میں جا رہی تھی لیکن شاید میری روح نیچے پہنچنے سے قبل ہی بدن کی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ میں نیچے گرتے بدن کو دیکھ رہی تھی اور میرا دل چاہا تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں میں لپک لوں لیکن ان نادیدہ ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں تھی۔ میرا بدن پانی میں آگرا اور یہاں لگی ہوئی جھاڑیوں میں اٹک گیا۔ یہ جھاڑیاں اب یہاں نہیں ہیں پہلے تھیں۔ میرا وجود بہت ہلکا ہو گیا تھا۔ میں ہر فکر سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ اور...... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا کوئی خیال ہی نہیں آیا مجھے۔ لیکن نومی اس وقت نہ جانے کیوں مجھے سب یاد آ رہا ہے...... یہ سب کچھ۔"

نومی کی داستان بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ میں

مظلومیت میں ماری گئی اور نومی ظلم میں شاید یہی وجہ تھی کہ اسے مکروہ اور کریہہ وجود زیادہ پسند آتے تھے۔ اسی لیے شاید اس کا انتخاب کبھی سانپ کا وجود ہوتا تو کبھی چمگادڑ۔

لیکن میرے لیے نومی کا وجود کسی فرشتے سے کم نہ تھا۔ اپنے مادی وجود سے نکلنے کے بعد کئی روز کو مجھے احساس بھی نہ ہوا کہ دنیا سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے۔ میرے وجود کی غیر معمولی تبدیلی نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میں کسی دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھاتی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسا کہ میرا وجود بند دروازے سے اندر گذر گیا ہو۔

مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میں پاگل ہو جاؤں گی میں ویرانوں میں بھٹکتی ہوئی واپس اسی پہاڑ کے دامن میں آ گئی جہاں سے روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹا تھا۔ یہیں میری ملاقات نومی سے ہوئی شاید ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے حالات سمجھ سکتے ہیں پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ عالم ارواح میں داخلے کے وقت تک عالم فنا میں اکٹھے رہیں گے۔ پس مجھ پر یہ بات بھی منکشف ہوئی کہ میں کسی بھی مردہ وجود میں سرایت کر سکتی ہوں جس کا ثبوت آج میں خود تھی۔

ہمیشہ شرارتوں پر آمادہ رہنے والا نومی بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "آؤ دیکھیں شمی! اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں دیکھو تو سہی! پتہ تو چلے کہ شاہد اب کس حال میں ہے۔"

"دفعتاً" میرے دل میں بھی شاہد کو دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی اور اس بار میں تیار ہو گئی۔ نومی میرے ساتھ پرواز کر رہا تھا۔

"ہم اس تک کیسے پہنچ سکیں گے نومی؟"

"ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ چلتی رہو میرے ساتھ۔ میں تمہیں شاہد کی رہائش گاہ کے سامنے لے جا کر کھڑا کروں گا۔ آؤ چلتی رہو۔

یہ وہ گھر نہیں تھا جہاں میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ رہتی تھی کوئی نئی جگہ تھی۔ لیکن بے حد خوبصورت پہلی کوٹھی سے ہزار درجے حسین اور کشادہ۔ سامنے کی سمت یہ بڑا لان تھا۔ ایک طرف چھوٹے چھوٹے کواٹر بنے ہوئے تھے جو ملازمین کے لیے تھے۔ مالکان کے حصے کی رونق دیکھنے کے قابل تھی۔ ملازم ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ خوب چہل پہل تھی۔

نومی ایک گھنے درخت کی شاخ پر الٹا جا لٹکا۔ "اب تم جانو تمہارا کام۔ یہ دنیا تمہاری ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ شاہد کی کوٹھی ہے۔ مگر شاہد کہاں ہے؟"

"تلاش کرو۔" منحوس نومی پھر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسنے کی عادت بھلا کہاں جا سکتی

تھی۔ میں اس اجنبی ماحول میں حیران تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جاؤں کیا کروں۔ بہرحال وہاں سے آگے بڑھ گئی اور اصل رہائش گاہ کی عقبی سمت نکل آئی۔ اس سمت ایک اور عمارت بنی ہوئی تھی۔ چھوٹی سی عمارت جو الگ تھلگ تھی۔ اس کا بڑا سا دروازہ بند تھا مجھے شاہد کی تلاش تھی۔ شاہد کہاں ہے؟

ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ مجھے کچھ لوگ اس طرف آتے نظر آئے۔ وہ اچانک گھوم کر سامنے آگئے تھے اس لیے میں خود کو ان سے چھپا بھی نہیں سکی۔ چند نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تھیں اور انہیں میں شاہد بھی تھا۔ خوبصورت، خوبرو شاہد، جو پہلے سے زیادہ حسین، پہلے سے زیادہ جوان نظر آرہا تھا۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی۔ آہ! کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا وہ۔

ان لوگوں نے مجھے دیکھا اور ٹھٹک گئے۔ پھر آگے بڑھ آئے۔

"آپ۔ آپ شاید بھٹک کر ادھر آگئی ہیں خاتون۔ ملازموں نے آپ کو گائڈ نہیں کیا، کس سے ملنا ہے آپ کو؟" شاہد نے معصومیت سے پوچھا۔

میں بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ کمبخت کو گمان بھی نہیں ہوگا کہ یہ میں ہوں۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟" شاہد نے پھر پوچھا۔

"کسی سے نہیں، بس یوں ہی آگئی تھی۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یوں ہی؟" شاہد حیرانی سے بولا۔

"تم...... تم شاہد ہو نا؟" میں نے تلخ مسکراہٹ سے پوچھا اور شاہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"فراز شاہد۔ شاہد میرے والد کا نام ہے۔" اس نے جواب دیا۔ اور میں چونک پڑی۔ مجھ سے بھی تو حماقت ہوئی تھی۔ بھول ہی گئی تھی۔ کوئی آج کی بات تھی۔ سالہا سال بیت گئے تھے۔ طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نہیں بدلی تھی لیکن شاہد تو بدل گیا ہو گا۔ بوڑھا ہوگیا ہوگا وہ۔ پچیس سال کم تو نہیں ہوتے۔ تو یہ شاہد کا بیٹا ہے فراز شاہد۔

وہ سب مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے، پھر فراز نے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میں...... میں آپ کے والد سے ملنا چاہتی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ! خاتون شاید آپ کسی دوسرے شہر سے آئی ہیں اور شاید آپ کو میرے والد کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔" فراز نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بیمار ہیں، شدید بیمار۔ ٹی بی ہے انہیں۔ دونوں پھیپھڑے گل چکے ہیں، ہر

وقت خون تھوکتے ہیں۔ دراصل انہوں نے اپنی صحت اپنے ہاتھوں تباہ کی ہے۔ شراب کی زیادتی۔ اور اب بھی باز نہیں آتے۔" نوجوان کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"تو وہ کسی ہسپتال میں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں گھر پر ہیں، موت کا انتظار کر رہے ہیں۔" نوجوان نے کہا۔

"میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اپنی دشمن ہیں آپ؟"

"کیوں؟" میں نے کہا۔

"ان کا مرض شدت اختیار کر چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے ہدایت کر دی ہے کہ ان سے قطعاً دور رہا جائے، ورنہ کوئی بھی اس مرض کا شکار ہو سکتا ہے۔"

"ہسپتال میں کیوں نہیں رکھا آپ نے انہیں؟"

"ہسپتال۔ وہ انہیں موت گھر کہتے ہیں۔ موت سے انہیں شدید خوف محسوس ہوتا ہے، ان کا خیال ہے کہ ہسپتال میں انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ کئی بار انہیں ہسپتال اور سینی ٹوریم بھیجا لیکن بھاگ آتے ہیں وہاں سے۔ بس یہ بوڑھے لوگ بعض اوقات اولاد کے لیے درد سر بن جاتے ہیں۔ لاپرواہ ہو جاؤ تو زمانہ اخلاقیات کے لاکھوں سبق دہرا دے گا لیکن......"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاہد کا بیٹا بول رہا تھا۔ شاہد کا گناہ بول رہا تھا۔ یہ شاہد کی حیثیت تھی اس گھر میں جو میری دولت کا غصب کر کے حاصل کیا گیا تھا۔ ان کے لیے شاہد نے مجھے قتل کیا تھا اسے اس کے کیے کی سزا تو ملنی ہی چاہئے تھی۔ قدرت کسی ظالم کو اس طرح تو نہیں چھوڑ دیتی۔ مجھے انوکھا سکون محسوس ہوا۔

"تو شاہد کی تیمارداری کون کرتا ہے؟"

"بس ایک بڑے میاں ہیں ہمارے پرانے ملازم۔ بچپن سے ساتھ ہیں۔ دونوں بوڑھے موت کے منتظر ہیں۔" فراز مسکرا کر بولا۔

"کہاں ہیں وہ؟" میں نے پوچھا۔ اور فراز نے اس الگ تھلگ عمارت کی طرف اشارہ کر دیا جو میرے عقب میں تھی۔

"وہاں۔ شاید ڈیڈی نے یہ عمارت اسی لیے تعمیر کرائی تھی اور کوئی مصرف تو نہیں ہو سکتا اس کا۔ مگر خاتون! میں نے آپ کے سوالات کے جواب تو دے دیے۔ اب میری باری ہے، اپنے بارے میں تو کچھ بتائیں آپ۔ آپ کا محل وقوع کیا ہے؟"

"میں؟" میں نے ایک گہری سانس لی۔ جھوٹ ہی بولا جا سکتا تھا ان سب حقیقتوں کو برداشت کرنے کی ہمت کہاں ہوگی ان میں چنانچہ میں نے کہا۔ "میں ایک ستم رسیدہ

ہوں' بے حد بدنصیب۔ یورپ میں رہتی تھی۔ میرے والد صاحب شاہد صاحب کے دوست تھے۔ ان کے سوا میرا کوئی نہیں تھا اس جہاں میں۔ لاکھوں روپے کی دولت کی وارث ہوں لیکن اس جہاں میں یکہ و تنہا ہوں' اپنوں کے لیے ترستی ہوئی۔ مرتے ہوئے والد صاحب نے کہا تھا کہ ان کے دوست شاہد کے پاس چلی جاؤں۔ نہ جانے کتنی دقتوں کے بعد یہاں تک آئی ہوں لیکن اب...... اب کیا کروں۔"

فراز کے چہرے پر ہمدردی کے آثار پھیل گئے۔ وہ بڑی اپنائیت سے آگے بڑھ کر بولا۔ "تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے آپ صحیح جگہ پہنچ گئیں بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ یہاں تک آگئیں۔ ہم سب آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" پھر فراز نے اپنی ساتھی لڑکیوں سے میرا تعارف کرایا۔

"یہ میری بہن عذرا شاہد ہے' یہ جبیں شاہد اور یہ خواتین ان دونوں لڑکیوں کی سہیلیاں ہیں اور آپ......؟" اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔ میں اس جھرمٹ میں ایک نام بھی گھڑ چکی تھی۔

"میرا نام ماریا ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ماریا۔" فراز نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "اور خاص طور سے اس لیے کہ اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گی۔ آئیے میں آپ کو ممی سے ملاؤں۔ مگر یوں کریں۔ عذرا تم گیسٹ روم کھلوا دو۔ مس ماریا کو پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہونے دیں۔ اس کے بعد انہیں ممی سے ملائیں گے۔ جاؤ کوئی تکلیف نہ ہو مس ماریا کو۔"

"آیئے۔" عذرا نامی لڑکی نے کہا جو فراز کی بہن تھی۔ اور میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ نومی کا قہقہہ پھر میرے کانوں میں ابھرا تھا۔ یہ شریر شخص تو میری اس حرکت سے بہت خوش ہوا ہوگا۔ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

لیڈیز گیسٹ روم اس کوٹھی کے شایان شان تھا۔ عذرا مجھے ایک خوبصورت کمرے میں چھوڑ گئی اس نے میرے سامان کے بارے میں پوچھا۔

"بس بے سروسامانی کی حالت میں ہوں۔ دوسرا کوئی لباس بھی ساتھ نہیں لاسکی۔"

"کیا ہرج ہے۔ میرے کپڑے آپ کے لیے بالکل درست ہوں گے۔" اس نے کہا اور مجھے لباس مہیا کر دیے گئے۔ میں باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ بدن کی کثافت نے میرے ذہن میں بھی فوری تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں اور میرے اندر خواہشات بیدار ہو گئی تھیں چنانچہ میں نے ایک عمدہ لباس پہنا۔ چہرہ اور بال درست کیے اور جب باہر آئی

تو عذرا میری منتظر تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"بہت خوبصورت ہیں آپ مس ماریا۔"

"شکریہ۔"

"یورپ میں آپ کہاں مقیم تھیں؟"

"فرانس میں۔"

"اس کے باوجود آپ بے حد سادہ ہیں۔ آیئے آپ کو ممی کے پاس لے چلوں سب لوگ وہاں آپ کے منتظر ہیں۔"

"کیا آپ نے ممی کو میرے بارے میں بتا دیا؟"

"ہاں فراز بھیا نے تو نہ جانے کیا کیا کہا ہے ممی سے۔ انہوں نے کہا ہے کہ انہیں آپ کے آنے کی اطلاع تھی۔ ایک بات عرض کر دوں آپ سے۔" عذرا بولی۔

"جی۔"

"ممی دولت پسند ہیں ان سے اپنی امارت کے خوب تذکرے کریں وہ آپ سے بہت خوش ہوں گی' دیکھیے ہر انسان کی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ آپ محسوس نہ کریں۔"

"کوئی بات نہیں ہے آپ فکر نہ کریں۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر میں نے اپنی سوکن کو دیکھا۔ اس عورت کو جس کی خاطر شاہد نے مجھے قتل کر دیا تھا۔ کسی دور میں بے شک حسین ہوگی اب تو کھنڈرات باقی تھے جن میں اس نے چراغاں کر رکھا تھا۔

اس نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ میک اپ سے لتھڑی ہوئی تھی مجھے اس کے سینے سے لگ کر سخت کراہت محسوس ہوئی۔ اس نے دل جوئی کے بے شمار کلمات کہے۔ اور مجھے تسلیاں دیتی رہی کہ میں کوئی فکر نہ کروں یہ میرا خاندان ہے۔ ساتھ ساتھ وہ مجھ سے میرے بارے میں بھی پوچھتی جا رہی تھی اور میں مسلسل جھوٹ بولی رہی تھی۔ لیکن میرا ہر جھوٹ اس کی آنکھوں میں چمک بڑھا دیتا تھا۔

یہاں میری بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ کافی رات گزرے مجھے ان لوگوں سے چھٹکارا ملا تھا اور عذرا مجھے میری خواب گاہ میں پہنچا گئی تھی۔ اندر داخل ہو کر مجھے عجیب سا احساس ہونے لگا۔ میں کس چکر میں پڑ گئی تھی۔ میری روح پر جھوٹ کے انبار لگتے جا رہے تھے۔ اور میں بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا یہاں سے بھاگ نکلوں میری اپنی دنیا کس قدر پرسکون ہے۔ کوئی جھوٹ' کوئی فریب' کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

نومی ایک روشن دان سے اندر داخل ہو گیا اور میں غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ "اب بولو کیا کروں؟"

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

"بہت برا۔ میں خوش نہیں ہوں۔"

"ہر زندہ انسان ناخوش ہے' بے سکون ہے' سکون صرف ہماری دنیا میں ہے۔ زندگی اور سکون دو مختلف چیزیں ہیں۔"

"بدن کا بوجھ لاتعداد کثافتوں کا حامل ہوتا ہے۔ جب زندہ تھی تو اتنا غور نہیں کیا تھا۔ اب سوچتی ہوں تو عجیب سا لگتا ہے۔ حسد' جلن' فریب نہ جانے کون کون سے جذبے چھپے ہوئے ہیں ہڈیوں کے اس خول میں۔ وہ عورت میری سوکن ہے دل چاہتا ہے اس کا خون پی جاؤں۔ میری دولت پر عیش کر رہی ہے ورنہ شاہد کے پاس کیا تھا۔"

"شاہد سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں' لیکن سنا ہے اس کی بری حالت ہے۔"

"ملو اس سے۔ کیا تمہارے دل میں اس کے لیے ہمدردی ابھرتی ہے۔

ہاں میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔

دیکھنا چاہتی ہوں کہ دولت کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا انسان کیسا دکھائی دیتا ہے؟ لیکن نومی مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ میں اس مقام تک کیسے پہنچوں جہاں وہ اپنی سزا دنیا کی نگاہوں سے اوجھل کاٹ رہا ہے۔

شیمی تم تو ویسے ہی پریشان ہو جاتی ہو۔ یہ سب معاملات میں خود ہی سنبھال لوں گا بس تم جانے کی تیاری کرو اور دیکھو ذرا جلد لوٹنا ایسا نہ ہو کہ گھر والے جاگ جائیں۔

رات کے دو بجے کے قریب اچانک نومی کمرے کے روشن دان سے پھڑپھڑاتا ہوا اندر آیا۔ انسانی وجود میں داخل ہوتے ہی مجھے بھوک نیند اور خواہشات نے گھیر لیا تھا۔ اگرچہ نیند کی شدت مجھ پر غالب آ رہی تھی۔ لیکن شاہد کو دیکھنے کی خواہش اس جذبے سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔

نومی کی پیروی میں۔ میں اس خستہ حال کمرے کے دروازے تک جا پہنچی جہاں شاہد اپنی ناعاقبت اندیشی اور گناہوں کی سزا بھگت رہا تھا۔

میں نے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی ایسا محسوس ہوا جیسے کسی خستہ حال ڈھانچے کی ہڈیاں چیخ رہی ہوں۔ چند لمحوں بعد میں شاہد کے سامنے کھڑی تھی۔

"پھر..... پھر تم کون ہو تم؟"

"بدحواس ہونے کی ضرورت نہیں ہے شاہد! میں جو کوئی بھی ہوں تمہیں کھا تو نہیں جاؤں گی۔ اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟" میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر بولی۔ "لیکن تمہارا خوف بھی ٹھیک ہی ہے ہر مجرم بزدل ہوتا ہے۔ وہ زندگی کی آخری سانس تک اپنے جرم کو فراموش نہیں کر سکتا۔ شاید یقیناً تمہاری بھی یہی کیفیت ہو

گی۔ اس طرح تو تم اپنے خوف میں حق بجانب ہو۔"

"تم........ تم........ تم میرا وہم نہیں ہو سکتیں۔ تمہارے خدوخال تمہاری شکل' تمہاری آواز سب کچھ وہی ہے۔ سب کچھ وہی۔"

"اگر تمہیں اس قدر اعتماد ہے تو ٹھیک ہے۔ چلو میں مان لیتی ہوں کہ میں شیمی ہوں۔"

"مم مگر مگر تم........ تم زندہ کیسے ہو گئیں؟ تمہاری یہ شکل صورت تم بوڑھی بھی نہیں ہوئیں۔"

"مرنے والے اپنی جگہ رک جاتے ہیں شاہد! پھر ان کی عمر نہیں بڑھتی۔ میری عمر وہی ہے جس عمر میں تم نے مجھے اس دنیا سے رخصت کر دیا تھا۔"

"تو تم........ تو تم........ تو تم روح ہو' بدروح ہو؟"

"بدروح۔" میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی' "ہاں تم مجھے ایک بدروح کہہ سکتے ہو اور تمہارے اندر جو روح موجود ہے وہ یقیناً نیکیوں کی جانب راغب ہو گی' کیا خیال ہے شاہد! کیسی پائی یہ جرم کی زندگی تم نے؟ میں تمہارے اہل خاندان سے بھی مل چکی ہوں۔ میں نے ان سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں اور محسوس کیا ہے کہ سب تم سے نفرت کرتے ہیں کوئی تمہارے پاس پھٹکنے کو تیار نہیں۔ اس لیے کہ تم ٹی بی کے آخری اسٹیج کے مریض ہو۔ تمہارے بیٹے' تمہاری بیٹیاں' کوئی بھی تمہارا نام محبت سے نہیں لیتا۔ یہ وہی لوگ ہیں نا شاہد جن کے لیے تم نے مجھے اس دنیا کو چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ تم نے مجھے اس عمر میں قتل کر دیا تھا شاہد' جس عمر کو امنگوں کی عمر کہا جاتا ہے۔ کچھ ملا تمہیں اس قتل کے بعد۔ میری دولت سے تم نے ان لوگوں کو عیش کرا دیے' کیا خیال ہے یہ دولت تمہارے بھی کسی کام آئی؟ کیسا پایا شاہد تم نے اس دنیا کو؟"

"تم..... تم..... تم..... آہ..... تم..... آہ یہ نہیں ہو سکتا یہ نہیں ہو سکتا' تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتیں شیمی! تم..... آخر تم پچیس سال کے بعد میرے پاس کیوں آ گئیں؟"

"بس دل چاہا تھا کہ جا کر تمہاری حالت تمہاری کیفیت دیکھوں شاہد تم نے میرے باپ کی موت سے مجھے بے خبر رکھا' اس باپ کی موت سے جس نے مجھے ماں بن کر پالا تھا۔

دوسرے دن بھی وہ لوگ میرے اردگرد رہے۔ بڑی چاہت کا اظہار ہو رہا تھا

میرے لیے۔ مجھے ان ہنگاموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوپہر کو سب لوگوں کو آرام کرنے کی عادت تھی۔ اس وقت مجھے موقع مل گیا اور میں دبے قدموں شاہد کی آرام گاہ کی طرف بڑھ گئی۔

فضل کو میں نے پہچان لیا۔ وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا اور شاید نابینا بھی۔ میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ "کون ہے؟" لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔ فضل پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

میں اندر داخل ہو گئی۔ ایک کشادہ کمرہ تھا جس میں ایک بستر اور چند کرسیوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ایک کھڑکی کوٹھی کے پارک کی جانب کھلتی تھی جس کے پاس شاہد بیٹھا باہر خلا میں گھور رہا تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ پا کر پلٹا دن کی روشنی میں مجھے احساس ہوا کہ وہ کس قدر لاغر ہے بالکل لاغر ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک تھے اور گال پچکے ہوئے۔ مجھے دیکھا اور دیر تک گھورتا رہا۔ رات کا واقعہ شاید اسے بھول چکا تھا۔ دن کی روشنی میں شاید اسے احساس ہو رہا تھا کہ میں اس کا وہم نہیں۔ پھر اتنی زور سے اٹھا کر کرسی الٹ گئی۔

"کک۔ کون ہو تم؟" اس کی آواز دہشت سے کپکپا رہی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پہچاننے کی کوشش کرو شاہد!" میں نے کہا۔

"کون ہو تم؟ کون ہو؟" اب وہ بری طرح کانپنے لگا تھا۔

"وہی ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"شمی۔ ناممکن۔ ناممکن..... تم..... تم شمی نہیں ہو سکتیں۔ تم۔ نہیں..... تم شمی نہیں ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

میں نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا اور اس کی طرف مڑی۔

"ہاں۔ یہ ناممکن ہے شاہد۔ کیونکہ شمی کو تم نے پچیس سال قبل ہلاک کر دیا تھا' ٹھیک ہے نا!" اور ہلاک کرنے کی ترکیب اچھی تھی۔"

"کیسی ترکیب' کیسی ترکیب؟" شاہد بدستور خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس کے لیے یہ تصور ہی سوہان روح تھا کہ ایک مردہ جسم اس کے سامنے موجود ہے۔ میں اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتی رہی در حقیقت میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی اور میں اس کے ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔

"بتاؤ کیا انتقام لو گی مجھ سے' بولو۔ جواب دو۔" اس نے کہا۔

"جب میں اس عمارت میں داخل ہوئی تھی تو میں نے تمہیں دیکھا' جوان' خوبصورت پہلے سے زیادہ دیدہ زیب' پہلے سے زیادہ دلکش۔ اور میں نے تمہیں شاہد کہہ کر مخاطب کیا۔ لیکن شاہد وہ تم نہیں تھے۔"

"پھر--- پھر کون تھا وہ؟"

"تمہارا بیٹا فراز--- تمہارا ہم شکل--- بالکل تمہاری مانند---" میں نے مسکرا کر کہا پھر بولی۔ "لیکن میں اسے شاہد سمجھ لوں گی۔ میں اسے شاہد بنا لوں گی۔ میں اسے اپنے پیار کے جال میں پھانس لوں گی میں اسے زندہ در گور کر دوں گی مجھے خوشیاں تم سے حاصل نہ ہو سکیں وہ فراز سے حاصل کر لوں اور شاہد! یہ سب تمہاری زندگی میں ہو گا۔ یہ سب کچھ تمہارے سامنے ہو گا' کیا خیال ہے' کیسی ترکیب ہے یہ؟"

"آہ! نہیں--- خدا کے لیے نہیں--- ایسا مت کرنا۔ میری زندگی چند روزہ ہے۔ میں تو یونہی لب گور ہوں۔ میرے ساتھ یہ سلوک مت کرو۔"

زندگی کی ہر خوشی تج دی تھی' اپنا سکون اور آرام حرام کر لیا تھا۔ تم نے مجھے اس شفیق باپ کی موت سے لاعلم رکھا۔ اپنی خود غرضی کی بنا پر' اور اس کے بعد تم نے ایک اور عورت کے لیے مجھے بھی ہلاک کر دیا۔ شاہد! میرا کیا قصور تھا' مجھے جواب دو۔ کیا میں تم سے انتقام لینے میں حق بجانب نہیں ہوں؟"

"انتقام!" شاہد اچھل پڑا۔ "تو تم--- تو تم مجھ سے انتقام لو گی' کیا تم مجھے ہلاک کر دو گی؟"

"ارے نہیں---" میں ہنس پڑی۔ "تم تو ویسے ہی نیم مردہ ہو تمہیں ہلاک کرنے سے کیا فائدہ اور پھر کسی کو موت کے حوالے کر دینا تو اس کے ساتھ رحم اور ہمدردی ہے' یہ دنیا' یہ زندگی' جس قدر ناپائیدار اور جس قدر تکلیف دہ ہے اس کا تمہیں پورا پورا احساس ہو گا۔ تمہیں اس زندگی سے نجات دلانے کا مقصد تو یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کی گئی--- ہاں! میں تمہارے کرب میں کچھ اور اضافہ کرنا چاہتی ہوں شاید! اور یہی میرا انتقام ہو گا۔"

"اوہ! تم کیا کرو گی' مجھے بتاؤ شمی تم کیا کرو گی؟" شاہد نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں--- شاہد اب سے پہلے تو میرے ذہن میں کوئی--- ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا لیکن اچانک ایک ترکیب آئی ہے میرے ذہن میں' اور بڑا ہی دلچسپ مشغلہ ہو گا یہ۔ کیا خیال ہے اس بارے میں؟" میں نے مسکراتے ہوئے شاہد سے پوچھا۔

"کاش اس سے اچھی کوئی ترکیب میرے ذہن میں آ سکتی۔ کاش میں تمہیں اس

سے زیادہ اذیت دے سکتی شاہد! میں تو پھر بھی تمہارے مقابلے میں رحم دل ہوں تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جواب دو۔ تم نے کیا کیا تھا۔ پہلے مجھے ذہنی اذیتیں دیں پھر اس وقت موت کے منہ میں دھکیل دیا جب میں نے زندگی کا آغاز کیا تھا۔ میں نے کچھ بھی تو نہیں دیکھا تھا اس دنیا میں۔ بولو شاہد تم نے یہ سب کچھ میرے ساتھ نہیں کیا تھا؟"

"مجھے معاف کر دو شمی! مجھے معاف کر دو۔ میں مریض ہوں میں زندگی کی آخری سانسیں پوری کر رہا ہوں۔ میں چند روز کا اور مہمان ہوں اس دنیا میں' مجھے یہ اذیت نہ دو۔"

"مجھے تم سے نفرت ہے شاہد' بے پناہ نفرت۔ تم مجھ سے معافی مانگ رہے ہو' شرم نہیں آتی تمہیں۔ یہ سب کچھ جس پر یہ لوگ عیش کر رہے ہیں میرا ہے' یہ زندگی تو میری تھی لیکن اب یہ سب--- تم اس سے بھی کڑی سزا کے مستحق ہو شاہد! کاش کوئی اس سے اچھی ترکیب میرے ذہن میں آجاتی۔ بس اتنا ہی بتانا تھا تمہیں--- چلتی ہوں۔" میں نے کہا۔

"معاف کر دو شمی معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو شمی۔" وہ چیختا رہا اور میں دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ میں بے حد مسرور تھی۔ شاہد کی یہ کیفیت میرے لیے بہت مسرور کن تھی۔ اس شخص نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے عوض یہ انتقام بہت ہلکا تھا۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے میری دولت' میری زندگی چھین کر دوسروں کے قبضے میں دے دی تھی اور میں بس اسے معاف کر دیتی۔ ناممکن تھا' قطعی ناممکن تھا۔

ملازم فضل وفائیں نبھا رہا تھا۔ وہ بے چارا بھی اب کسی قابل نہیں رہا تھا۔ میں اس کے سامنے سے گزر کر چلی آئی لیکن اسے پتہ بھی نہیں چل سکا۔

عمارت سے باہر نکلی تو فراز نظر آگیا۔ اسی طرح آرہا تھا مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا اور پھر تیزی سے میرے پاس آگیا۔ "آپ--- آپ ڈیڈی سے ملنے گئی تھیں' مل لیں آپ ان سے؟"

"ہاں فراز۔"

"آپ کو ہماری باتوں سے خوف نہیں محسوس ہوا؟"

"خوف!"

"ڈیڈی کا مرض چھوت کا مرض ہے۔"

"میں ان باتوں پر بھروسا نہیں کرتی۔"

"میں بھی نہیں کرتا' بس ممی کے احکامات ہیں کہ کوئی ان کے قریب نہ جائے' کوئی ان سے نہ ملے۔"

"اوہ فراز' کیا آپ کی ممی شاہد صاحب سے نفرت کرتی ہیں؟"

"یہ بات نہیں۔ بس ممی نفاست پسند ہیں اور حفظان صحت کے اصولوں کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ آیئے اس درخت کے نیچے بیٹھیں گے۔" فراز نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ چل پڑی قرب و جوار کا ماحول بے حد خوبصورت تھا۔ آسمان ابر آلود تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ فراز بہت خوش نظر آرہا تھا۔

"اگر ممی حفظان صحت کے اصولوں کا خیال رکھتی ہیں تو شاہد صاحب کی یہ حالت کیسے ہوئی' ان پر توجہ کیوں نہیں دی گئی؟"

فراز کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا پھر اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"چھوڑیے مس ماریا! آپ کہاں ان الجھنوں میں پڑ گئیں۔ میں آپ کو بہت جگہ تلاش کرکے اس طرف نکل آیا تھا۔ بس یوں ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں آپ اس طرف نہ نکل آئی ہوں۔"

"شاہد صاحب میرے ڈیڈی کے دوست ہیں مجھے ان سے ہمدردی ہے۔"

"ڈیڈی اپنی فطرت کے شکار ہوئے ہیں ممی کی ان کی طرف سے بے توجہی بلاوجہ نہیں ہے۔"

"تم سب لوگ بہت اچھے ہو فراز! مجھے تم نے بڑی اپنائیت بخشی ہے اس لیے میں اس گھر کے معاملات سے پوری پوری دل چسپی رکھتی ہوں مجھے بتاؤ فراز' یہ سب کیا ہے؟"

"ڈیڈی کبھی اس گھر سے مخلص نہیں رہے۔ ضدی اور عیش پرست شراب اور عورت ان کی زندگی رہی۔ یہ بیماری بھی ان کی انہی--- عیش کوشیوں کا شاخسانہ ہے۔ ممی نے ہمیشہ انہیں ان تمام چیزوں سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کبھی کسی کی بات مانی۔"

"وہ اب بھی شراب نوشی کرتے ہیں؟"

"ہاں' اب بھی۔"

"کوئی غم تو نہیں ہے انہیں؟"

"نہیں مس ماریا! وہ غم پالنے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔"

"تم لوگ بھی ان سے ہمدردی نہیں رکھتے؟"

"حالات ہی ایسے رہے ہیں مس ماریا! انہوں نے ہمیں کبھی خود سے قریب نہیں

ہونے دیا۔ ہم ہمیشہ ان کی محبت سے محروم رہے ہیں اس لیے اب ہم بھی اس کے عادی نہیں ہیں۔"

"کیا نشے کے عالم میں ان کی ذہنی کیفیت کچھ خراب ہو جاتی ہے!"

"کبھی غور نہیں کیا۔۔۔ کیوں؟"

"اس وقت بھی وہ حواس میں نہیں تھے۔" میں نے پیش بندی شروع کر دی۔

"اوہ! آپ کو کیسے اندازہ ہوا؟" فراز نے چونک کر پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں پہچان سکے۔ کہنے لگے ان کا کوئی دوست نہیں ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں، بے وقوف بنا رہی ہوں سب کو، میں بد روح ہوں۔ میں سہمی ہوں۔ یہ سہمی کیا ہے فراز؟" میں نے غور سے فراز کو دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں نمایاں تبدیلی ہوئی تھی لیکن دوسرے لمحے اس نے سنبھل کر کہا۔

"ان کے ذہن کی اختراع ہو گی ویسے ان کی یہ کیفیت نئی ہے بہرحال مس ماریا! براہ کرم ان کے لیے پریشان نہ ہوں، یہ بتائیں آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"آپ جیسے مخلص لوگوں کی موجودگی میں مجھے کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔ بہت خوبصورت کوٹھی ہے آپ کی۔"

"اگر آپ کو پسند آگئی ہے تو واقعی خوبصورت ہے۔" شاہد کا بیٹا بولا۔ شاہد کی آواز تھی، شاہد کا انداز تھا۔ پھر وہ سب لڑکیاں آئیں شاہد کی بیٹیاں اور دوسری رشتے دار لڑکیاں۔

"ہوں! یہ تنہائیاں کیا کہہ رہی ہیں؟"

"کیوں فراز بھائی؟"

"ابھی تو چند گھنٹے ہی گزرے ہیں۔" لڑکیاں لڑکیوں جیسی باتیں کرنے لگیں، فراز بوکھلانے لگا۔ میں انجان بن گئی جیسے ان کا مذاق سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہوں، یورپ سے جو آئی تھی لیکن ان تمام باتوں سے میں خوش تھی۔ وہ شروع ہو گیا تھا جو میں چاہتی تھی۔

ایک لڑکی نے کہا۔ "یورپ کی زندگی کیسی ہے ماریا!"

"بس زندگی جیسی ہوتی ہے۔"

"سنا ہے وہاں بڑی آزادی ہے۔"

"ہاں، جہاں سے میں آئی ہوں وہاں بڑی آزادی ہے، کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ ہلکا پھلکا خوشگوار سکوت فضاؤں میں ہوتا ہے۔"

"کسی سے محبت نہیں کی؟" ایک لڑکی نے سوال کیا اور میں مسکرا کر خاموش ہو

گئی۔

"جواب نہیں دیا تم نے ماریا؟"

"اس بات کا جواب نہیں دے سکتی۔"

"خیر، اب کر لینا، ارادہ ہے؟" عذرا نے اپنی دانست میں مجھے گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں ارادہ ہے۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا اور لڑکیاں فراز کو مبارکباد دینے لگیں۔ میں البتہ اسی طرح انجان بنی رہی جیسے ان کے مافی ضمیر سے ناواقف ہوں، فراز انہیں ڈانٹنے لگا اور یوں یہ تفریحی شغل دیر تک جاری رہا۔

رات کے کھانے پر میں نے مسز شاہد کو مطمئن کرنے کے لیے کچھ فضول گفتگو کی میں نے فراز سے کہا۔

"مسٹر فراز! اب تو میں یہاں آہی گئی ہوں اور آپ لوگوں نے مجھے اپنے درمیان جگہ دے دی ہے۔ میں چاہتی ہوں اپنی دولت یہاں منتقل کر لوں لیکن اس کے لیے بہتر یہ ہو گا کہ آپ کسی اچھے سے وکیل سے مشورہ کر کے میرا سرمایہ یہاں منگوانے کی کوشش کریں۔"

"ہاں فراز بہتر ہو گا تم نورالدین صاحب سے رابطہ قائم کرو اور بے چاری ماریا کی یہ مشکل حل کر دو۔ ہرچند کہ یہاں رہ کر اسے دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن بہرصورت وہ اس کا سرمایہ ہے جس قدر جلد منتقل ہو جائے بہتر ہے اور ہاں ماریا! مجھے تم سے کچھ اور گفتگو بھی کرنی ہے تم ایک ایسی معزز ہستی کی بیٹی ہو جس کی ہم سب بے حد عزت کرتے ہیں۔ اور ماریا تم میرے بچوں سے مختلف نہیں ہو۔ تمہارے بہتر مستقبل کے لیے میں نہیں سوچوں گی تو اور کون سوچے گا۔ میں چاہتی ہوں اب تم بقیہ زندگی ہمارے ساتھ ہی بسر کرو۔" مسز شاہد نے فراز کے کچھ بولنے سے بیشتر ہی یہ ساری باتیں کر ڈالیں۔

"اس کے انتظامات ہو رہے ہیں ممی آپ فکر نہ کریں۔" عذرا نے مسز شاہد کی باتوں کے جواب میں کہا۔

"کیا مطلب؟" مسز شاہد نے تعجب سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے میرا مطلب ہے آپ سب لوگ انتظامات کر تو رہے ہیں۔" عذرا نے مسکرا کر کہا اور دوسری لڑکیاں بھی زیر لب مسکرانے لگیں۔ عذرا کا مطلب کچھ اور تھا، فراز اسے گھورنے لگا۔ لیکن عذرا ان سب باتوں سے انجان بن گئی تھی۔ یہ رات بھی خاموشی سے گزر گئی اور پھر دوسرا دن شروع ہو گیا۔

وہی تفریحات وہی معمولات، میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ میں یہاں خوش

ہوں یا ناخوش بس جو جذبہ میرے دل میں پیدا ہو چکا تھا اس کی تکمیل چاہتی تھی اور اس کے بعد شاید میرے لیے یہاں رکنا ممکن نہ ہوتا البتہ اس دن دوپہر ایک چھوٹا سا دلچسپ واقعہ ہوا۔ فراز نے حسب معمول مجھے تلاش کر لیا تھا اور یہ وقت نہایت موزوں تھا کیونکہ دوسرے تمام لوگ دوپہر کو سو جایا کرتے تھے۔ اس نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور میں نے اسے اندر بلا لیا۔

"یہاں نہیں رکیں گے ورنہ صورت حال یکسر غیر مناسب ہو جائے گی تم ابھی مقامی ماحول سے واقف نہیں ہو ماریا! یوں کرو' لان میں آجاؤ' اسی جگہ جہاں کل ہم لوگ بیٹھے تھے۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" فراز نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

وہ چلا گیا اور میں نے اپنے بال وغیرہ درست کیے اور مسکراتی ہوئی اس جگہ پہنچ گئی۔ ہم دونوں درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گئے اور فراز مجھ سے باتیں کرنے لگا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً ہم نے شاہد کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ کھڑکی جس کے پاس میں نے شاہد کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی جانب کھلتی تھی اور یقیناً شاہد نے ہمیں یہاں بیٹھے دیکھ لیا ہو گا۔ وہ ہانپتا کانپتا اسی طرف آ رہا تھا۔ غصے کی شدت سے اس کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا' یہ نہیں ہو سکتا' فراز! یہ بدروح ہے۔ یہ بری روح ہے اس سے بچو' تم بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ--- یہ تمہیں نقصان پہنچا دے گی۔ بھاگ جاؤ فراز یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اس کے فریب میں مت آؤ۔ یہ--- یہ بے حد خوفناک ہے۔" وہ پاگلوں کے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ فراز کے ہونٹ بھنچ گئے وہ ناخوشگواری کے سے انداز میں شاہد کو گھورنے لگا۔

"آپ باہر کیوں چلے آئے ڈیڈی! آپ کو علم ہے کہ ڈاکٹروں نے آپ کو چلنے پھرنے سے منع کیا ہوا ہے۔"

"میں--- میں تمہارا باپ ہوں فراز! میں تمہاری بہتری چاہتا ہوں۔ خدا کے واسطے میری بات مان لو۔ اس بدروح کے پاس سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ یہ ہم سب کو تباہ و برباد کر دے گی۔ بھاگ جاؤ فراز تمہیں انتباہ کرتا ہوں ورنہ' ورنہ شدید نقصان اٹھاؤ گے۔ شاہد نے کہا اور فراز کا موڈ سخت خراب ہو گیا۔

"ڈیڈی! آپ اندر جائیے' آرام کیجیے۔ ورنہ میں ممی کو آپ کے بارے میں بتا دوں گا۔"

"آہ! میری بات مان لو فراز۔ فراز میری مان لو' خدا کے لیے میری مان لو۔ یہ--- یہ تمہیں زندہ درگور کر دے گی۔" شاہد نے درد بھرے لہجے میں کہا' پھر میری

طرف دیکھ کر بولا۔

"خدا کے لیے معاف کر دے شمی! ہمیں معاف کر دے' جو کچھ ہو چکا ہے' اسے بھول جا' اپنی دنیا میں واپس چلی جا۔ خدا کے لیے ہمیں معاف کر دے شمی--- خدا کے لیے---"

فراز آگے بڑھا اور اس نے شاہد کا بازو پکڑ لیا۔ "ڈیڈی! آپ اس کی توہین کر رہے ہیں۔ یہ ہماری مہمان ہے براہ کرم آپ اندر جائیے' چلئے جلد چلئے۔" فراز نے سخت لہجے میں کہا' اس نے شاہد کا بازو پکڑ لیا تھا پھر وہ اسے دھکیلتے ہوئے انداز میں لے کر آگے بڑھ گیا اور اس عمارت کے دروازے پر چھوڑ آیا جہاں سے شاہد باہر نکل آیا تھا۔

میرے ہونٹوں پر پرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں اس ساری کارروائی سے بے حد مطمئن تھی۔ فراز تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گیا اور مجھ سے معافی مانگنے لگا لیکن میں نے لاپروائی سے شانے ہلا دیے تھے۔

"میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا فراز کہ اب شاید ان کی ذہنی حالت بھی خراب ہوتی جا رہی ہے بہتر یہ ہو گا کہ ڈاکٹر کو ان کی ذہنی کیفیت کے بارے میں بتا دیا جائے۔"

"ممی خود یہ کارروائی کریں گی مجھے تو صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہماری پرسکون گفتگو میں انہوں نے خلل اندازی کی۔ آؤ موڈ خراب ہو گیا ہے چلتے ہیں یہاں سے۔" فراز نے کہا اور ہم دونوں کوٹھی کی جانب بڑھ گئے۔

دوسرا واقعہ رات کے کھانے کے بعد پیش آیا۔ ہم رات کے کھانے سے فارغ ہوئے تھے اور بیرونی برآمدے میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے کہ مسز شاہد چونک پڑیں۔ انہوں نے سامنے دیکھا اور متحیر رہ گئیں۔

"ارے یہ اپنی رہائش گاہ سے کیسے نکل آئے؟" ان کے لہجے میں درشتی تھی۔ سب کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ شاہد تھا۔ اس کی حالت کچھ اور خراب نظر آ رہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ وہ خشک پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا یہاں پہنچ گیا۔

"آہ! تو موجود ہے شمی تو موجود ہے نہیں جائے گی تو یہاں سے۔ نہیں جائے گی۔ اس خاندان کو تباہ کیے بغیر نہیں چھوڑے گی۔ بیگم' فراز کو بچاؤ یہ شمی ہے اس کی روح ہے جو ہم سے انتقام لینے آئی ہے' اسے یہاں سے بھگا دو۔ میں سچ بول رہا ہوں۔"

"کیا مصیبت ہے ممی! اب تو پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ ڈیڈی پاگل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے خود کو تباہ کر لیا ہے تو ہمیں کیوں تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوپہر کو بھی انہوں

نے ماریا کی انسلٹ کی تھی۔ اور اب بھی وہی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ ممی! آپ انتظام کریں ان کا' ورنہ میں اس کوٹھی سے چلا جاؤں گا۔" فراز نے سخت لہجے میں کہا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو شاہد' شیمی پھر تمہارے ذہن میں زندہ ہو گئی ہے۔ وہ مر چکی ہے اور تم بھی اگر اس کی یادوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے تو خودکشی کر لو۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ جاؤ اپنی موت گاہ میں موت کا انتظار کرو۔"

دو قوی ہیکل ملازم شاہد کو زبردستی باہر لے گئے تھے۔ بیگم صاحبہ کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے معافی مانگی اور شیمی کی کہانی سنائی۔

"یہ سب گناہوں کی سزا ہے ماریا بیٹی! شاہد نے پوری زندگی جھوٹ اور فریب کے درمیان گزاری ہے۔ اس نے مجھ سے شادی کی اور چند ماہ کے بعد ہی اکتا گیا۔ گھر سے غائب رہنے لگا۔ میں فاقے کرتی رہی۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ اس نے شیمی نامی کسی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ اس کے بعد وہ ملک سے باہر چلا گیا۔ طویل عرصے کے بعد وہ میرے پاس پناہ لینے آیا۔ کوئی اور اس کے فریب کا شکار ہو گیا تھا اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ میں سب کچھ بھول کر اس کے لیے سینہ سپر ہو گئی۔ میں نے ہر خطرہ مول لیا اور اسے بچا لیا اور پھر کچھ دن ٹھیک رہنے کے بعد وہ دوبارہ بھاگ گیا۔ میری اس جانفروشی کے صلے میں اس نے مجھے ایک چھوٹا سا بنگلہ خرید کر دے دیا تھا۔ پھر اس کمینہ صفت انسان نے اس لڑکی کو قتل کر دیا جس سے اس نے شادی کی تھی اور اپنے مجرم ضمیر کو دھوکہ دینے کے لیے شراب کا بے تحاشہ استعمال شروع کر دیا۔ میں پھر اس کا سہارا بنی لیکن اس سے وفا کی کوئی امید نہیں تھی۔ اور وہی ہوا۔ شراب اور عورت میری ساری زندگی دکھوں میں گزری۔ اس نے کہیں سے دولت حاصل کر لی' لیکن دولت سکون تو نہیں دیتی۔ اگر میرے بچے میرا سہارا نہ ہوتے تو میں کب کی خودکشی کر چکی ہوتی۔ اور اب میرا وقت ہے' میرا دور ہے اور میں اس سے انتقام لے رہی ہوں۔ میں نے اسے بے حیثیت کر دیا ہے وہ اسی قابل ہے۔"

"ہاں' وہ اسی قابل ہے' میں نے نفرت سے سوچا۔

○

کئی دن گزر گئے۔ اس کے بعد شاہد نظر نہیں آیا تھا۔ اس کی رہائش گاہ کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اسے وہاں سے باہر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ میری دولت کی منتقلی کے انتظامات ہو رہے تھے۔ لیکن میں بے سکون تھی۔ میں تو چاہتی تھی کہ شاہد بار بار میرے سامنے آئے اذیت سے تڑپے بلبلائے اور میں اس کے کرب سے لطف اندوز ہو سکوں۔"

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا' نومی دور سے چیخا اور میں چونک پڑی۔ میں نے اس دروازے کو آگ کی لپیٹ میں دیکھا جو اس کمرے میں داخل ہونے کا واحد راستہ تھا۔ کھڑکیاں' کمرے کا فرنیچر' قالین' سب کچھ جل رہا تھا۔ چاروں طرف آگ لگ رہی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی نومی روشندان میں بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہوا نومی؟"

"آگ لگی ہے۔" نومی نے کہا اور ہنس دیا۔

"میں مصیبت میں ہوں اور تم ہنس رہے ہو۔" میں جل کر بولی۔ اور نومی روشندان سے اڑ کر میرے ہاتھوں پر آ بیٹھا۔ وہ بدستور ہنس رہا تھا۔ "نومی' نومی کمینے اب کیا ہو گا؟"

"آگ اسی پاگل بوڑھے نے لگائی ہے' باہر بہت سے لوگ جمع ہیں اور وہ ان کے درمیان چیخ رہا ہے' وہ کہہ رہا ہے کہ وہ شیمی ہے ایک روح ہے' وہ جو انہیں تباہ کرنے آئی ہے وہ ان سے انتقام لے رہی ہے' اسے جل جانے دو۔ ورنہ سب اس کے انتقام کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"اوہ۔" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا تب نومی بولا۔

"آؤ شیمی! یہاں گھٹن بڑھتی جا رہی ہے آگ پھیل رہی ہے آؤ باہر چلیں۔"

"ایں۔" میں چونک پڑی۔ پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ میں ہڈیوں اور گوشت کے اس پنجرے سے باہر نکل آئی اور بڑے سکون کا احساس ہوا۔ ایک دم کیفیت بدل گئی تھی میری مجھے دکھ ہونے لگا۔ افسوس کس ناپاک کثافت میں داخل ہو گئی تھی میں۔ بلاوجہ میرے ذہن میں ایسے فاسد خیالات پیدا ہو گئے تھے بھلا مجھ کو اس سے انتقام لینے کی کیا ضرورت تھی۔ انتقام لینے والا تو کوئی اور ہی ہے۔ اس کی مرضی' توبہ توبہ کیسا گناہ کیا ہے میں نے' بے چارہ شاہد تو خود ہی زندہ درگور ہے۔ اسے دکھ پہنچا کر مجھے کیا ملا۔

میں نے آگ میں لپٹے اپنے بدن کو دیکھا۔ آگ میری ہڈیاں چاٹ رہی تھی۔ ناپاک خاکی کثافت۔ قصور میرا بھی نہیں تھا۔ بدن کی قید ایسے ہی گندے خیالات کی محرک ہوتی ہے۔ روح کتنی ہلکی پھلکی ہوتی ہے اس میں کوئی برا جذبہ نہیں پیدا ہوتا۔ یہ صرف اس خاک کے قید خانے کی غلاظت تھی۔ میرے رب مجھے معاف کر دے یہ سارے جذبے اسی کثافت کی تخلیق تھے۔ چھی چھی--- میں کتنی احمق بن گئی تھی۔ شریر نومی آئندہ میرے ساتھ ایسا مذاق نہ کرنا۔ آؤ اب واپس چلیں چلو یہاں سے۔"

کمرے کی گھٹن سے نکل کر میری نگاہ سب سے پہلے فراز پر پڑی جو تمام

روکاوٹیں پھلانگتا تیزی سے اس خوابگاہ کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں میرا وجود جل رہا تھا۔ وہ بے تحاشا دروازہ توڑتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے سے باہر شاہد مجھے جلا دینے کی خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا۔ مسز شاہد غم و غصے سے شاہد کے چہرے پر تھپڑ برسا رہی تھیں۔ پھر اچانک کمرے سے دردناک چیخوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ فراز کا جسم شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔

چند لمحوں بعد ہم واپس اپنی اسی گمنام منزل کی جانب رواں دواں تھے۔ جہاں بس میں اور نومی ایک دوسیر کے غمگسار تھے۔ مجھے خوشی تھی تو اس بات کی کہ آج میں نے شاہد سے انتقام لے لیا تھا--- شاہد کے تصور سے ہی مجھے بے حد تسکین ہو رہی تھی۔ ناجانے ابھی کتنا عرصہ اس نے اپنے خاکی وجود کے ساتھ اس غم کو برداشت کرنا تھا۔

لیکن میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ اس بار گمنامی کے اس کھنڈر کو صرف میں اور نومی ہی آباد نہیں کر رہے بلکہ ہمارے ساتھ فراز بھی چلا آیا ہے۔ جسے ہماری طرح عالم ارواح میں جانے کے لیے یہیں انتظار کرنا ہے۔ جیسا کہ میں اور نومی کر رہے ہیں۔

ڈائن

بلاشبہ چند روز قبل تک مجھے علم نہیں تھا کہ وہ زہریلی ناگن اپنے شوہر کو قتل کر چکی ہے۔ اس لرزہ خیز حقیقت کا انکشاف مجھ پر اچانک ہوا حالانکہ اس سے پیشتر میریٹا خود مجھ سے کہہ چکی تھی کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے' مگر میرا ذہن اسے ماننے کو آمادہ نہ تھا اور پھر جب میں نے میریٹا کی خواب گاہ میں الماری کے اندر دو بوتلیں دیکھیں تو ذہن کو یقین کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ یہ خوفناک واردات ویسے ہی وقوع پذیر ہوئی جس طرح میریٹا نے مجھے سنائی تھی۔ خدا رحم کرے...... اب کبھی تصور کی آنکھ سے ان واقعات و حالات کا جائزہ لیتا ہوں تو بدن کا ایک ایک رواں لرزنے لگتا ہے اور میں سوچتا ہوں کیا کوئی بھیانک خواب میں نے دیکھا تھا؟ لیکن نہیں..... یہ بھیانک خواب ہرگز نہ تھا۔ بلکہ میں نے جو کچھ دیکھا' وہ اسی جیتی جاگتی دنیا کا حصہ تھا۔

مجھے خیال آتا ہے کہ شاید میں دنیا کا احمق ترین آدمی ہوں۔ اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی ایسا شخص جس میں ذرہ برابر بھی عقل و دانش کی رمق ہوتی' اس الماری کے قریب نہیں جاسکتا تھا۔ خدا کی پناہ...... اس الماری اور اس میں رکھی ہوئی ان بوتلوں کو میں زندگی کے آخری سانس تک بھول نہ پاؤں گا' پھر مجھے یاد آتا ہے کہ اس الماری میں رکھی ہوئی اشیا کو دیکھنے کے بعد بھی میں وہاں سے نہیں ہٹا؟ حالانکہ مجھے فوراً وہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔ مگر کسی غیر مرئی قوت نے میرے پاؤں جیسے تھام لیے تھے اور کوشش کے باوجود میں اس ناپاک جگہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پایا تھا۔ اور پھر ان سب باتوں سے بھلا اس خونخوار عورت کی موجودگی! میں حیران ہوں کہ دہشت سے میرے دل کی حرکت بند کیوں نہ ہو گئی! جب کہ میں اس سفاک کے بارے میں سب کچھ جان چکا تھا۔ مجھے اچھی طرح پتہ چل گیا تھا کہ وہ میری فکر میں ہے اور اس نے یہ جال محض میرے پھانسنے کے لیے بچھایا ہے۔ ان حالات میں اس کے کمرے کے اندر جانا' الماری میں پڑی ہوئی ان بوتلوں اور تصویروں کو دیکھنا' خودکشی سے کم نہ تھا۔ یہ سب کچھ اس خوفناک عورت نے منصوبہ بندی کے ساتھ کیا تھا' صرف اس لیے کہ میں اس کا راز معلوم کرنے کی کوشش کروں اور وہ مجھے ٹھکانے لگا دے.....

بے خبری میں شیرنی کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میری تکا بوٹی کرنے کے بعد اپنے اس تیز دھار چھوٹے چاقو کی مدد سے.....

اس سے آگے سوچنے کا مجھ میں یارانہ تھا۔ میری جگہ کیسے ہی مضبوط اعصاب اور قوی دل گردے والا آدمی ہوتا' تو وہ بھی اس سے زیادہ کچھ سوچ نہیں سکتا تھا۔ آہ...... اب میں سوچتا ہوں کہ اس مکار نے اپنی خواب گاہ کا دروازہ جان بوجھ کر مقفل نہیں کیا تھا۔ شاید اس لیے کہ اسے پورا یقین تھا۔ میں ادھر ضرور جاؤں گا۔ وہ جانتی تھی کہ میرے اندر تجسس کا لاوا ابل رہا ہے اور میں اس لاوے کے دبا دینے پر قادر نہیں ہوں۔ مجھے اس عورت کی ذہانت' صبر' استقلال اور جرات کی داد دینی چاہیے۔ کس ہوشیاری اور چالاکی سے اس نے میرے گرد جال بچھایا تھا۔ ایسا جال جس میں پھنس کر باہر نہیں نکل سکتا تھا' کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا۔

اور اب میں بند کمرے میں...... آرام وہ بستر پر چاروں شانے چت پڑا سوچنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ میریٹا نے مجھے کس قدر اندوہناک عذاب میں مبتلا کر دیا...... جسمانی عذاب اور روحانی عذاب...... کاش یہ محض جسمانی عذاب ہوتا' تو میں اسے آسانی سے برداشت کر جاتا' لیکن روحانی عذاب ناقابل برداشت ہے..... اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں اپنی یادداشت ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھوں...... بالکل خالی الذہن ہو جاؤں...... کسی معصوم بچے کی طرح..... مگر ایسا ہونا شاید میری تقدیر میں نہیں ہے..... اب جب تک میں زندہ ہوں' یہ خوفناک عذاب مجھے بہرحال جھیلنا ہو گا۔

میں اپنے اعصاب پر سکون کرنے کی سعی ناکام میں مصروف ہوں اور خیالات کو کہیں اور لے جانا چاہتا ہوں' مگر یوں لگتا ہے جیسے میرے ذہن میں ان تکلیف دہ تصورات اور خیالات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ میریٹا نے کس طرح مزے لے لے کر اپنے دوسرے شوہر...... وکٹر...... کو قتل کرنے کی کہانی مجھے سنائی تھی۔ اس انداز میں جیسے شوہر کا قتل اس کے نزدیک بہت معمولی واقعہ ہو۔ ایسا واقعہ جو کسی بھی لمحے پیش آ سکتا ہے۔ میریٹا کی آواز میں بے پناہ خود اعتمادی تھی اور ایسی قوت جو دوسرے کے اعصاب پر تباہ کن اثر ڈال سکتی ہے۔ میں پتھر کے بے جان مجسمے کی طرح یہ روح فرسا واقعہ سنتا رہا' اور وہ مزے لے لے کر سناتی رہی۔

میریٹا نے کہا تھا کہ اس نے وکٹر کو اس کی آنکھوں کے باعث قتل کیا۔ وکٹر کی آنکھیں...... مسکراتی ہوئی آنکھیں...... مخمور و مست آنکھیں' مدہوش آنکھیں...... جن میں سرخ سرخ ڈورے ہروقت پڑے رہتے تھے۔ میں نے ان آنکھوں کو اچھی طرح دیکھا تھا...... اور میں اس شب وہاں موجود تھا جس شب میریٹا نے وکٹر کو موت کے

گھاٹ اتارا..... اوروں کی مانند میں نے بھی وکٹر کی موت کو اس وقت محض ایک حادثہ خیال کیا تھا اور بلاشبہ یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ میریٹا جیسی نرم و نازک اور حسین و جمیل عورت اپنے شوہر کو اس بے رحمی اور سنگ دلی سے قتل کر سکتی ہے۔ وکٹر کی وہ خوبصورت آنکھیں جنہیں میں اب بھی دیکھ سکتا ہوں اور شاید ہمیشہ دیکھتا رہوں گا اس کی موت کا سبب بن گئیں۔

مجھے وہ دن یاد آتا ہے جب بحیرہ ایجین میں ہائیڈرا جزیرے کی طرف ہماری موٹر بوٹ رواں دواں تھی۔ سمندر پرسکون تھا اور آسمان پر اکا دکا آوارہ بادلوں کے ٹکڑے رقص کر رہے تھے' ہر طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سیاحوں کی بڑی تعداد ان دنوں ایتھنز سے ہائیڈرا جزیرے کی طرف تفریح کے لیے جا رہی تھی..... یہ جزیرہ اپنے حسن و جمال کے لیے مشہور ہے اور یونان کی سیاحت کرنے والا کوئی بدنصیب شخص ایسا ہو گا جو ہائیڈرا نہ گیا ہو۔

میں وسیع و عریض موٹر بوٹ کی ریلنگ کے سہارے کھڑا سمندر کی لہریں گن رہا تھا کہ چند لمحے بعد میں نے دیکھا کہ میریٹا اور وکٹر میرے قریب ہی آ کر کھڑے ہو گئے اور خاموشی سے سمندر کی طرف تکنے لگے۔ دور بہت دور ہائیڈرا جزیرے کے مدہم خدوخال ابھر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جزیرے پر بنے ہوئے دودھیا مکان دکھائی دینے لگے جن کی چھتیں تیز دھوپ میں خوب چمک رہی تھیں۔ یہ دودھیا مکان جزیرے کی چھوٹی بڑی' اونچی نیچی پہاڑوں پر بنے ہوئے تھے اور اتنے فاصلے سے انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کھلونے رکھے ہوئے ہوں۔ یہ منظر بے حد دلفریب اور ناقابل فراموش تھا اور موٹر بوٹ پر سوار سبھی سیاح ان مکانوں کو مبہوت ہو کر دیکھ رہے تھے۔ اور پھر اسی لمحے میری نگاہ وکٹر پر پڑی...... وکٹر پر نہیں اس کی آنکھوں پر پڑی۔ ان بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں میں نے ویرانیاں پائیں۔ وہ پلک جھپکائے بغیر دودھیا مکانوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا' لیکن میں نے ایک لمحے کے اندر اندر محسوس کر لیا کہ وہ کہیں اور دیکھ رہا ہے۔

خدا جانے اس کی غیر معمولی آنکھوں میں کیا بات تھی کہ میں انہی میں کھو کر رہ گیا۔ ایسی آنکھیں میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ بیک وقت ہنستی اور روتی ہوئی آنکھیں۔ ان کے اندر کرب و انبساط کی ملی جلی کیفیت ہچکولے لے رہی تھی۔ ان میں خوف بھی تھا اور غم بھی' نفرت کی پرچھائیاں بھی اور دہشت کی علامات بھی...... یہ آنکھیں حاضر بھی تھیں اور غائب بھی...... فتحیاب بھی اور شکست خوردہ بھی.... ان آنکھوں میں بھوک بھی تھی' پیاس بھی.... پھر مجھے یوں لگا جیسے یہ آنکھیں پسینے میں بھیگی ہوئی ہیں اور پسینہ مسلسل ان پتلیوں سے رس رہا ہے۔ تب گھبرا کر میں نے وکٹر کی

آنکھوں سے اپنی نگاہیں ہٹائیں اور اس کے پہلو میں کھڑی ہوئی میریٹا کی طرف دیکھا میریٹا اس وقت وکٹر کی بیوی تھی۔ وہ نہایت قیمتی لباس پہنے ہوئے تھی اور ایک شہزادی کی طرح باوقار لگ رہی تھی۔ اس کے سنہری بال' نیلے ربن سے بندھے ہونے کے باجود تیز سمندری جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ اس کا حسین چہرہ ہلکے میک اپ میں خوب دمک رہا تھا۔ سر سے پاؤں تک وہ حسن و جمال کا ایک دلفریب مجسمہ تھی اور موٹر بوٹ پر سوار دوسری تمام خواتین میں نمایاں اور الگ نظر آتی تھی۔ وکٹر بھدے جسم کا ادھیڑ عمر آدمی تھا' سانولے چہرے والا وکٹر جو نہ جانے کس اتفاق سے میریٹا جیسی عورت کا شوہر بن گیا تھا؟ تاہم یہ بات ضرور تھی کہ وہ میریٹا کے سامنے اپنا کوئی وجود' کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا کٹھ پتلی کی طرح میریٹا کے اشاروں پر چلتا اور جدھر وہ چاہتی' انگلیوں کے اشارے سے اس کٹھ پتلی کو حرکت دیتی تھی۔

دوپہر کے وقت ہماری موٹر بوٹ جزیرے پر پہنچ گئی۔ اس دوران میں وکٹر اور میریٹا سے میری اس قدر شناسائی ہو چکی تھی کہ دوپہر کا کھانا ہم نے اکٹھے ہی کھایا۔ کھانے کی میز پر تفصیل سے بات چیت ہوئی اور مجھے انہوں نے بتایا کہ وہ جزیرے پر چند دن بطور تفریح گزارنا چاہتے تھے' وکٹر کے بارے میں پتا چلا کہ اس کی پیدائش یونان میں ہوئی تھی' لیکن بچپن ہی میں وہ امریکہ چلا گیا تھا۔ وہیں پلا' بڑھا اور جوان ہوا' ان دنوں وہ اپنے والدین اور رشتے داروں سے ملنے کے لیے ایتھنز آیا ہوا تھا۔ امریکہ میں یہ دونوں میاں بیوی لاس اینجلز میں رہتے ہیں۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ میں بھی وہیں کا رہنے والا ہوں' تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ معلوم ہوا کہ وکٹر وہاں پھلوں کی خرید و فروخت کا کاروبار وسیع پیمانے پر کرتا ہے اور اچھا خاصا دولت مند تاجر ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک ہائی اسکول میں استاد ہوں۔ وکٹر نے کہا کہ میریٹا سے اس کی شادی ہوئے بمشکل ایک برس ہوا ہے اور وہ میریٹا کا دوسرا شوہر ہے۔ میریٹا کا پہلا شوہر سمندر میں غرق ہو کر مر گیا تھا۔ یہ بات وکٹر کو میریٹا نے بتائی تھی۔ بہرحال میریٹا اور وکٹر کی عمروں میں خاصا فرق تھا اور میں نے یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون سے حالات تھے جن میں وکٹر اور میریٹا کی شادی ہوئی۔ لیکن یقیناً میریٹا کو وکٹر سے کہیں اچھا اور بہتر شوہر مل سکتا تھا۔

ہاں' تو میں کہہ رہا تھا کہ میریٹا نے اپنے شوہر وکٹر کو ہلاک کر دیا۔ ابتدا میں کسی کو بھی شک نہ ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی قاتلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے وکٹر کو قتل کرنے کا منصوبہ نہایت ہوشیاری سے تیار کیا تھا اس منصوبے میں کہیں کوئی خامی نہ تھی اور اپنے پروگرام کے مطابق اس نے جزیرے پر اترنے کے بعد پہلی ہی شب یہ لرزہ خیز منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور جب کئی ماہ بعد اس نے ہنس ہنس کر مجھے اس کی

تفصیلات بتائیں' تب اندازہ ہوا کہ اس کا یہ منصوبہ کتنا آسان تھا اور بدنصیب وکٹر کس خاموشی اور سادگی سے موت کی آغوش میں چلا گیا۔

میریٹا نے وکٹر کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ دونوں آدھی رات کے بعد سمندر میں نہانے کے لیے جائیں گے۔ وکٹر یہ تجویز سن کر مطلق حیران نہیں ہوا کہ آدھی رات کے بعد جبکہ جزیرے کے تین ہزار مکین خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوں گے' سمندر میں نہانے کی کیا تک ہے؟ وکٹر کسی بات پر حیران نہیں ہوتا تھا اور خصوصاً میریٹا کا کوئی حکم ٹالنا اس کے بس میں نہ تھا؟ چنانچہ چوں چرا کیے بغیر وہ اپنی زندگی کی اس آخری تفریح کے لیے تیار ہو گیا۔ وکٹر نے یہ سوچنے سمجھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی کہ اسے تیرنا بالکل نہیں آتا اور اگر سمندر ہی کی کوئی مہیب لہر اسے بہا کر دور لے گئی' تو وہ کیا کرے گا؟ میرا خیال ہے میریٹا نے اپنی پر اثر اور زور دار شخصیت کے تحت وکٹر میں سے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں زائل کر دی تھیں۔ یہ مجھے بہت بعد میں پتہ چلا کہ وکٹر کا تیراک نہ ہونا بھی میریٹا کے نزدیک ایک عمدہ صلاحیت تھی۔ اسے دوسری شادی کے لیے ایسا ہی شوہر درکار تھا جو زندگی میں ایک بار بھی دریا یا سمندر کے اندر نہ تیرا ہو' بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ وکٹر کی ایک یہی خوبی یا خامی ایسی تھی جس نے میریٹا کو اس فیصلے پر مجبور کیا تھا کہ وہ اس سے شادی کرے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ وکٹر کو اس رات کیا محسوس ہوا جب وہ میریٹا کے ساتھ سمندر میں نہانے جا رہا تھا! اسے یہ معلوم تھا کہ موت کے بھیانک سائے اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں؟ یا اسے کسی قسم کا کوئی شک گزرا کہ آئندہ چند لمحوں میں کیا ہونے والا ہے؟ بہت غور کرنے کے بعد میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ ممکن ہے اسے اپنی بیوی کی اس غیر معمولی تجویز پر کچھ شبہ ہوا ہو' جیسا کہ کچھ عرصہ بعد میں نے کیا تھا۔ لیکن میریٹا پر شبہ کرنے کا اب کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا تھا' کیونکہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ میریٹا کے ساتھ ایک سال گزارنے کے بعد وکٹر ضرور موت کی آرزو کرنے لگا ہو گا۔

بہرحال وہ مر گیا۔ اب مرنے والے دوسرے یا تیسرے آدمی کی باری تھی اور وہ آدمی میں تھا؟

جس ہوٹل میں وکٹر اور میریٹا نے کمرہ لیا تھا' اس ہوٹل میں ایک کمرہ میرے لیے بک تھا اور جیسا کہ مجھے بعد میں میریٹا نے بتایا' آدھی رات کے وقت وہ اور اس کا شوہر وکٹر دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنے کمرے سے نکلے' ہوٹل کے تمام کمروں میں تھکے ماندے سیاح آرام کر رہے تھے۔ ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ ہوٹل سے کچھ فاصلے

پر مقامی ماہی گیروں کی آبادی تھی۔ وہ دونوں اس آبادی کے درمیان میں سے گزرے اور اس راستے کی طرف ہو لیے جو جزیرے کی سب سے اونچی پہاڑی پر پہنچ کر ختم ہوتا تھا۔ اس پہاڑی کے ساتھ سمندر کا کنارہ تھا جہاں شوریدہ سر موجیں آن آن کر ٹکراتیں اور پھر سمندر کی طرف لوٹ جاتیں۔

میریٹا اس راہ کے چپے چپے سے خوب آگاہ تھی جب کہ وکٹر یونان میں پیدا ہونے کے باوجود بالکل انجان تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اس جزیرے پر آیا تھا۔ بہت دن پہلے میریٹا اپنے والدین کے ساتھ اس جزیرے پر آئی تھی اور سمندر میں نہانے یا تیرنے کے دوران اس نے اس پہاڑی کے قریب ایک انتہائی خطرناک مقام دریافت کیا تھا۔ یہ مقام ایسا تھا کہ اگر کوئی ناواقف اور تیراکی نہ جاننے والا ادھر آنکلتا' تو سو فیصد غرق ہو جاتا۔ اس کے بچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ذہین میریٹا نے یہ خطرناک مقام اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیا تھا۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ مستقبل قریب میں وہ اسے ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کرنے والی ہے۔ ان راتوں میں جب کہ چاند نہیں نکلتا اور سمندر پر گہری تاریکی مسلط رہتی ہے' یہ خطرناک مقام آسانی سے کسی کی جان لینے کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ میریٹا کے بے مثال حافظے کی داد دینی چاہئے کہ اس نے اتنے برس گزر جانے کے باوجود--- نہ صرف اسے یاد رکھا تھا' بلکہ انتہائی خوش اسلوبی سے استعمال بھی کیا۔

"کیا تم میری ہوشیاری کی تحسین نہ کرو گے کہ میں نے جزیرے کا سفر ایسے دنوں میں کیا جب چاند روشن ہونے کے امکانات معدوم تھے!" میریٹا نے قہقہہ لگاتے ہوئے مجھے بتایا تھا۔ اور وہ بے وقوف وکٹر ایک ثانیے کے لیے بھی نہ سوچ سکا کہ میں آدھی رات کے وقت اس تاریکی میں اسے سمندر میں نہانے کی دعوت کیوں دے رہی ہوں؟"

میریٹا کی دور اندیشی اور چالاکی میں کوئی شبہہ نہ تھا۔ اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد جب کہ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں ستا رہے تھے اور بدنصیب وکٹر آرام دہ مسہری پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا' میریٹا نہانے کے لباس میں دوڑتی ہوئی اسی پہاڑ کی طرف گئی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ خطرناک اور جان لیوا مقام ابھی تک موجود ہے؟ اس نے نہایت ہوشیاری سے ایک چٹان پر کھڑے ہو کر حساب لگایا کہ اگر وہ وکٹر کو اسی جگہ کھڑا کر کے مذاق مذاق میں دھکا دے دے تو وہ سیدھا اس خطرناک مقام پر گرے گا جہاں سے اس کے ابھرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وہاں سمندر میں گہری چٹانیں تھیں اور پانی بے حد گہرا تھا۔ اتنا گہرا کہ بڑے سے بڑا مشاق اور نڈر ماہی گیر بھی ادھر جاتے

ہوئے خوف کھاتا تھا۔

میریٹا اور وکٹر سمندر کے کنارے نہاتے رہے' پھر میریٹا سمندر سے نکل کر پہاڑی کی طرف چلی۔ اس نے وکٹر سے کہا کہ آؤ اس چٹان پر کھڑے ہو کر سمندر کا نظارہ کریں۔ وکٹر اس وقت بھی نہ سمجھ سکا کہ میریٹا اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہے۔ وہ میریٹا کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس طرف بڑھا' پھر دونوں ایک جگہ رکے جس کے نیچے کوئی بیس فٹ کی گہرائی میں وہ خطرناک مقام تھا جہاں میریٹا اپنے شوہر کو گرانا چاہتی تھی۔ جونہی وکٹر نے وہاں قدم رکھا۔ میریٹا نے اسے ہلکے سے دھکا دے دیا' وکٹر سیدھا اس خطرناک سوراخ میں گرا جو دو چٹانوں کے مابین قدرت نے بنایا تھا۔ گرتے ہوئے وکٹر کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی' اس نے ایک بار ہاتھ پاؤں بھی فضا میں چلائے جیسے وہ کسی غیر مرئی شے کا سہارا لینا چاہتا ہو' لیکن ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے گرتے ہوئے آدمی کو سہارا نہیں دیا کرتے۔ میریٹا نے وکٹر کا بھاری بدن پانی میں گرنے کی آواز بخوبی سنی' پھر چند چھینٹے سے اڑے' ایک لمحے کے لیے پانی کی سطح پر ہل چل مچی۔ اس کے بعد وہاں کوئی آواز تھی نہ وکٹر کا اتا پتا۔

میریٹا نے قہقہہ لگاتے ہوئے مجھے بتایا تھا: "جب وہ سمندر میں گرا۔ تو اس کا بھاری بدن پانی میں گرنے سے ایک "دل خوش کن" آواز پیدا ہوئی۔ میں یہ آواز سننے کی نہ جانے کب سے منتظر تھی۔"

وکٹر کے گرنے کے بعد بھی میریٹا دیر تک چٹان پر جمی کھڑی رہی۔ اس کی نگاہیں پانی کی سطح پر گڑی ہوئی تھیں' لیکن وکٹر ایک مرتبہ گرنے کے بعد دوبارہ نہیں ابھرا۔ تب ایک ماہر تیراک ہونے کے ناطے میریٹا نے اسی چٹان سے سمندر میں چھلانگ لگائی۔ اس عورت کی بے خوفی اور جرات دیکھئے کہ اس نے وہیں چھلانگ لگائی جہاں چند لمحے پیشتر اپنے شوہر کو دھکا دے کر گرایا تھا۔ وہ یہ تسلی کرنا چاہتی تھی کہ وکٹر اپنے انجام کو پہنچ چکا یا نہیں۔

"وہ مر چکا تھا۔" میریٹا نے بعد میں مجھے بتاتے ہوئے کہا تھا: "میرا خیال ہے گرتے ہوئے ہی اس کا دم نکل گیا ہو گا۔ وہ چٹانوں کے نیچے گدلے پانی میں چاروں شانے چت مردہ پڑا تھا۔ میں نے اسے ہلایا جلایا لیکن اس نے کوئی حرکت نہ کی' تب میں نے اس کی لاش گہرے پانی کی طرف دھکیل دی' پھر میں سمندر سے باہر نکلی اور دوڑتی چیختی چلاتی اپنے ہوٹل کی طرف لپکی۔"

اور یہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ میریٹا کی بے پناہ چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ رات کا گہرا سناٹا توڑتی ہوئی اس کی آواز دور دور تک جا رہی

تھی۔ ہوٹل کے سب سیاح ہڑبڑا کر اپنے اپنے کمروں سے باہر نکل آئے تھے اور انہوں نے روتی اور بین کرتی میریٹا کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔ میریٹا کا رونا' تڑپنا اور چیخنا دیکھا نہیں جاتا تھا' پھر پولیس بھی آ گئی۔ غوطہ خوروں اور ماہی گیروں کے ساتھ ایک بڑا مجمع سمندر کی طرف گیا۔ میں بھی اسی ہجوم میں شامل تھا۔ سب لوگ ادھر گئے جہاں میریٹا کے کہنے کے مطابق وکٹر سمندر میں غرق ہوا تھا۔ غوطہ خوروں نے وکٹر کی تلاش میں غوطے لگائے اور ماہی گیروں نے جابجا جال ڈالے' مگر جان توڑ کوشش کے باوجود وکٹر کی لاش کا سراغ نہ لگا۔ ماہی گیروں نے بتایا کہ سمندر میں جوار بھاٹے کے باعث لاش دور نکل گئی ہو گی اور ہو سکتا ہے اب تک مچھلیاں اسے ہڑپ بھی کر چکی ہوں۔

کئی دن تک مسلسل لاش کی تلاش جاری رہی۔ اس دوران میں میں میریٹا سے چونکہ بہت قریب ہو چکا تھا' اس لیے وہ دن کا بڑا حصہ میرے کمرے ہی میں گزارتی۔ اس نے وکٹر کے بارے میں کئی باتیں بتائیں کہ کیسے وہ وکٹر کی محبت میں مبتلا ہوئی اور کیوں کر اس کی محبت شادی کی رسم پر اختتام پذیر ہوئی اور پھر میریٹا نے مجھے ایک بہت عجیب بات بتائی:

"مجھے وکٹر بہت اچھا لگتا تھا۔ ایسا نہ ہوتا' تو میں اس سے شادی کیوں کرتی جب کہ وہ عمر میں مجھ سے بہت بڑا تھا' مگر تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ مجھے اس کی آنکھوں سے ڈر لگنے لگا تھا..... حالانکہ ڈرنے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ میں نے بہت غور کیا کہ اس خوف کا سبب کیا ہے..... پھر اچانک احساس ہوا کہ وکٹر کی آنکھیں میرے پہلے شوہر کی آنکھوں سے بہت مشابہت رکھتی ہیں۔ مجھے اپنے پہلے شوہر کی آنکھوں سے بھی ڈر لگا کرتا تھا۔"

اور پھر مجھے یہ جان کر سخت تعجب ہوا کہ میریٹا کا پہلا شوہر بھی سمندر میں ڈوب کر مرا تھا۔ وکٹر کی طرح وہ بھی تیرنا نہیں جانتا تھا..... کئی دن تک میں اسی الجھن میں مبتلا رہا کہ یہ حادثے اتفاقی تھے یا جان بوجھ کر کیے گئے؟ میریٹا کی معصومیت کی طرف دھیان جاتا تو یہ امر قطعی ناممکن دکھائی دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کی ہلاکت یا غرقابی کی ذمے دار ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا تھا اور یہ لرزہ خیز حقیقت تو مجھ پر ابھی چند روز پہلے ہی منکشف ہوئی تھی کہ میریٹا دیکھ بھال کر اپنے آدمیوں کو اپنا شوہر منتخب کرتی تھی جو تیرنے کے فن سے ناواقف ہوتے ہیں۔ میں خود بھی تیرنا نہیں جانتا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ میریٹا نے مجھے اپنا تیسرا شوہر منتخب کیا۔

میریٹا اور میں دونوں ہر روز سمندر کے کنارے اس مقام پر جاتے جہاں وکٹر غرق ہوا تھا۔ ماہی گیر اور غوطہ خور' پولیس کی نگرانی میں اب بھی وکٹر کی لاش تلاش کر

رہے تھے۔ بالآخر چوتھے دن وکٹر کی لاش سمندر سے برآمد کی گئی۔ لاش اتنی مسخ اور بھیانک ہو چکی تھی کہ دیکھنے والوں میں دو آدمی چیخ مار کر بھاگ اٹھے اور تین چار عورتیں غش کھا گئیں۔ غش کھانے والیوں میں میریٹا خود بھی شامل تھی اور یہ ایک فطری بات سمجھی گئی۔ بھلا کون ایسی بے وفا یا سنگ دل عورت ہو گی جو اپنے شوہر کی مسخ شدہ لاش دیکھ کر غش نہ کھائے؟ میں سمجھتا ہوں دوسروں کا جو حال وکٹر کی لاش دیکھ کر ہوا' وہی کم و بیش میرا بھی ہوا۔ مسخ شدہ چہرے پر سے آنکھیں غائب تھیں اور آنکھوں کی جگہ سرخ رنگ کے دو گہرے گڑھے سے دکھائی دے رہے تھے۔ پولیس والوں نے لاش کھلی ریت پر پڑی رہنے دی کہ ابھی وہ میریٹا سے وکٹر کی شناخت کرانا چاہتے تھے۔ میریٹا کو ہوش میں لایا گیا' لیکن اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور پتھرائی ہوئی آواز میں بولی کہ وہ لاش دیکھنے کے قابل نہیں ہے' لیکن ضابطے کی کارروائی ضروری تھی؟ چنانچہ میریٹا نے مجبور ہو کر چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور لاش کی طرف دیکھا۔ میں اس وقت میریٹا کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ خدا کی پناہ..... کاش میں نے اس وقت میریٹا کا چہرہ نہ دیکھا ہوتا..... وہ سفاکانہ چمک جو اس کی آنکھوں میں وکٹر کی لاش اور بے نور آنکھوں کا چہرہ دیکھ کر نمودار ہوئی' میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا..... اس لمحے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ میریٹا نہیں ہے' کوئی ڈائن ہے جو خوشی کے مارے بے حال ہوئی جاتی ہے۔ اس وقت میں نے خیال کیا تھا کہ شاید میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں' وہ حقیقت نہیں ہے' مگر وہ دھوکا نہیں تھا۔ میریٹا اپنے منصوبے کی کامیابی پر ازحد مسرور تھی' اگرچہ اس کی یہ مسرت بھانپنے والا واحد بدنصیب میں ہی تھا۔ کسی اور کو اس نے یہ احساس نہیں ہونے دیا۔

سب حیران تھے کہ وکٹر کی آنکھیں کہاں گئیں! ایسا عجیب و غریب واقعہ اس سے پہلے کبھی جزیرے پر پیش نہ آیا تھا۔ یہی سمجھا گیا کہ کسی سمندری جانور نے لاش کی آنکھیں نکال لی ہیں۔ بعض ماہی گیروں کا کہنا تھا کہ مچھلی کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو انسانی لاشوں کی آنکھیں نکال کر کھا جاتی ہے۔ لاش کا بغور معائنہ کرنے سے انکشاف ہوا کہ وکٹر کے چہرے پر ایسے نشانات بھی موجود تھے جو کسی تیز دھار آلے کے ہو سکتے ہیں؟ تاہم ان نشانوں کے بارے میں طے کیا گیا کہ مچھلی کے دانت بھی بہت تیز دھار ہوتے ہیں اور جس حیوان نے لاش کی آنکھیں نکالی ہیں' یہ نشان اس کے دانتوں سے لگے ہوں گے۔

پورے جزیرے پر بے انتہا سنسنی پھیلی ہوئی تھی یہاں تک کہ اگلے روز ایتھنز کے بڑے بڑے روزناموں نے صفحہ اول پر اس حادثے کی تفصیلات وکٹر کی لاش کی تصویر سمیت شائع کیں۔ اسی شب وکٹر کی لاش مذہبی رسومات ادا کرنے کے بعد جزیرے کے

قبرستان میں دفن کر دی گئی۔ دن بھر اور پھر ساری رات میرینا کا وہ چہرہ اور متبسم ہونٹ میری نظروں کے سامنے گھومتے رہے جب اس نے وکٹر کی بے آنکھ لاش پر نگاہ ڈالی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے گلے میں کسی نے پھندا ڈال رکھا ہے۔ اس وقت میں میرینا کی اس سفاکانہ مسکراہٹ کا مفہوم نہیں سمجھ سکا تھا اور یہ مفہوم بعد میں روشن ہوا جب میں نے میرینا کی درخواست اور خواہش پر اس کے ساتھ شادی کرلی۔

وکٹر کی تدفین کے بعد میرینا یونان سے جنوبی کیلے فورنیا چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے بھی رخت سفر باندھا اور یونان سے روانہ ہوا۔ پورا موسم گرما میں نے یورپ کے مختلف ملکوں کی سیاحت میں گزارا اور جب گرمیوں کے اختتام پر میں لاس اینجلز پہنچا' تو معلوم ہوا کہ میرینا مجھ سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔ میں نے اسے فون کیا اور وہ فوراً مجھ سے ملنے چلی آئی۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میرینا کی صحت پہلے سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے چہرے کی شادابی اور آنکھوں کی چمک دمک میں اضافہ ہوا تھا وہ اپنی عمر سے کہیں چھوٹی دکھائی دے رہی تھی۔ وکٹر کی بھیانک موت کا اسے کوئی غم نہ تھا بلکہ جب میں نے وکٹر کا ذکر کیا' تو اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا اور کہا:

"اس کا نام بھی اب مت لو' میں اسے بھول چکی ہوں۔" میرینا نے بتایا کہ اس نے وکٹر کا پرانا گھر بھی فروخت کر دیا ہے تاکہ وہ وہاں رہے' نہ وکٹر کی یاد آئے۔

اس کے بعد روزانہ ہماری ملاقات رہنے لگی' پھر ایک روز میرینا نے مجھ سے التجا کی کہ میں اس سے شادی کرلوں۔ مجھے بھلا کیا انکار ہو سکتا تھا؟ میرینا جیسی حسین و جمیل اور دولت مند بیوی کسے آسانی سے ملتی ہے؟ اور پھر ایسی عورت جو دیوانہ وار کسی کو چاہتی ہو اور خود اس سے شادی کی درخواست کرے! بھلا یہ درخواست کوئی ذی ہوش کیسے رد کر سکتا ہے؟ غرض لاس اینجلز آنے کے ایک ماہ بعد ہم دونوں رشتہ' ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

اب میں ماضی کی طرف رخ کر کے وہ وجہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ آخر میرینا نے مجھی سے شادی کی درخواست کیوں کی؟ مجھ میں آخر سرخاب کا کون سا پر لگا ہوا تھا کہ ایک سے ایک حسین اور قابل نوجوان کو چھوڑ کر وہ مجھ پر فدا ہوئی ہے۔ بسیار غور و فکر کے بعد ایک ہی وجہ میرے ذہن میں آتی ہے اور وہ یہ کہ میں سمندر کو پسند کرتا تھا۔ سمندر میں نہانا مجھے مرغوب تھا اور میں اسے بتا چکا تھا کہ گھنٹوں سمندر کے کنارے ریت پر پڑا رہنا مجھے محبوب ہے۔ لیکن سمندر اور پانی سے اس قدر الفت کے باوجود میں تیرنا نہیں جانتا تھا۔ بس یہی وہ خوبی تھی جو میرینا کو پسند آئی اور اس نے مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ اگر یہ وجہ نہ تھی' تو پھر مجھے بتایا جائے کہ اس کے علاوہ

اور کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ میں ایک معمولی سکول ٹیچر تھا۔ محدود آمدنی رکھنے والا شخص۔ جبکہ میرینا کا باپ انتہائی دولت مند آدمی تھا' اس کا پہلا شوہر بڑا مالدار تھا اور اس کا دوسرا شوہر وکٹر بڑی جائیداد رکھتا تھا اور اس تمام دولت کی واحد مالک اب میرینا تھی۔ ابتدا میں مجھے یہ خوش فہمی رہی کہ میرینا مجھ سے محبت کرتی ہے اور یہ شادی اسی محبت کا نتیجہ ہے' لیکن بہت جلد واقعات و حالات نے بتا دیا کہ میں کس قدر بھیانک غلطی میں مبتلا تھا۔ ایسی غلطی جو جان لیوا بن سکتی تھی۔

اس کے بعد یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ میں نے میرینا جیسی دولت مند اور حسین عورت سے شادی کیوں کی؟ ایسی عورت سے جس کے دو شوہر سمندر میں ڈوب کر مرے تھے اور جو بدقسمتی سے تیرنا نہیں جانتے تھے؟ یہ صحیح ہے کہ جب میں نے میرینا سے شادی کی تو مجھے قطعی علم نہ تھا کہ یہ عورت اپنے دو شوہروں کی بھیانک موت کی ذمے دار ہے۔ یہ باتیں تو مجھے بعد میں معلوم ہوئیں اور وہ بھی اس وقت جب میرینا نے خود مزے لے لے کر مجھ سے ان کا ذکر کیا۔ غالباً اس لیے کہ میں اس عورت کا تیسرا شوہر بنا تھا اور وہ تیسرا آدمی بھی تھا۔ جسے میرینا موت کے منہ میں بھیجنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ بات بہرحال وہیں آتی ہے کہ میں اس کی سحرانگیز شخصیت سے متاثر ہو چکا تھا۔ کوئی بھی مرد میرینا کی پراثر اور طاقتور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا؟ لہٰذا جب اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میں نے بے سوچے سمجھے یہ درخواست قبول کرلی۔ اس نے انہی دنوں مجھ سے کہا تھا:

"دیکھو" میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور تمہیں اقرار کرنا ہی ہو گا۔ بولو' کیا تم تیار ہو؟"

اور میں نے ایک کٹھ پتلی کی طرح اقرار میں گردن ہلا دی تھی۔

ہماری شادی ہوئے کئی مہینے بیت گئے۔ ابتدائی زمانے کی گرم جوشی اور چاہت دیکھتے دیکھتے ہوا ہو گئی۔ کئی کئی دن گزر جاتے' ہمارے مابین بات چیت تک نہ ہوتی۔ رفتہ رفتہ مجھے میرینا کی موجودگی سے خوف آنے لگا۔ ایک نامعلوم خوف اسے دیکھتے ہی میرے بدن کے روئیں روئیں میں سما جاتا۔ میری زبان کچھ کہنے سے قاصر ہوتی اور جسم کے اعضا اس کی موجودگی میں حرکت نہ کر سکتے حتیٰ کہ دماغ بھی اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا۔ میرا خیال ہے وہ مجھ پر ہپناٹزم کر رہی تھی جس سے میری قوت ارادی اس کی موجودگی میں بالکل سلب ہو کر رہ جاتی۔

آپ میرے کرب اور اذیت کا اندازہ شاید نہ کر پائیں جو ان دنوں میری روح میں جاری و ساری تھا۔ پھر تو یہ حالت ہونے لگی کہ میریٹا کی غیر موجودگی میں بھی یونہی محسوس ہوتا جیسے وہ موجود ہے اور مجھے شعلہ بار آنکھوں سے گھور رہی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ میرے سامنے آن کر کھڑی ہو جاتی اور ہلکے ہلکے مسکراتی۔ ویسے ہی جیسے وکٹر کی لاش دیکھ کر مسکرائی تھی اور میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی اور یوں لگتا جیسے اس کی نظریں نہیں ہیں' سوئیاں ہیں جو میری آنکھوں کے راستے دل میں چبھی جا رہی ہیں۔

ایک روز دوپہر کو اس نے مجھے سمندر کے کنارے چلنے اور تفریح کرنے کی دعوت دی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ ہمیں سمندر پر تفریح کے لیے گئے ہوئے کئی مہینے گزر گئے تھے۔ میں ایک سحر زدہ کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں نہانے اور تفریح کرنے والے مردوزن کی آمد و رفت زیادہ نہ تھی' ہم دونوں ریت پر بیٹھ گئے۔ میریٹا نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں اور میں ان کا مناسب جواب دیتا رہا۔ یک لخت اس نے اپنی نظریں میری آنکھوں پر جما دیں۔ اس وقت میریٹا کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چاقو تھا جس کا پھل دو انچ کا ہو گا' لیکن حد سے زیادہ تیز دھار والا۔ وہ ہر وقت یہ چاقو اپنے پاس رکھتی اور اس سے سیب کاٹ کاٹ کر کھایا کرتی تھی۔ کئی مرتبہ میں نے کہا کہ یہ چاقو ہر وقت ہاتھ میں رکھنا بے وقوفی ہے' لیکن اس نے ہمیشہ سنی ان سنی کر دی اور چاقو ہاتھ سے نہ رکھا۔ تنگ آ کر میں نے کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب اس وقت بھی وہ چاقو کھلا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا جس سے تھوڑی دیر پہلے وہ سیب کاٹ کر کھا رہی تھی۔

جونہی اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں' میں نے خود کو سکتے کے عالم میں گھرا ہوا پایا۔ کوشش کے باوجود میں پلک جھپکا سکا نہ گردن موڑ سکا اور پھر میرے دل میں ہزاروں اندیشوں اور وسوسوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میریٹا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ چھوٹا سا چاقو ایک بڑے خنجر کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور خنجر کی نوک آہستہ آہستہ میری آنکھوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ خنجر کا پھل سورج کی تیز دھوپ میں آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ میرے منہ سے دفعتہ ہلکی سی چیخ نکلی اور میں نے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ چند ثانیے بعد میریٹا کے مترنم قہقہے کی آواز میرے کان میں آئی۔ وہ کہہ رہی تھی:

"تم اتنا سا چاقو دیکھ کر ہی ڈر گئے؟ کیا تمہارا خیال ہے میں تم پر حملہ کرنے والی تھی؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے۔ اس وقت میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور میں واقعی میریٹا کو کوئی جواب دینے کے لائق نہ تھا۔ وہ اطمینان سے اسی چاقو کے ساتھ سیب چھیل رہی تھی اور اس کا چہرہ کسی اندرونی مسرت کے باعث بے پناہ دمک رہا تھا' میں جانتا تھا کہ وہ اتنی خوش کیوں ہے۔ وہ جس مقصد کے لیے مجھے سمندر کے کنارے لائی تھی' وہ مقصد پورا ہو رہا تھا' یعنی وہ مجھے جتانا چاہتی تھی کہ اسے میری آنکھیں پسند نہیں ہیں۔ اس نے دانستہ طور پر چاقو کی تیز نوک میری آنکھوں کی طرف بڑھائی تھی اور سورج کا عکس اس کے ذریعے میری آنکھوں پر چکاچوند پیدا کرنے کے لیے ڈالا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کے لبوں پر وہی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتے دیکھی جو وکٹر کی بے آنکھ صورت کو دیکھتے ہوئے میریٹا کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔ یہ مسکراہٹ اتنی خفیف تھی کہ اسے صرف وہی دیکھ سکتا تھا جو اس کا منتظر رہا ہو۔

اس رات میں ایک لمحے کے لیے بھی سو نہ سکا۔ بار بار وہی منظر نگاہوں کے سامنے آ جاتا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دوسرے بستر پر لیٹی ہوئی میریٹا کو دیکھا۔ کمرے میں اگرچہ تاریکی تھی' لیکن اتنی نہیں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ پاتا۔ ایک ثانیے کے ہزارویں حصے میں مجھے احساس ہو گیا کہ وہ پلک جھپکائے بغیر میری جانب دیکھ رہی ہے۔ پھر میں نے اس چھوٹے سے چاقو کے پھل کی چمک بھی دیکھی جو اس وقت بھی اس کے تکیے کے پاس دھرا تھا۔

دیر تک کروٹیں بدلنے اور خاموش پڑا رہنے کے بعد مجھے بالآخر صبح کے وقت جھپکی سی آ ہی گئی۔ ابھی میں غنودگی کی کیفیت سے دوچار تھا کہ میں نے اپنے بدن میں سردی کی ایک یخ بستہ لہر دوڑتے ہوئے محسوس کی۔ ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے انتہائی دہشت سے دیکھا کہ میریٹا اپنی لمبی لمبی نازک انگلیاں بار بار میری آنکھوں کے بند پپوٹوں پر پھیر رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں' کچھ نہیں۔" میریٹا نے ایک ادائے خاص سے مسکرا کر کہا۔ "دیکھ رہی تھی کہ تم سو رہے ہو یا جاگتے ہو۔"

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں' وہ اپنا چھوٹا سا چاقو ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھی' ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنے سے جدا نہ کرتی۔ ہمارے وسیع مکان کے پچھواڑے ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں وہ نہایا اور تیرا کرتی تھی' ایسے موقعوں پر بھی چاقو اس کے پاس ہوتا۔ وہیں تالاب کے پاس بیٹھ کر وہ چاقو سے سیب کاٹ کاٹ کر کھاتی۔ باورچی خانے میں اسی چاقو سے مختلف سبزیاں اور ترکاریاں کاٹتی۔ رات کو جب بستر پر سونے کے

لیے لیٹتی، تو چاقو اس کے تکیئے کے پاس رکھا رہتا۔ کبھی کبھی وہ اسے اٹھا کر اچھالنے اور گیند کی طرح کیچ کرنے لگتی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ چاقو کا پھل ہر وقت کھلا رہتا اور مجھے ہمیشہ اس حادثے کا انتظار رہتا کہ اسی شغل میں ایک دن وہ خود زخمی ہو جائے گی، لیکن خدا جانتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بھی زخمی نہ ہوئی اور ہلکی سی خراش بھی اسے کبھی نہ آئی۔ دن کے وقت وہ عین اس موقع پر جب کہ میں اپنے کسی کام میں مصروف ہوتا، پتھر پر رگڑ رگڑ کر چاقو کی دھار تیز کرتی اور آپ ہی آپ مسکراتی۔ اسے روز بروز چاقو سے عشق ہوتا جا رہا تھا اور وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ ایک دو بار میں نے چاقو اٹھایا، تو اس نے جھپٹ کر میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ ایک مرتبہ وہ یہ چاقو اپنے سرہانے ہی بھول کر باتھ روم میں گئی تو میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا اور اس کا پھل ریزر بلیڈ کی طرح تیز تھا، میں نے اس میں غیر معمولی بات یہ دیکھی کہ دستے کے دونوں طرف دو دو انسانی آنکھیں بنی ہوئی تھیں۔

ایک دن میں نے میریٹا سے پوچھا: "تم یہ چاقو ہر وقت اپنے پاس کیوں رکھتی ہو؟"

اس نے گردن اٹھا کر ایک دو سیکنڈ تک بغور میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس چاقو سے سیب اور سبزیاں ترکاریاں وغیرہ کاٹا کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ یہ مجھے روحانی طور پر بھی تقویت دیتا ہے۔"

یہ الفاظ کہتے ہوئے میریٹا کے لبوں پر وہی لرزہ خیز، سفاک مسکراہٹ نمودار ہوئی جو وکٹر کی بے آنکھ لاش دیکھتے ہوئے نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ بولی: "یہ چاقو میرے پہلے شوہر نے مجھے دیا تھا، اس وجہ سے بھی میں اسے عزیز رکھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے چاقو کے پھل پر پیار سے انگلی پھیری اور میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

انہی دنوں میریٹا نے "مرکری" نام کی ایک خوبصورت چھوٹی سی موٹر بوٹ خریدی۔ اس موٹر بوٹ میں سوار ہو کر ہم سمندر کی سیر کیا کرتے۔ ایک روز میں نے سمندر میں نہانے کی خواہش ظاہر کی۔ میریٹا کا چہرہ یک لخت روشن ہو گیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ہم مغربی ساحل پر نہائیں تو بہتر رہے گا کہ ادھر کبھی کبھار شارک مچھلی آنکلتی ہے۔ شارک کا نام سن کر ہی میرا دم نکل گیا لیکن پھر بھی مغربی ساحل پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر میں کنارے کے قریب نہانے میں مصروف ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد میریٹا بھی ادھر آ گئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر سمندر میں نہانے اور غوطے لگانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد میں پانی سے نکل آیا اور ریت پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ فاصلے پر میں نہاتی ہوئی میریٹا کو کبھی کبھار دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیتا۔ ہمارے ارد گرد دور دور تک کوئی ذی روح نہ تھا۔ موٹر بوٹ ہم نے ریت پر چڑھا دی تھی۔ نہ جانے کب مجھ پر غنودگی سی چھا گئی اور اسی غنودگی کے عالم میں میں نے محسوس کیا کہ کوئی نرم و نازک چیز میرے چہرے پر رینگ رہی ہے۔ میں نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میریٹا مجھ پر جھکی ہوئی ہے اور میری آنکھوں کے گرد انگلی سے دائرہ سا بنا رہی ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا۔ جونہی میں نے آنکھیں کھولیں، اس نے جھٹ چاقو اپنی کمر کے پیچھے چھپا لیا۔ اس وقت دہشت سے میرا دل سینے میں اچھل رہا تھا، لیکن میریٹا کے ہونٹوں پر وہی سفاکانہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

اس کے بعد میں نے میریٹا کے ساتھ سمندر کی طرف جانا چھوڑ دیا اور کوشش کی کہ میں زیادہ سے زیادہ اس کی قاتل نظروں سے دور رہوں، چنانچہ میں صبح کا گھر سے نکلا رات گئے، واپس آتا۔ اس دوران میں میں نے دیکھا کہ میریٹا نے الکوحل کا بے تحاشا استعمال شروع کر دیا ہے۔ جب بھی میں واپس آتا، دیکھتا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں تقریباً مدہوش پڑی ہے۔ اس نے کھانا پکانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ نہ میں اس سے کچھ کہتا نہ وہ مجھ سے بولتی۔ پھر یوں ہوا کہ جب میں آتا، اس کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے مقفل ہوتا اور رات بھر ایک لمحے کے لیے بھی نہ کھلتا۔ صبح جب وہ باہر نکلتی تو اس کا چہرہ سن ہوا ہوتا۔ اس کی نظریں میری آنکھوں پر جم جاتیں۔ ہاتھ میں وہی کھلا ہوا چاقو ہوتا اور لبوں پر وہی مسکراہٹ۔ کئی بار میں نے اس سے اس رویے کا سبب معلوم کرنا چاہا، لیکن جواب میں سوائے مسکراہٹ کے اور کچھ نہ ملتا۔

ایک شب جب میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی خواب گاہ کا دروازہ خلاف معمول اندر سے مقفل نہیں ہے۔ میں نے دبے پاؤں جا کر اندر جھانکا تو میریٹا کا بستر خالی پایا۔ خیال ہوا شاید وہ ملحقہ باتھ روم میں ہو گی، لیکن جب میں نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دی اور کوئی جواب نہ ملا تو دروازہ کھول کر دیکھا۔ باتھ روم اندر سے خالی تھا۔ مجھے ازحد تعجب ہوا کہ وہ کہاں چلی گئی؟ گھر کا کونا کونا چھان مارا، میریٹا کہیں نہ تھی۔ گیراج میں دیکھا، اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کار کے بغیر ہی کہیں گئی ہے۔ یکایک خیال آیا ممکن ہے وہ سمندر کے کنارے گئی ہو۔ میں فوراً وہاں گیا اور ایک ایک کر کے ایسے سارے مقامات دیکھ ڈالے جہاں وہ جایا کرتی تھی، مگر ایک جگہ بھی اس کا پتا نشان نہ ملا۔ آپ میری حیرت اور سراسیمگی کا اندازہ کر سکتے ہیں جب میں اس کی تلاش میں تھک ہار کر واپس گھر آیا تو وہ باورچی خانے میں بیٹھی نہایت اطمینان سے ڈنر تیار کر رہی تھی۔ چاقو اس وقت بھی اس کے قریب دھرا تھا۔ میں نے

دیکھا کہ وہ نشے میں دھت ہے۔

"کہاں تھیں تم؟" میں نے پوچھا۔ "کم از کم بتا کر تو جاتیں۔ تمہیں میری پریشانی کا بھی کوئی احساس نہیں؟"

جواب میں وہ صرف مسکرا دی۔ وہی مسکراہٹ جس سے مجھ پر لرزہ طاری ہوتا تھا۔

اور یہ روزمرہ کا معمول بن گیا۔ جب بھی میں اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر گھر واپس آتا' میریٹا کو غائب پاتا۔ گھر کا گوشہ گوشہ دیکھتا' مگر اس کا سراغ نہ ملتا' لیکن تھوڑی دیر بعد وہ اوپر کی منزل سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آتی' تو میں ششدر رہ جاتا' حالانکہ اوپر کی منزل کا چپہ چپہ میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوتا تھا۔ بارہا میں نے منت خوشامد کر کے اس سے معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں چھپ جاتی ہے؟ مگر اس نے تو جیسے نہ بولنے کی قسم کھالی تھی۔ وہی منحوس مسکراہٹ کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ بہرحال تنگ آکر میں نے اس سے کچھ پوچھنا ہی ترک کر دیا۔ واپس آکر میں چپ چاپ اپنی خواب گاہ میں جاکر دروازہ مقفل کرتا اور اطمینان سے سو جاتا۔ میں نے اسے مکان کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں ڈھونڈنے کا مشغلہ ہی چھوڑ دیا تھا۔ میں ان تمام بے ہودہ اور لایعنی باتوں سے دراصل اکتا گیا اور اکتاہٹ کے پیچھے وہ بے کراں خوف بھی کام کر رہا تھا جو میریٹا کی ان پر اسرار حرکتوں کے باعث ہر وقت میرے ذہن پر مسلط رہنے لگا تھا۔

ایک روز میں ذرا سویرے ہی گھر واپس آگیا۔ اور یہ چند دن پہلے ہی کی بات ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب عادت اوپر سے نیچے نہیں آئی۔ میں اپنے ساتھ کھانا بھی لایا تھا۔ میں نے کھانا گرم کیا اور کھانے کے بعد اخبار پڑھنے لگا۔ اخبار پڑھنے کے دوران میں بھی وہ نہیں آئی۔ پھر میں نے اخبار ایک طرف پھینکا اور ٹیلی ویژن کھول دیا۔ ٹی وی پر کوئی اچھی فلم آرہی تھی۔ میں اسے دیکھنے میں محو ہو گیا۔ دفعتہ میں نے اپنی گردن پر میریٹا کا نرم و نازک ہاتھ دیکھا۔ وہ دبے پاؤں نہ جانے کب آئی اور کتنی دیر سے میری پشت پر کھڑی تھی۔ میں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہی مکروہ اور بیزار کن مسکراہٹ اس کے ہونٹ پر ابھر رہی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹیلی ویژن بند کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ ٹی وی بند کر کے وہ مڑی اور وحشیانہ بلکہ حریص نگاہوں سے مجھے تکنے لگی۔ چاقو اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے گھبرا کر کہا: "میریٹا' کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" اس نے مسکرا کر اثبات میں کئی بار گردن ہلائی اور بولی:

"ہاں..... میں بالکل ٹھیک ہوں..... آؤ تالاب میں نہائیں۔"

"کیا یہ نہانے کا وقت ہے؟" میں نے ناراض ہو کر کہا۔ "میں اب سونا چاہتا ہوں۔"

"نہیں..... تم میرے ساتھ تالاب پر نہانے چلو گے۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا اور چاقو ذرا اوپر اٹھایا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ گویا یہ عورت اس ننھے سے چاقو کے ذریعے مجھے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سخت لہجے میں بولا: "دیکھو میریٹا' تم اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہو۔ جاؤ' اپنے کمرے میں جاکر سو جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں نے جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ وہ آگے لپکی اور اس نے مجھے زور سے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا: "نہیں..... تم اس وقت نہانے کے لیے میرے ساتھ تالاب پر چلو گے۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کی خونخوار مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ میں اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور میں نے پوری قوت سے طمانچہ اس کے منہ پر مارا۔ وہ اس کے لیے غالباً تیار نہ تھی تیورا کر پیچھے گری اور میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

مجھے خبر نہیں اس کے بعد میریٹا نے کیا کیا۔ اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر میں تھوڑی دیر گم سم اپنے بستر پر بیٹھا سوچتا رہا کہ مجھے اس عورت سے چھٹکارا پانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دماغی توازن سے محروم ہو چکی ہے اور اس کے قریب رہنا کسی بھی لمحے جان لیوا خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ بستر پر لیٹنے کے باوجود انہی پریشان کن خیالات میں مجھے نیند نہ آئی۔ خیال آیا ذرا دیکھوں میریٹا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ چپکے سے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر میں اوپر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں میریٹا اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے بیٹھی ہے اور اندھیرے میں نہ جانے کیا گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔ خدا رحم کرے' وہ خوں آشام مسکراہٹ اس وقت بھی اس کے لبوں پر طاری تھی۔

دفعتہ میری نگاہ میریٹا کی خواب گاہ میں لٹکی ہوئی ایک بڑی سی تصویر پر پڑی۔ یہ تصویر اپنی جگہ سے کچھ ہٹی ہوئی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو انکشاف ہوا کہ اس تصویر کے عقب میں ایک خفیہ دروازہ ہے۔ میں نے اس دروازے کا نشان بھی دیکھ لیا۔ آہ..... تو یہ ہے وہ جگہ جہاں میریٹا چھپا کرتی ہے اور ڈھونڈنے کے باوجود اس کا سراغ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اشتعال یا شراب کے نشے میں وہ خفیہ دروازہ بند کرنا اور تصویر اپنی جگہ جمانا بھول گئی.....

پھر یکایک اسے احساس ہو گیا کہ میں وہاں موجود ہوں اور اسے دیکھ رہا ہوں۔

اس نے گردن گھمائی' مسکراہٹ برابر اس کے ہونٹوں پر رچی ہوئی تھی۔ اس نے یقیناً دیکھ لیا تھا کہ میں اس کے کمرے کا خفیہ ٹھکانہ دیکھ چکا ہوں' مگر اس نے اس راز کے کھل جانے کی مطلق پروا نہ کی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نپے تلے قدم بڑھاتی میری جانب آئی۔ بالکل میرے قریب آن کر وہ رکی اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی:

"سنو' میں نے وکٹر کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا۔"

مجھے اپنے قلب کی حرکت بند ہوتی ہوئی لگی۔ میں نے کچھ نہ کہا اور سکتے کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بعد میریٹا نے مجھے مزے لے لے کر' ٹھہر ٹھہر کر' قہقہے لگاتے ہوئے وکٹر کو ہلاک کرنے کی تمام کہانی سنا ڈالی۔

"اور یہ بھی سنو' احمق کی اولاد۔" اس نے آخر میں ہنستے ہوئے کہا: "میں نے اپنے پہلے شوہر کو بھی اسی طرح سمندر میں غرق کرکے مارا تھا۔ ہاہاہا...... میرے دونوں شوہر سمندر میں ڈوب کر مرے...... وہ بے وقوف تیرنا نہیں جانتے تھے..... جاؤ..... آئینے میں جاکر ذرا اپنی آنکھوں کو غور سے دیکھو..... تمہاری آنکھیں اس بھیانک ارادے کی صاف چغلی کھا رہی ہیں..... میرے پہلے دونوں شوہروں کی آنکھوں میں بھی ایسے ہی ارادے پنہاں تھے' لیکن وہ مجھے مار ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور..... تم..... میرے تیسرے شوہر..... تم بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے..... جاؤ دفعان ہو جاؤ یہاں سے....."

اور میں ڈگمگاتے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے اندر سے دروازہ مقفل کر لیا اور میں نے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی' مگر نیند نہیں آئی۔ بھلا اس بدنصیب کو نیند کیسے آسکتی ہے جس کی بیوی اپنے پہلے دو شوہروں کو دلیرانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتار چکی ہو اور تیسرے شوہر کی تاک میں ہو؟

جب کسی طرح نیند نہ آئی تو میں مضطرب ہو کر اٹھا' میں نے بتی جلائی اور آئینے کے پاس جاکھڑا ہوا۔ آئینے میں میں نے اپنی آنکھیں دیکھیں..... خوف اور دہشت کی نئی لہر میرے تن بدن میں دوڑ گئی۔ میں نے میریٹا کے پہلے شوہر کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں لیکن دوسرے شوہر--- وکٹر--- کی آنکھیں اچھی طرح دیکھی تھیں..... ان آنکھوں میں خوف تھا' اضطراب تھا' بے چینی تھی' ویرانی تھی' اداسی تھی اور زندگی کھو جانے کا صدمہ تھا..... بعینہ یہی کچھ میری آنکھوں میں تھا۔ ان میں اور وکٹر کی آنکھوں میں ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ میں نے بدحواس ہو کر بتی بجھائی اور اپنے بستر پر گر کر ہانپنے لگا۔

اگلے روز صبح ہوتے ہی میں گھر سے نکل کر اس طرح بھاگا' جیسے جیل خانے سے قیدی رہا ہوتا ہے' سیدھا اپنے ایک وکیل دوست کے پاس پہنچا اور اس سے مشورہ کیا کہ میں کس طرح اپنی بیوی سے نجات پاسکتا ہوں۔ وکیل نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس معاملے میں غور کرکے ہی صحیح مشورہ دے گا' چنانچہ میں واپس گھر چلا آیا۔ جونہی میں نے شام کے وقت گھر میں قدم رکھا' میریٹا اپنے لبوں پر وہی مسکراہٹ لیے اوپر کی منزل سے نیچے آئی۔ چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور گھر سے باہر نکل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے پچھلے حصے میں واقع لان سے گزرتی ہوئی سڑک پر چلی گئی۔ اس کا رخ سمندر کو جانے والی سڑک پر تھا' پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی خواب گاہ میں جانے کے لیے قدم اٹھایا' مگر ایک فوری خیال کے زیر اثر میں اوپر کی منزل میں گیا اور میریٹا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ میریٹا اس وقت جان بوجھ کر گھر سے باہر گئی ہے محض یہ موقع مجھے دینے کے لیے کہ میں اس کی خواب گاہ میں جاؤں اور خفیہ کمین گاہ کا معائنہ کروں۔ اور اسے یقین کامل تھا کہ میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔

لیکن میں ازلی احمق ہوں۔ میں نے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے اس امکان کو قطعی نظر انداز کر دیا کہ وہ مجھے دھوکا دینے کے لیے سمندر کی طرف گئی ہے..... بالکل ممکن تھا کہ وہ مکان کے نزدیک ہی کہیں رک جائے اور یوں کسی بھی لمحے اس کا واپس آنا طے تھا..... مگر میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

اس کی خواب گاہ میں داخل ہونے کے بعد بھی میں نے اس طرف توجہ نہ دی کہ میریٹا اچانک واپس آسکتی ہے..... میں نے دیکھا کہ دیوار پر سے وہ تصویر کھسکی ہوئی ہے اور خفیہ دروازے کی درز صاف نظر آرہی ہے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اسے کھولنے اور بند کرنے کے لیے اس میں قفل بھی لگا تھا اور میریٹا یہاں سے جاتے ہوئے خفیہ دروازے کی کنجی بھی اس میں لگی چھوڑ گئی تھی۔

یہ دراصل ایک چھوٹی سی الماری تھی۔ اور اس الماری کے اندر میں نے دو بوتلیں رکھی ہوئی پائیں۔ ان بوتلوں میں پہلے زیتون کا تیل بھرا ہوا ہو گا' لیکن اب ان میں زیتون کے بجائے اوپر تک سپرٹ بھری ہوئی تھی۔ یہ بوتلیں سربمہر تھیں اور الماری کی ایک شیلف میں پاس پاس دھری تھیں۔ ان بوتلوں کے بالمقابل ایک چھوٹا سا سٹول تھا۔ اس سٹول پر میریٹا گھٹنوں بیٹھی ان بوتلوں کو تکتی ہو گی۔

اور تین تصویریں بھی ان بوتلوں کے عین پیچھے رکھی تھیں۔ تین تصویریں۔ ان میں ایک تصویر میری تھی۔ دوسری وکٹر کی۔ اور تیسری یقیناً اس بدنصیب کی تھی جو میریٹا کا پہلا شوہر رہا ہو گا اور ہر شوہر کی تصویر کی آنکھوں میں ایک تیز دھار کا چاقو پیوست تھا۔

تصویروں سے ہٹ کر میری نگاہ دوبارہ بوتلوں پر پڑی۔ اور پھر..... میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ سانس رکا اور کلیجہ حلق میں آتا ہوا محسوس ہوا..... میری ٹانگیں دہشت سے لرزنے لگیں اور آنکھوں کی پتلیوں کی گردش جیسے تھم گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آتا تھا اور یہی تصور بندھتا تھا کہ میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ میں بہ ہوش و حواس عالم بیداری میں تھا۔

ابھی میں ان بوتلوں کو گھور رہا تھا کہ میریٹا دبے پاؤں وہاں آگئی۔ مجھے قطعی خبر نہ ہوئی کہ وہ کس لمحے آئی اور کب میرے عقب میں آکر کھڑی ہوئی۔ میں نے اس کے آنے کی آہٹ بالکل نہ سنی اور احساس اس وقت ہوا جب وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح جست لگا کر مجھ پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ میں ہوش میں آکر پلٹا اور میریٹا کے ہاتھ میں دبا ہوا چاقو اپنی چمک سے مجھے خبردار کر گیا۔ اگر ایک ثانیے کی بھی تاخیر ہوتی' تو میریٹا کا وہ ریزر بلیڈ کی طرح تیز دھار چاقو میری آنکھوں میں پیوست ہو چکا ہوتا۔ پھر بھی میرے رخسار پر گہرا گھاؤ آیا۔ میریٹا نے دوسرا وار کیا اور اس مرتبہ میری آنکھوں میں جیسے گہری تاریکی امڈ آئی۔ میں لڑکھڑایا اور جان بچانے کی آخری کوشش میں میریٹا سے گتھم گتھا ہو گیا۔ وہ دیوانہ وار مجھ پر چاقو کے وار کر رہی تھی اور میں اندھا دھند اس سے چاقو چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالاخر میں نے اس سے چاقو چھین لیا۔ اس کے بعد مجھے اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے اسے فرش پر گرا لیا اور چاقو مار مار کر اس کا قیمہ بنا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

پولیس والے اس وقت جائے حادثہ پر پہنچے جب میریٹا مر چکی تھی اور میں خون میں نہایا ہوا ایک طرف پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے جھٹ پٹ ہسپتال پہنچایا۔ ابھی گزشتہ روز انہوں نے میریٹا کو قبر میں دفن کیا ہے۔ قبر میں دفن کیے جانے کے وقت میں وہاں موجود نہیں تھا۔ میں تو ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا۔ اور وہیں میں اب بھی پڑا ہوں۔ مجھے بے پناہ خوشی ہے کہ میریٹا مر چکی ہے اور میں اس پر بھی بہت خوش ہوں کہ میں اسے قتل کرنے میں کامیاب ہوا۔ میری خواہش ہے کہ کاش کوئی اسے برسوں پہلے ہی مار ڈالتا' اس سے پہلے کہ وہ قتل کی کوئی واردات کرتی۔

میریٹا نے مجھ پر چاقو کے وار کر کے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا ہے۔ میری دونوں

آنکھیں ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گئی ہیں اور اب میں ان دو بوتلوں اور تین تصویروں کو زندگی بھر دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔ وہ بوتلیں جن میں سپرٹ بھری ہوئی ہے' جو سربمہر ہیں اور جن میں دو دو انسانی آنکھیں بند ہیں۔ دو آنکھیں وکٹر کی اور دو آنکھیں میریٹا کے پہلے شوہر کی۔

وکٹر کی آنکھیں کسی مچھلی یا سمندری حیوان نے نہیں نکالی تھیں۔ وہ آنکھیں میریٹا نے سمندر کے اندر جا کر گہرے پانی میں اپنے تیز چاقو کے ذریعے کاٹی تھیں تاکہ پہلے شوہر کی آنکھوں کی طرح وہ انہیں بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکے۔

خون خوار بھیڑیے

ہو سکتا ہے آپ کو میری اس بات سے اختلاف ہو کہ دنیا میں خونخوار بھیڑیوں سے بڑھ کر بھی ایک چیز ایسی ہے جو درندگی، وحشت اور بربریت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی لیکن اس معاملے میں آپ کو مجھ سے یقیناً اتفاق ہو گا کہ اس جاندار کا نام عورت ہے۔ عورت جو کبھی تو پھول کی پنکھڑی سے زیادہ نازک ہوتی ہے اور کبھی کبھی چٹان سے زیادہ سخت ہو جاتی ہے کبھی شمع بن کر پروانوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے تو کبھی آسمانوں پر کھڑکنے والی بجلی کی مانند جہاں گرتی ہے مرد کا نام و نشان تک مٹا دیتی ہے۔

اب میں آپ کی آتش شوق کو زیادہ ہوا نہیں دوں گا اور اصل داستان کی طرف آؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اور بہت سے دوسرے قارئین کی طرح آپ بھی یہ سب جاننے کے لئے بیقرار اور بے چین ہوں گے کہ آخر میں نے عورت کے متعلق ایسی رائے کیوں قائم کی تو میرا خیال ہے کہ پہلے وہ واقعہ میں آپ کو سناتا چلوں جس کی وجہ سے میں آج تک قانون کی نظروں سے خود کو چھپائے پھرتا ہوں۔ قانون اور معاشرے کی نگاہوں میں میری حیثیت چاہے ایک مغرور قاتل کی ہی سہی لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اور اگر کسی کو قتل بھی کیا ہے تو کسی بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے۔ کیونکہ میری نظر میں کسی درندے کو ہلاک کر دینے سے بہتوں کا بھلا تو ہو سکتا ہے ان کی اچھائی اور بہتری کا پہلو تو نکل سکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ آپ اسے قتل کا نام دے سکیں۔ ہو سکتا ہے یہ واقعہ جان کر بھی آپ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرائیں اور ایک قاتل ہی سمجھیں لیکن میں یہ بات آپ کے ذہن نشین کرانا چاہوں گا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اس وقت قانون کو میری ضرورت ہے۔ مجھے قانون کی نہیں۔"

میری زندگی کی سب سے حسین رات وہ تھی جب میری ملاقات ایک کیفے ٹیریا میں انگرڈ سے ہوئی۔ انگرڈ ایک سویڈش لڑکی تھی۔ ارب پتی باپ کی اکلوتی لڑکی اور حسن و جمال میں یکتا ہونے کے علاوہ بلا کی ذہین اور پر وقار بھی تھی میں ان دنوں ایک سروے کمپنی میں اچھی پوزیشن پر ملازم تھا اور کسی ضروری کام سے میڈرڈ (سپین) گیا ہوا

تھا۔ سپین کی سرزمین مشرقی اور مغربی تہذیبوں کا بے حد حسین اور خوبصورت سنگم ہے اور آپ میں سے جو لوگ سپین گئے ہوں گے انہیں وہاں کی فراخ دل عورتیں اور خوبرو حسیناؤں کے جھرمٹ یقیناً پسند آئے ہوں گے۔ سپین کی دوشیزائیں زندگی سے بھرپور آگ کی لہر کی طرح ہوتی ہیں۔ یہاں میری ملاقات ازابیلا، جولیانا اور کئی اور لڑکیوں سے ہوئی لیکن میں غیر معمولی حسن سے ہی متاثر ہوا کرتا ہوں۔ میڈرڈ کے ایک کیفے ٹیریا میں جہاں میں ایک کروڑ پتی ہسپانوی تاجر کا مہمان تھا اور اس کی دعوت پر وہاں گیا تھا۔ میں نے پہلی بار انگرڈ کو دیکھا۔ اور مجھے یوں لگا جیسے وہ اگر مجھے نہ مل سکی تو میں سپین سے زندہ کبھی واپس امریکہ نہیں جاسکوں گا۔

میرے میزبان نے میری توجہ کھانے کی لمبی چوڑی میز پر سجے ہوئے سات قسم کے خوش ذائقہ بھنے ہوئے روایتی گوشت کی طرف کرائی۔ میں نے دیکھا کہ تلی ہوئی مچھلی کے خوشبودار مصالحے میں رچے ہوئی پارچوں کے علاوہ میز پر بھنے ہوئے مرغ، تیتر، مرغابی، ہرن، گائے، بکری اور بھیڑ کا گوشت بھی موجود تھا۔ اسی طرح سات قسم کے مختلف ذائقوں والے پھل اور پھر سات ملکوں سے منگوائی ہوئی بیش قیمت شرابیں جن کو کیفے ٹیریا کی حسین گلبدن دوشیزائیں میرے سامنے پیش کرنے آئیں جو خود بھی اس مرغن اور لذیذ کھانے کا ایک حصہ تھیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تک میں نے اتنا لذیذ کھانا نہیں کھایا تھا۔ میرے ذرائع آمدنی اگر لامحدود نہیں تو اتنے بھی محدود نہیں تھے اور میرے متعلق عام تاثر یہی تھا کہ میں زمین کے کسی بھی خطے کو محض سونگھ کر تیل کی موجودگی کا پتہ چلا لیا کرتا ہوں اور یہ کوئی معمولی صلاحیت نہیں تھی۔ سروے کے ضمن میں اس اضافی خوبی اور خداداد قابلیت نے مجھے ایک مختصر سے عرصے میں کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ میں ایک بہت بڑی امریکی تیل تلاش کرنے والی کمپنی میں چیف سروے آفیسر تھا اور میری تنخواہ کا یہ حال تھا کہ اس وقت میں میڈرڈ کے سب سے مہنگے ہوٹل یعنی میڈرڈ شرٹن میں مقیم تھا اور مجھے پانچ سو ڈالر روزانہ محض تفریحی الاؤنس مل رہا تھا جبکہ مجھے میڈرڈ میں ابھی کم از کم دو ہفتے قیام کرنا تھا اور ٹھیک دو روز بعد میری سیٹ پان امریکن کی جینوا فلائٹ کے لئے بک کرا دی گئی تھی۔ نیویارک سے مجھے براہ راست میڈرڈ بھجوایا گیا تھا اور یورپ کے اس دورے کے لئے میرے لئے ایک لاکھ ڈالر کی رقم مخصوص کر دی گئی تھی جبکہ یہ دورہ صرف دو ماہ کے عرصے میں مکمل ہونا تھا۔ اور یہ رقم محض مجھے تفریحی الاؤنس کے بونس کے طور پر اس لئے دی گئی تھی کیونکہ گزشتہ دو برسوں سے میں نے کوئی چھٹی نہیں لی تھی اور اب یہ دورہ تفریحی سے زیادہ تجارتی رنگ اختیار کر گیا تھا!

مجھے میڈرڈ آئے ابھی مشکل تمام 36 گھنٹے گزرے تھے۔ گزشتہ شب میں نے ازابیلا کے فلیٹ پر گزاری تھی لیکن وہ اپنی والدہ کی بیماری کے باعث کچھ بجھی بجھی سی رہی تھی اور مجھے اس کی رفاقت میں اس کے قرب میں بھی ایک دوری اور فاصلے کا احساس باقی رہا۔ میں سمندر سے جاکر بھی تشنگی سے نجات نہیں پاسکا تھا! اور نصف شب تک کسی جانور کی طرح ازابیلا کو جھنجھوڑنے کے بعد میں نے رات کے پچھلے پہر جولیانا کے فلیٹ کی گھنٹی بجائی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور ہسپانوی زبان میں اول فول بکتی ہوئی دروازے تک آئی۔

مجھے گھر کے دروازے پر دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے نیند اڑن چھو ہو گئی اور وہ حیرت اور تجسس کی تصویر بن کر دروازے کے فریم میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے اس کے شانے تھپتھپائے اور اس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اس کی گردن پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ اس غیر متوقع اقدام کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں تھی اس نے کسمساتے ہوئے خود کو میری گرفت سے آزاد کرالیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر کاریڈار کی طرف جانے لگی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے فربہ اور دلفریب کولہے بے حد ہیجان انگیز اور جنوں خیز انداز میں دائیں بائیں بل رہے تھے اور ان کے تھرکنے کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

میں نے برق رفتاری سے دروازے کی چٹخنی لگائی اور کسی چیتے کی مانند اس پر جاگرا۔ آپ حیران ہوں گے کہ وہ ایک ٹھوس اور بے حد صحت مند لڑکی تھی لیکن اس وقت مجھ میں کوئی ایسی طاقت سمائی ہوئی تھی کہ میں خود بھی اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتا تھا میں اسے لئے ہوئے کاریڈار کے پختہ فرش پر گر پڑا اور ہم دونوں ایک دوسرے میں الجھے ہوئے شفاف اور چکنے فرش پر دور تک پھسلتے چلے گئے۔ ملاقات کا یہ انداز بڑا عجیب و غریب تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی یا اٹھ سکتی میں نے بڑی برق رفتاری سے اسے زیر کر لیا تھا۔ اور وہ پوری طرح صورت حال کو سمجھنے کی کوشش میں بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ میں نے اسے بے بس کر دیا تھا اور جب اس نے مجھے بعد میں پوچھا کہ آخر یہ کیا حرکت تھی تو میں نے اسے بتایا کہ دراصل میں جذبات کی یلغار کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا اور اسی وجہ سے میں نے ایسی حرکت کی تھی! وہ مسکرائی شاید اتنی دلفریب رات میں نے پہلے کبھی نہیں گزاری تھی۔ صبح میں بہت دیر سے اٹھا لیکن میں تازہ دم تھا۔

اگلے دن بلکہ اگلی رات میں پھر ازابیلا کے فلیٹ پر جا پہنچا اس وقت اپنے فلیٹ میں موجود نہیں تھی۔ میں اس کی غیر موجودگی اس کے بیڈ روم میں بیٹھا اس کی البم کی

ورق گردانی کرتا رہا۔ شاید ازابیلا اپنے کسی دوست کے ہمراہ کہیں رات گزارنے چلی گئی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کی ذاتی ملازمہ اولیویا میرے لئے سیاہ کافی بنا کر لائی اور مجھے آرام کرنے کی تلقین کرتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔ میں نے بھرپور نظروں سے اولیویا کے بدن کا جائزہ لیا وہ گدرائے ہوئے بدن کی ایک سانولی سی دوشیزہ تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اس کے سانولے رنگ میں بے پناہ کشش تھی اور اس کا بھرا بھرا بدن بے پناہ جنسی کشش رکھتا تھا اور اس کے بالائی ہونٹ کے قریب ایک ننھا سا اور بے حد خوبصورت تل تھا جو اس قدر ہیجان خیز تھا کہ میں نے خود کو بڑی مشکلوں سے قابو میں رکھا۔ اولیویا اس وقت کچن میں تھی اور میرے لئے گوشت کے پارچے تل رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ ایک ٹرے میں گوشت کے پارچے لئے نمودار ہوئی اور اس نے پلیٹ میں چند ٹکڑے ڈال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ وہ کسی کام سے میرے میز کے قریب آئی۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے قریب کھینچا لیکن وہ کسمسا کر علیحدہ ہو گئی۔

وہ اس بات سے خوفزدہ تھی کہ اگر اس کی مالکہ یعنی ازابیلا آگئی تو کیا ہو گا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں ساری صورت حال کو سنبھال لوں گا لیکن وہ بہت ہراساں تھی اس نے کہا آپ نے ابھی تک ازابیلا کا ایک ہی روپ دیکھا ہے غصے میں وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی یا پھنکارتی ناگن سے کم نہیں ہوتی ہیں یہ کہہ کر وہ اپنا لباس درست کر ہی رہی تھی کہ باہر آہٹ ہوئی اور اچانک صدر دروازے میں تالے میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد ہی ازابیلا دروازہ کھول کر اندر آگئی تھی اور اب اپنے بیڈ روم کی طرف آرہی تھی۔ میں نے جلدی سے اولیویا کو بیڈ کے نیچے چھپا دیا اور خود بیڈ پر لیٹ گیا۔

ازابیلا نے آگے بڑھ کر اپنے ہونٹ میری آنکھوں پر رکھ دیئے اور آہستہ سے بولی۔ ”تم۔ تم کب آئے۔ اور ہاں وہ اولیویا کہاں ہے؟ کیا تم نے کسی کام سے کہیں بھجوا دیا ہے؟“ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ میں نے جواب دیا۔ ”اوہ۔ اولیویا۔ دراصل وہ پڑوس میں گئی ہے۔ خیر چھوڑو اسے۔ تم ایسا کرو کہ نہا کر تازہ دم ہو جاؤ پھر ہم دونوں آج رات شیرٹن میں کھانا کھائیں گے اور اوپیرا دیکھنے چلیں گے۔“ ازابیلا خوشی سے کھل اٹھی۔ وہ یوں بھی اچھے ہوٹلوں میں جانے کی شدت سے آرزو مند معلوم ہوتی تھی سیدھی غسل خانے میں جا گھسی اس کے وہاں سے جاتے ہی اولیویا برق رفتاری سے بیڈ کے نیچے سے نکلی اور باہر چلی گئی۔

"اولیویا۔ اولیویا۔ تم کہاں ہو؟" ازابیلا کی آواز بیڈ روم میں گونجی، شاید وہ کسی چیز کی تلاش میں پھر رہی تھی۔ "کرسمس ڈارلنگ تم کہاں چلے گئے، کہاں ہو تم؟" پھر اس نے مجھے پکارا۔ میں نے جلدی سے چٹخنی کھولی اور تقریباً بھاگتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ "اوہ کچھ نہیں۔ میں ذرا کچن تک گیا تھا۔ اولیویا واپس آگئی ہے اور کچن میں ہے۔" میں نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

میں نے دیکھا کہ ازابیلا اپنے حسین بدن کے اردگرد ایک بڑا سا گلابی تولیہ لپیٹے کھڑی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اولیویا کے چہرے پر جس قسم کے جذبات اور تاثرات ابھرے تھے بالکل اسی قسم کے حجاب آلود جذبات اس وقت ازابیلا کے چہرے سے بھی عیاں تھے۔ پھر وہ غسل خانے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ تیار ہو چکی تھی۔ میں نے حسرت سے اولیویا کی طرف دیکھا۔ اولیویا نے ایک ہوائی بوسہ میری طرف اچھالا اور میں اور ازابیلا کار کی طرف بڑھے۔

میں اور ازابیلا شرٹن کی حسین شام گزارنے جب ہوٹل کی لابی میں گئے تو میری نظر انگرڈ کی ہم شکل ایک لڑکی پر پڑی اسے دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے مجھے جلد از جلد انگرڈ کو تلاش کرنا ہو گا اس سے ملنا ہو گا۔ ورنہ اس کے بغیر میں جی نہیں سکوں گا! جانے وہ مجھے کیوں اس قدر یاد آرہی تھی اور میں اس کی یاد اور فرقت سے بے چین ہونے لگا۔ میں نے اپنے بازو کی گرفت ازابیلا کی کلائی پر سخت کر دی۔ میری انگلیاں اس کے نرم و نازک ہاتھ میں گڑی جا رہی تھیں۔ وہ آہستہ سے چیخی۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیرس؟" اس نے محبت سے میرے نام کی تخفیف کرتے ہوئے کہا۔

کھانے کے دوران وہ اپنے ملائم اور ریشمی پاؤں سے میز کے نیچے سے میری پنڈلی پر طلسمی لمس سے گدگدی کرتی رہی میرے اعصاب کو خاصا سکون مل رہا تھا اور میں خوش ذائقہ کھانوں کی لذت سے زیادہ اس کے لمس میں لطف محسوس کر رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی میں اور ازابیلا ایک شاندار اوپیرا دیکھنے چلے گئے۔ ہسپانوی نوجوان دوشیزائیں بڑی ہیجانی انداز میں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور آرکسٹرا کی ملی جلی آوازیں نیم تاریک ماحول کو اور زیادہ رومان پرور اور جذبات انگیز بنا رہی تھیں اور ازابیلا میرے سینے پر سر رکھے مجھ سے بالکل لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ برائن کی زبردست مہک اس کے خوبصورت بالوں سے آرہی تھی جو اس کے دلکش شانوں پر بکھرے ہوئے تھے پھر اس نے چہرہ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کی مخروطی صراحی دار گردن کی تل کو چوم لیا۔ اس نے ایک جھرجھری لی اور اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہم

دونوں اوپیرا سے واپس شرٹن کے سویٹ لوٹ آئے۔

جانے کیا بات تھی ازابیلا سے دو ملاقاتوں کے بعد اور اولیویا سے نیم ملاقات کے بعد میری طبیعت میں ایک عجیب و غریب قسم کی تشنگی پیدا ہو گئی تھی اور میرا جی بار بار انگرڈ کو ملنے کو ترس رہا تھا۔ آخر میرے دل کی تڑپ رنگ لا کر رہی اس روز سہ پہر کے وقت میں نے انگرڈ کا نام اور ٹیلی فون نمبر ایک ڈائریکٹری سے تلاش کیا اور اس ڈائریکٹری میں سپین کے سرکردہ افراد کے نمبر درج تھے لیکن جب میں نے ہوٹل سے انگرڈ کو فون کیا تو اس کی ذاتی ملازمہ ایمرلڈ نے مجھے بتایا کہ وہ ابھی سو رہی تھی اور شام پانچ بجے سے پہلے بیدار نہیں ہو گی اس نے میرا نمبر لکھ لیا تھا۔ اب مجھے دو گھنٹے گزارنے دوبھر ہو گئے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وقت پر لگا کر اڑ جائے اور میں اسے دوبارہ فون کر سکوں۔ دراصل اس دن یعنی پہلے دن کیفے ٹیریا میں اس کے ملکوتی حسن سے اس قدر مرعوب ہوا کہ کوئی بات ہی نہیں کر سکا تھا اور جب وہ چلی گئی تو میں اپنے اوسان ہی کھو بیٹھا اور یہ احساس مجھے اور بھی زیادہ اذیت میں مبتلا کر گیا تھا کہ میں کھل کر اس سے اپنے دل کی بات ہی نہیں کر سکا تھا۔

ٹھیک پانچ بج کر پانچ منٹ پر جب میں واش بیسن کے پاس کھڑا برش کر رہا تھا میرے کمرے کے فون کی گھنٹی بجی۔ میرے دل کی دھڑکن جیسے مدہم ہو کر ڈوبنے لگی تھی اور میری نبضیں بھی آہستہ آہستہ جیسے رک سی گئی تھیں۔ "ہیلو۔!" دوسری جانب ایک بے حد دلکش اور حسین آواز نے میرے کانوں میں شہد ٹپکایا۔ "ہیلو۔ کون ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "میں انگرڈ ہوں کیا یہ تم ہو کرسمس؟" میں نے خوشی سے رسیور کو چوم لیا اور بولا۔ "آہ میری زندگی، کیا یہ تم ہی ہو یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ تم ہو!۔" میں تمہاری حالت کو سمجھتی ہوں۔" اس کی دلکش آواز مجھے بے خود کرنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "تم تیار رہنا میں خود تمہیں لینے آؤں گی، وقت یاد رکھنا ٹھیک آٹھ بجے شب لیکن کیا تم واقعی مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہو۔؟" میں نے فوراً کہا۔ "میرے صبر کو اور نہ آزماؤ۔"

یہ لمحہ میرے لئے بے حد قیمتی تھا۔ میں نے فوری طور پر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ پھر اس کی نقرئی آواز میرے کانوں میں رس گھولنے لگی۔ "اجنبی تم اچھی طرح سوچ لو۔ عین ممکن ہے کہ میری رفاقت تمہیں بہت مہنگی پڑے۔ ویسے میں اب بھی تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم اس خیال سے باز رہو اس لئے کہ تم نے ابھی نہیں دیکھا ہے تم ابھی جوان ہو اور اپنے ہی خون کا مزہ چکھنے کے لئے بے قرار نظر آتے ہو۔ خیر جیسے تمہاری مرضی۔" اور فون بند ہو گیا۔ میں نے چلنے کی تیاری شروع کر دی۔

آہ' مجھے کیا معلوم تھا کہ جس رات کو میں اپنی زندگی کی سب سے قیمتی اور سنہری رات سمجھ رہا تھا وہ میری زندگی میں ایک تاریک لمحہ بن کر آئے گی اور میری زندگی کا رخ تبدیل کر کے رکھ دے گی۔ ٹھیک آٹھ بجے ایک زبردست ماڈل کی جدید ترین اور شاندار رولز رائس آکر شرٹن کی لابی میں رکی اور مجھے کمرے میں اطلاع دی گئی کہ مس انگرڈ میری منتظر ہیں۔ میں نے آخری بار آئینے میں اپنا سراپا دیکھا۔ پرفیوم کی پوری بوتل اپنے کپڑوں پر انڈیلی اور اپنی ٹائی کی ناٹ درست کرتا ہوا لفٹ کی طرف بڑھا۔ چند سیکنڈ بعد میں لابی سے گزر کر رولز رائس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مقناطیسی کشش مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ سب کچھ کسی خواب کی مانند تھا میں کشاں کشاں کار کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا ایک باوردی حبشی ملازم کار کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

میں آگے بڑھا اور فوم کشن کی آرام دہ سیٹ میں جیسے ڈوب گیا۔ رنگ اور خوشبو کی ایک تیز لہر نے میرا احاطہ کر لیا۔ کار میں ڈینیوب کی ہلکی ہلکی موسیقی کے دوش پر خوشبوئیں رقص کر رہی تھیں اور ایک بے حد حسین اور نفیس گلابی میکسی میں انگرڈ میرے پاس' مجھ سے صرف چند انچ کے فاصلے پر بیٹھی تھی۔ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں محبت اور اپنائیت کی چراغ روشن تھے۔ دروازہ بند ہوتے ہی کار بغیر کسی آواز کے آگے بڑھی۔ انگرڈ نے اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اور میرے بدن پر جیسے ہزاروں وولٹ کا کرنٹ دوڑنے لگا۔ میں اس کے بدن سے اٹھتی ہوئی خمار آلود مہک سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

کار ایک عالی شان محل نما عمارت کے پورچ میں جا کر رک گئی اور انگرڈ مجھے ہمراہ لئے ہوئے جیسے ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی ایک بڑے سے ہال سے گزر کر ساگوانی سیڑھیاں طے کرتی ہوئی بالائی منزل کی طرف چل دی راہداری کے آخری سرے پر جا کر وہ رک گئی اور مجھے ایک کمرے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میرے کانوں میں جیسے شائیں شائیں ہونے لگی۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ میرے لئے قہر آلود قیامت اور صدیاں بن کر گزر رہا تھا! میں کمرے کی دیواروں پر آویزاں بے حد عریاں اور شرمناک تصاویر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ قد آدم تصویریں اس قدر ہیجان انگیز اور اشتعال انگیز تھیں کہ میرے بدن کے رونگٹے فرط جذبات سے گنگنانے لگے چند لمحوں بعد اس کمرے کے دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ شاید یہ دروازہ انگرڈ کی خواب گاہ میں کھلتا تھا۔ پھر انگرڈ کی آواز نے میرے کانوں میں شیرینی ٹپکائی "اب تم اندر آسکتے ہو۔" یہ سن کر میں کمرے میں داخل ہوا اور ٹٹول کر دیوار پر لگا ہوا سوئچ آن کر

دیا۔ پورا کمرہ ہلکی سبز روشنی میں نہا گیا۔ وہ میرے سامنے تھی۔

میں نے نظریں اٹھائیں سبز روشنی میں نہائی ہوئی انگرڈ کا عریاں بدن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی سرو قد مجسمہ تھی جسے سنگ مرمر سے تراشا گیا تھا اس کا بدن اس قدر متناسب اور گداز تھا کہ اسے نظر بھر کر دیکھنے کی تاب مجھ میں نہیں تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے اگر زیادہ دیر تک اسے دیکھا تو میں اپنے جذبات کی آگ میں جل کر راکھ ہو جاؤں گا اس کا بدن کسی ستار کی مانند تنا ہوا تھا جو مضراب کے لئے بے قرار ہو۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس قدر سحر انگیز بدن میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بدن پر ایک سینٹی میٹر بھی فالتو گوشت کی تہہ نہیں تھی۔ وہ مائیکل اینجلو کے کسی خوبصورت تراشے ہوئے مجسمے کی مانند حسین تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں وینس کے زندہ مجسمے کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا اس کے لبوں پر ایک طلسمی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

اس نے اپنے دونوں بازو وا کئے اور میں اس کے حسن کے حضور خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح مجھ پر حملہ آور ہوئی اور اس سے پہلے کہ اس کی اس حرکت یا ادا کو سمجھنے کی کوشش کرتا وہ مجھے اپنے وزن تلے دبائے قالین پر لوٹ رہی تھی اس نے اپنے تیز اور لمبے ناخنوں سے میرا چہرہ لہولہان کر دیا۔ میرا لباس تار تار کر دیا۔ میں حیران تھا کہ آخر کیا ہو گیا تھا۔ وہ کسی جنگلی اور وحشی مادہ چیتے کی طرح بار بار مجھے زمین پر گرا کر مجھ پر حملے کر رہی تھی اور ہر بار میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حملوں میں شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے مجھے کسی بپھری ہوئی شیرنی کی مانند جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ میرے شانوں' رانوں ہاتھوں اور سینے کے علاوہ اس نے میری گردن پر جگہ جگہ کاٹ لیا۔ پھر اس نے میرے ہونٹ اپنے دانتوں میں دبا لئے اور انہیں کاٹ ڈالا۔ درد اور تکلیف کی شدت سے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ خون کا تلخ اور نمکین ذائقہ مجھے اپنی زبان پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کسی درندے کی مانند مجھ سے کھیل رہی تھی۔ لذت وصال کا ہر تصور یہاں بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ میرے بدن سے بہنے اور برسنے والے خون کو بڑی رغبت سے کسی خون آشام چڑیل یا ڈائن کی طرح چاٹ رہی تھی۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میں اب زندہ یہاں سے نہیں نکل سکوں گا۔ میں نے غنودگی کے عالم میں دیکھا۔ اب میز کی دراز سے ایک بڑا سا پھل دار چاقو لے کر میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ہولناک شیطانی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ میں نے تیزی سے کروٹ لی اور اچھل کر ایک فلائنگ کک اس کے سینے پر ماری وہ تیورا کر دور جا گری۔ میں نے چاقو اٹھایا اور دستے تک اس کے دل کے مقام پر پیوست کر

دیا۔ پھر میں پھرتی سے باہر نکلا اور دروازہ بند کرتا ہوا تیزی سے راہداری سے بھاگتا ہوا اس محل نما عمارت سے باہر آگیا۔

اب میں ایک قاتل تھا۔ ایک خونی درندہ جس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی اور جو ہمہ وقت اپنی جان بچانے کے لئے ادھر سے ادھر پناہ کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے وہاں سے آتے ہی انگرڈ کی لاش دستیاب ہو چکی ہو گی اور اب پورے میڈرڈ کی پولیس میری تلاش میں سرگرداں ہو گی۔ میں لوہے کے پائپ کے ذریعے کسی بلی کی مانند اپنے ہوٹل کے سویٹ میں داخل ہوا اور اپنے سامان کا بیگ کمر سے باندھ کر پھر اسی راستے سے نیچے اتر کر میڈرڈ کے ایک قہوہ خانے میں پناہ لی۔

اب مجھے میڈرڈ سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرنا تھی اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں نے اپنی گھنی اور خوبصورت داڑھی منڈوا دی۔ اپنا امریکن پاسپورٹ پھاڑ کر ایک گٹر میں پھینک دیا اور اب میں ایک ہسپانوی گڈریئے کا روپ اختیار کر چکا تھا اگلی صبح میں نے ایک قریبی قصبے میں بک سٹال پر میڈرڈ ٹائمز میں پہلے صفحے پر انگرڈ کی تصویر دیکھی۔ یہ وہ منظر تھا جسے دیکھنے کی تاب مجھ میں نہیں تھی اور میں اسے دیکھے بغیر ہی اس کے محل سے فرار ہو گیا تھا۔

وہ قیمتی قالین پر بالکل چاروں شانے چت گری ہوئی تھی اس کی آنکھیں ہولناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ پھل دار چاقو دستے تک اس کے سینے کے ابھاروں کے عین درمیان دل کے مقام پر دھنس گیا تھا اور اس کے قریب قالین پر خون کا ایک بڑا سا دھبہ صاف نظر آرہا تھا۔ دوسری تصویر میں اس کی لاش چادر سے ڈھکی ہوئی تھی اور رپورٹ میں درج تھا کہ ہسپانوی پولیس ایک امریکی باشندے کی تلاش میں ہے جو ایلن میکائے کے نام سے میڈرڈ کے شرٹن ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا اور حادثے یعنی اس قتل کی واردات کے بعد سے مفرور ہے خبر میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی تھی کہ آخری بار انگرڈ کو کچھ لوگوں نے اسی امریکی باشندے کے ساتھ دیکھا تھا اور وہ دونوں قتل کی رات کو بھی اکٹھے دیکھے گئے تھے خیر میں اس چرواہے کی مدد سے میڈرڈ سے فرار ہوا اور پیرس چلا آیا۔ پیرس میں میں خود کو میڈرڈ کے مقابلے میں بہت زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔

پیرس میں میری ملاقات مائیکل سے ہوئی۔ مائیکل ایک بہترین آرٹسٹ تھا اور وہ میرا ایک بہت اچھا دوست ثابت ہوا۔ اس نے اپنے ایک قریبی دوست سے مل کر میرا جعلی پاسپورٹ بنوا دیا اور میں راتوں رات فرانس کی سرحدوں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ فرانس کی سرحدوں کے قریب ایک ہیلی کاپٹر سروس سے میں نے اٹلی کا رخ کیا اور

پھر روم میں اپنے دوست انطونی سے کچھ رقم حاصل کی اور واپس نیو یارک جانے کی بجائے الاسکا کا فضائی سفر اختیار کیا۔ اب میں ایک فرانسیسی پاسپورٹ پر سفر کر رہا تھا۔ میری امریکی شہریت ختم ہو چکی تھی اور میں یہ بھول جانے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کبھی میں بھی نیویارک کا ایک مہذب باشندہ تھا۔

اور اس طرح میں فرانس سے فرار ہو کر الاسکا چلا آیا۔

قیمتی اور پرانی شرابیں اور خوبصورت اور نوجوان عورتیں یعنی شراب اور شباب ہمیشہ سے میری کمزوری رہی ہیں الاسکا میں مجھے یہ دونوں چیزیں میری مرضی کے عین مطابق دستیاب ہو رہی تھیں اور میں بڑے سکون سے اپنا وقت گزار رہا تھا یہاں میں کینیڈا اور امریکہ کی حکومتوں کی سیاسی پناہ میں تھا اور مجھے کسی قسم کا خوف دامن گیر نہیں تھا۔ ہاں اب بھی یہ ضرور تھا کہ انٹرپول (بین الاقوامی پولیس) اور سکاٹ لینڈ یارڈ کے جاسوس شکاری کتوں کی طرح دنیا بھر کے ملکوں میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے اور انہیں ابھی تک اس بات کا یقین تھا کہ جلد یا بدیر وہ بہرحال مجھے تلاش کر ہی لیں گے۔ میں نے اپنا حلیہ اب مکمل طور پر تبدیل کر لیا تھا اور اب میں ایک فرانسیسی باشندے کے روپ میں تھا جو اپنی گھنی داڑھی اور شکار کھیلنے کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اس علاقے میں بہت مقبول ہو گیا تھا۔

الاسکا میں میں نے ایک بہت بڑی کمپنی میں جو برف صاف کرنے کا کام کرتی تھی بلڈوزر اور ہیوی مشینری چلانے کے لئے ملازمت کر لی اور اس جگہ مجھے ایک ہزار ڈالر ہفتے کی آمدنی ہونے لگی۔ میں نے یہاں ایک چھوٹا سا کاٹج خرید لیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں کے لوگوں میں اپنے بہترین نشانے اور زبردست طاقت کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ میں شکار کا بے حد شوقین ہو گیا تھا اور جب بھی مجھے موقعہ ملتا تھا میں اپنے شوق کی تکمیل کے لئے شکار کھیلنے نکل کھڑا ہوتا۔

مجھے الاسکا کے پلے ہوئے موٹے اور تندرست بھیڑیوں کو ہلاک کر کے بے حد خوشی حاصل ہوتی تھی۔ انہیں دیکھ کر مجھے خواہ مخواہ انگرڈ کی یاد بری طرح ستانے لگی تھی۔ آہ وہ بھی کیا رات تھی جب اس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا اور اس قدر تھکا دیا تھا کہ آخر میں اسے ہلاک کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بظاہر تو میں اس کے جذبات کے آتش فشاں کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ اگر میں اسے اپنی مدافعت میں ہلاک نہ کرتا تو آج شاید میں آپ کو اپنی زندگی کے واقعات سنانے کے لئے کبھی زندہ نہ ہوتا۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب اس کا تذکرہ عبث ہے اب میں نوم کے علاقے میں اپنے چھوٹے سے کاٹج میں رہتا تھا اور کچھ عرصہ بھاری مشینوں والی کمپنی میں کام کرنے کے بعد میں نے

بہت سے شکاری کتوں اور برفانی گاڑیوں کو کھینچنے والے کتوں کا ایک فارم کھول لیا تھا۔
اب میں زیادہ وقت شکار کھیلنے اور ٹین کے ذخائر تلاش کرنے میں صرف کرتا تھا اور الاسکا
میں مجھے اپنی برق رفتاری اور زبردست ذہانت کی وجہ سے کرسمس" کی بجائے اب وہاں
کے لوگ "ٹائیگر" کے نام سے پکارنے لگے تھے۔

لیکن آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مجھ جیسے شخص نے جب بھی شراب کے جام میں
عورت کے شباب کو حل کرکے پینے کی کوشش کی تو مجھے مصیبت اور پریشانی کے علاوہ کچھ
اور کبھی ہاتھ نہیں آیا۔ لیکن اب جیسے خطروں سے کھیلنے کا عادی ہوگیا تھا اور ہر مشکل کام
کرنے میں مجھے بے حد لطف آتا تھا۔ واقعی زندگی رسک کے بغیر کس قدر بے رس اور
بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایک شام میں اپنے فارم کے پاس کاٹج کے برآمدے میں بیٹھا
تازہ امپورٹ کی گئی وہسکی کی چسکیاں لے رہا تھا کہ میرے قریب بیٹھے ہوئے روسی نسل
کے ایشین ٹونی نے آہستہ سے غرا کر مجھے فارم کے باہر کسی کی موجودگی کا احساس دلایا۔
میں نے آہستہ سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور اپنے ڈھائی سو پونڈ وزنی وجود کو سنبھالتے
ہوئے فارم کے صدر دروازے تک گیا۔ میں نے دیکھا دروازے کے قریب ایک بے حد
خوبصورت اور صحت مند عورت کھڑی تھی اس کی عمر تقریباً بائیس سال تھی اور وہ شکل و
صورت سے کسی بہت کھاتے پیتے گھرانے کی فرد معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے کانوں میں
ہیروں کے قیمتی آویزے تھے اور اس کی کلائی پر ایک بیش قیمت گھڑی بھی بندھی ہوئی
تھی۔ اس کا لباس گہرا نیلا' نفاست سے سلا ہوا اور بے داغ تھا اس کی جلد ریشم کی طرح
ملائم اور ہونٹ گلاب کے گہرے سرخ خون کے رنگ کی طرح لال تھے اس کے گلے میں
ایک بے حد بیش قیمت ہیروں کا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔ شام کی دھندلی روشنی میں اس کا چہرہ
کسی آگ کی طرح روشن تھا۔

یہ عورت واقعی شاداب اور رسیلے بدن کی مالکہ تھی اور ایک ہی نظر میں میں
نے تاڑ لیا تھا کہ وہ بڑی مردمار اور دھڑلے دار عورت تھی اس کا نام جین تھا۔ جین
کمنگز۔ اس کے شوہر کا نام تھا جو گزشتہ ایک ہفتے سے لاپتہ تھا اس کے بال گہرے
سیاہ تھے اور اس کی نیلی آنکھیں مجھے۔ جی ہاں انگرڈ کی یاد دلا رہی تھیں۔ میں نے اس
کے دلکش اور حسین خدوخال کو اور اس کے پرکشش بدن کے جنوں خیز نشیب و فراز کو
ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کیا تو وہ کچھ جھینپ سی گئی اور اپنے گاؤن کے اوپری حصے کا بٹن
بند کرکے کوٹ کے کالر رخساروں تک اوپر کرتے ہوئے بولی۔ "کیا تم ہی ٹائیگر ہو۔؟"
میں نے ایک قہقہہ لگایا اور جواب دیا "مجھے کرسمس بھی کہتے ہیں لیکن تمہاری زبان سے
بھی ٹائیگر کا لفظ سن کر مجھے بہت اچھا لگا ہے کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟" میں نے

ہمدردی سے پوچھا۔ جانے کیوں نوجوان اور نوخیز دوشیزاؤں کو دیکھتے ہی میرے دل میں
محبت کے جذبات اور ہمدردی ابھر آتی ہے۔ شاید میں بہت نرم یا کمزور دل واقع ہوا
ہوں! وہ کسی گڑیا کی طرح حسین اور طرحدار تھی۔

اس کے بدن سے پھوٹتی ہوئی مشک نافہ کی خوشبو مجھے بے قرار کئے دے رہی
تھی۔ وہ مسکرائی اور اس کے دونوں رخساروں میں گڑھے سے پڑ گئے۔ وہ ایک
خوبصورت ڈمپل گرل تھی۔ میں نے اپنی حفاظت اور مدافعت کے خیال سے وہسکی کا جام
اٹھا کر غٹاغٹ چڑھا لیا۔ اس کی خوبصورت آواز جیسے مجھے دور بہت دور سے آتی ہوئی
سنائی دی۔ "مسٹر ٹائیگر۔ اور مسٹر کرسمس یہاں کے لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ مجھے
اوپر ان پہاڑوں کے پیچھے گلیشیئروں کی وادی میں لے جاسکتے ہیں۔" وہ تم سے آپ پر
آگئی تھی اب اس کے لہجے میں روانی یا بے تکلفی نہیں تھی بلکہ خالص کاروباری پن
جھلک رہا تھا۔

میں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ جو بھی کہتے ہیں جھوٹ کہتے ہیں۔
آپ اچھی طرح دیکھ رہی ہیں کہ درجہ حرارت رات ہونے سے پہلے ہی نقطہ انجماد سے
کئی درجے نیچے گر جاتا ہے۔ ابھی آپ نے برف کے وہ ہولناک طوفان دیکھے ہی نہیں
ہوں گے جب انسانی خون رگوں میں منجمد ہو جایا کرتا ہے اور ہونٹ' ہاتھ پاؤں سردی کی
یخ بستہ شدت سے کٹنے لگتے ہیں اور چہرے پر آنکھوں کے سوا کسی اور شے کے وجود کے
احساس تک کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہوں۔ آپ نے غلط دروازے پر دستک دی ہے۔
مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اس معاملے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

میں نے یہ بات بہت جرات پیدا کرکے کہی تھی اور آپ سے جھوٹ کیا بولوں
اس دوران میں اس کی طرف دیکھنے کی ہمت ہی اپنے اندر پیدا نہیں کر سکا تھا۔ اس نے
میری بات کو قطعی طور پر نظرانداز کر دیا تھا اور سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ "میری
طرف دیکھو۔ ذرا خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ میں اپنے شوہر کو ہر قیمت پر تلاش کرنے
کی خواہش مند ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم یقیناً میری مدد کرسکتے ہو اور میرا دل کہتا ہے
کہ تم انکار کر ہی نہیں سکتے۔ میں جانتی ہوں تمہیں اس مہم میں بہت سے خطرات پیش
آسکتے ہیں لیکن میں خود تمہارے ساتھ چلوں گی اور تمہیں اس کا باقاعدہ طور پر معاوضہ
بھی ادا کروں گی۔" اس نے کڑکڑاتے ہوئے بالکل نئے ڈالروں کے دس پیکٹ اپنے
بیگ سے نکال کر میرے سامنے رکھی ہوئی تپائی پر ڈال دیئے۔ "ایک لاکھ ڈالر۔" میرا
خیال ہے یہ بہت کافی ہیں لیکن اگر تم اس مہم میں کامیاب رہے تو میں تمہیں ایک لاکھ
ڈالر مزید دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے اس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا اور وعدہ کی پختگی

کے اظہار کے لئے اپنا نرم و ملائم ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں اس وقت تک اس کی ریشمی رانوں اور گوشت سے بھرپور کولہوں کے متعلق سوچ رہا تھا جو بے حد ہیجان انگیز اور پرکشش تھے۔

میں نے ہڑبڑا کر اس کا ہاتھ اپنے کھردرے اور مضبوط ہاتھ میں لے کر دبایا۔ میرے بدن کی رگوں میں خون گردش کرنے لگا اور میری کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ مجھے معلوم تھا کہ جس کام یا جس مہم کے لئے وہ ذہنی طور پر مجھے آمادہ کر رہی تھی اس کے مقابلے میں یہ رقم بہت زیادہ تھی بلکہ کہیں زیادہ تھی لیکن میرے دل میں سوئے ہوئے لالچی اور ہوس کے غلام "ٹائیگر نے پھر انگڑائی لی اور مجھے اس مہم کے لئے تیار کر لیا۔ میں نے حامی بھرلی اور اس سے کہا کہ کل صبح وہ میرے پاس آجائے۔

میں نے اس شام علاقے کے بہت سے مضبوط اور فولادی بدن والے مزدوروں سے اس مہم پر جانے کے لئے پوچھ گچھ کی۔ لیکن سوائے کلائین کے کوئی شخص بھی کسی طرح میرے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے خراب موسم میں اس مہم پر جانا گویا جان بوجھ کر موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور وہ کسی قیمت پر کوئی رسک لینے گویا کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھے۔ میں نے انہیں بزدل' ڈرپوک' چوہا اور نجانے کیا کیا کہا لیکن وہ تھے کہ اس سفر کے متعلق سن کر ہی کانوں کو ہاتھ لگانے لگے اور آپ کو یہ سن کر زیادہ حیرت نہیں ہوگی کہ کلائین جو اس علاقے کا بہت چھٹا ہوا بدمعاش تھا محض پندرہ ہزار ڈالر کے عوض اس مہم پر ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اور اس کی وجہ میں نہیں خوبرو اور خوش بدن جین تھی۔

اب میں نے جلدی جلدی تین بڑی برف گاڑیوں کا انتظام کیا اور دو کتے فالتو بھی ہمراہ لے لئے۔ ان تین گاڑیوں کو کھینچنے کے لئے میں نے چھ بے حد طاقتور اور مضبوط کتوں کا انتخاب کیا۔ الاسکا کے اس علاقے میں ان کتوں سے زیادہ توانا جانور اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ ایک برف گاڑی (سلیج) میں میں نے چھ ہفتوں کے لئے کھانے پینے کا سامان رکھ لیا اور یہ انتظام اس لئے کیا تھا کیونکہ جس جگہ سے ہم نے سفر شروع کرنا تھا وہاں سے شیلٹن تقریباً چھ سو میل دور تھا اور اس جگہ تک جانے کے لئے چھ ہفتوں سے کم وقت کا درکار نہیں تھا پھر راستے میں جگہ جگہ رک کر جین کے شوہر کی تلاش بھی لازمی تھی جو اس مہم کی بنیادی شرط اور وجہ تھی۔

اگلی صبح ہماری تینوں برف گاڑیاں بالکل تیار تھیں۔ ایک گاڑی میں میں خود سوار ہوا دوسری میں کلائین موجود تھا اور کھانے پینے کا سامان بھی تھا جبکہ تیسری گاڑی میں نے جین کے لئے مخصوص کر دی تھی۔ برفانی طوفان سے مقابلہ کرنا کوئی آسان کام

نہیں ہوتا۔ میں جانتا تھا کہ جین کے لئے یہ سفر جان جوکھم ہوگا۔ اس لئے اس کو بتائے بغیر میں نے اپنی برف گاڑی میں ایک زبردست قسم کا گرم کمبل بھی رکھ لیا تھا۔

جین کی آنکھوں میں میرے لئے جو پیغام تھا وہ کلائین نہیں پڑھ سکا تھا ویسے بھی اس مہم میں میں نے اس بات کا پہلے سے ہی انتظام کر رکھا تھا کہ اس قافلے کی پہلی برف گاڑی جو سب سے آگے تھی وہ کلائین کی تھی۔ میں نے اس شام یعنی سفر شروع کرنے سے ایک دن پہلے رقم اپنے ایک بے حد قریبی دوست میگوائر کے یہاں رکوا دی تھی اور چونکہ برف گاڑیوں کا انتظام میگوائر نے ہی کیا تھا اس لئے میں نے جین سے کہہ کر اسے تیس ہزار ڈالر علیحدہ دلوا دیئے تھے۔

مجھے معلوم تھا کہ کلائین اس قسم کی مہمات کے سلسلے میں بے حد مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک تجربہ کار مہم جو تھا اور اس سے پہلے بھی اس قسم کے کاموں میں بڑی مہارت اور کامیابی سے اپنا کردار ادا کر چکا تھا۔ میں نے اپنے کتوں کو کبھی نہیں مارا تھا لیکن اس برفانی موسم میں مجھے یہ احساس بڑا اذیت ناک لگا کہ سفر کے آغاز ہی میں مجھے والرس مچھلی کا فٹ لمبا چابک استعمال کرنا پڑا لیکن اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے یہ بے زبان دوست جلد ہی میری آہٹ اور میری حرکات و سکنات کا اندازہ لگانے کے عادی ہو گئے تھے اور پھر جب بھی چابک ہوا میں گھماتا وہ اس کی سرسراہٹ سن کر ہی تیزی سے آگے بڑھنے لگتے تھے برف آہستہ آہستہ گر رہی تھی اور ہمارا یہ تین آدمیوں پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا۔

سفر کا پہلا دن خاصا خوشگوار گزرا لیکن شام کے وقت ایک حادثہ پیش آیا۔ جین کی برف گاڑی ایک ٹھوس برف کی چٹان سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ جین بچ گئی تھی۔ اسے معمولی خراشیں آئی تھیں لیکن برف گاڑی بری طرح تباہ ہو چکی تھی اب میں نے دونوں باقی برف گاڑیوں میں چار چار کتے جوت دیئے اور جین کو اپنی برف گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ رات ہوتے ہی برف کے طوفان کا زور بڑھنے لگا تھا اور میں نے کلائین سے کہا کہ ہمیں کیمپ لگانا چاہئے۔

ہم نے ایک برفانی چٹان کے قریب پڑاؤ ڈالا اور اپنے اپنے بستر وہاں لگا دیئے۔

جین نے سارے راستے میرا دماغ چاٹ لیا تھا اور جس وقت سے وہ میری برف گاڑی میں آئی تھی اس نے اپنا دکھڑا سناتے سناتے میرے کان کھا لئے تھے بدقسمتی سے میں نے اس سے یہ پوچھ لیا تھا کہ اس کا شوہر کمنگز کیا کرتا تھا بس پھر کیا تھا وہ تو کسی کیسٹ کے ٹیپ کی طرح شروع ہو گئی اور جانے کہاں کہاں کے قصے کہانیاں سنانے لگی۔ ہاں میں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ جب وہ بات کرتی تھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے دلکش لبوں

سے پھول جھڑ رہے ہوں اور اسی لئے میں چاہتا تھا کہ وہ باتیں کرتی ہی رہے اور میں سنتا رہوں۔

میں جانتا تھا کہ کلائن خوب جل بھن رہا تھا اور میں خود بھی اس کو جلانے کے لئے خوب قہقہے لگا رہا تھا اور میری فلک شگاف قہقہوں کی گونج میں جین کے دلکش اور نقرئی قہقہوں کی جھنکار میں شامل ہو رہی تھی اور یہ جلتی پر تیل کا کام کر رہے تھے۔ کلائین ہم دونوں سے الگ تھلگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے کھانا بنانے میں مصروف تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں کلائن جیسے بدخصلت انسان پر کسی قسم کا بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے میں اس کی کڑی نگرانی کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی حرکات و سکنات پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ ہم انسانی تہذیب و تمدن سے اس وقت پچاس میل دور آ گئے تھے اور خلاف توقع کتوں نے ہمارا بے حد ساتھ دیا تھا جس وقت کھانا رکھا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور جلدی جلدی کھانے لگے۔ کھانے کی طرف سے اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد کہ کلائین نے کھانے میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کی تھی۔ میں نے اپنے کھانا اور جین کا کھانا ایک چھوٹی سی ٹرے میں لگایا اور اس کے پاس لے آیا جین کھانا کھاتے ہوئے بار بار محبت پاش نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی ایک شاندار پرکشش اور پرشباب عورت تھی۔

جین نے مجھے بتایا کہ اس کا تعلق ریاست مشی گن سے تھا اور اس کی شادی الیونائے کے ایک ماہر ارضیات سے ہوئی تھی وہ شکاگو یونیورسٹی میں ارضیات کا پروفیسر تھا لیکن بعد میں جب جین اور اس کی شادی ہو گئی تو وہ جین کے ساتھ مشی گن چلا آیا تھا اور اس نے یہاں کی یونیورسٹی میں ملازمت کر لی تھی جین اس وقت اٹھارہ برس کی ایک نوخیز کلی تھی جب اس 42 سال ادھیڑ عمر پروفیسر کے عشق میں مبتلا ہو کر وہ محبت کی شادی کرنے کی حماقت کر بیٹھی تھی اور اس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا پروفیسر کنگز کو اپنی اراضیات کی ضخیم کتابوں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی اور جین کسی پاگل ہرنی کی طرح پریشان پریشان اور بوکھلائی ہوئی پھرا کرتی تھی۔

کچھ عرصہ بعد پروفیسر نے امریکی بحریہ میں ملازمت کر لی اور جین کو لے کر الاسکا چلا آیا تھا اسے معلوم تھا کہ اس کی بیوی بڑی دل پھینک اور فلرٹ واقع ہوئی تھی اور پھر ازدواجی زندگی کے گزشتہ چار برس کچھ ایسے خوشگوار بھی نہیں تھے جو جین یا کمنگز کی زندگی میں خوشیوں کے پھول کھلاتے یا دھنک کے رنگ بکھیرتے۔ جلد ہی جین اور اس کا شوہر ایک دوسرے کی رفاقت سے بیزار ہو چکے تھے۔ جین کسی طور پر مطمئن نہیں تھی اور پروفیسر کا خیال تھا کہ وہ اس منہ زور گھوڑی کو زیادہ دیر تک لگام ڈال کر نہیں رکھ

سکتا تھا جین کے نخرے بھی بہت تھے اور وہ اس قدر خوش شکل تھی کہ ایک عام آدمی کے لئے اس کی نازبرداریاں کسی طور بھی ممکن نہیں تھیں اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ خوبصورتی بہت بری چیز ہوتی ہے اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھیں۔ جین کا باپ خود ایک ارب پتی تھا اور پھر پروفیسر نے بھی زندگی کی ایک ربع صدی دولت کمانے میں گزار دیئے تھے اور اس وقت اس کے پاس کم و بیش پانچ کروڑ ڈالر تھے جو ایک خطیر رقم تھی۔

اس نے یہ رقم جین کے نام سے جمع کرا دی تھی اور یہ رقم اس رقم کے علاوہ تھی جو پروفیسر کی موت کی صورت میں جین کو ملنے والی تھی گویا کمنگز کی موت اس قدر قیمتی تھی کہ اس کے مرتے ہی جین کو یک مشت دس کروڑ ڈالر مل جاتے۔ جین کے نازنخروں کا یہ عالم تھا کہ اس کو محض انڈا ابالنے کے لئے چھ ملازموں کی ضرورت تھی اور مزید تین آدمی یہ ابلا ہوا انڈا پیش کرنے کے لئے درکار تھے اس کا ننھا سا دل جس بات کی بھی خواہش کرتا پروفیسر اس کے لبوں سے بات نکلتے ہی اسے پورا کرنے کی کاوش شروع کر دیتا لیکن آپ تو اچھی طرح جانتے ہی ہیں نا کہ جناب۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوا کرتی ہے۔

اور اسی لئے جین کو تو اب دولت کے نام سے ہی نفرت ہو گئی تھی۔

جب چینی کے مگ میں کھولتی ہوئی مکافی اور تلے ہوئے پارچے میں نے اسے دیئے تو اس نے بڑی چاہت سے مزے لے لے کر کھانا شروع کر دیا وہ بہت زور زور سے ہنس رہی تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ ریچھ نما کلائین کا دل جلانے کے لئے ایسا کر رہی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ بڑھ چڑھ کر بات چیت کر رہا تھا پروفیسر کمنگز بڑا خبطی تھا۔ وہ گزشتہ دنوں کسی کام سے اراضیات کے سروے کے سلسلے میں ایک برف گاڑی اور دو کتے لے کر شیلٹن کی طرف گیا تھا اور پھر اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا کہ وہ برف سے ڈھکے ہوئے اس علاقے میں کہاں غائب ہو گیا تھا!

جین اس وقت اپنے شوہر کے لئے خاصی فکر مند تھی۔ وہ رات ہم لوگوں نے جاگ کر گزاری اور ہم آگ جلا کر دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے لیکن اس دوران کلائین برفانی ریچھ کی طرح خراٹے لیتا رہا۔ دوسری شب ہم دن بھر سفر کر کے نڈھال ہو چکے تھے اور تقریباً نوے میل سفر کر چکے تھے۔ جب ہم نے کیمپ لگایا تو کھانے سے فارغ ہو کر میں سونے کی تیاری کرنے لگا۔ جین نے کہا میرا موڈ ابھی سونے کا نہیں ہے تم سو جاؤ۔ میں کچھ دیر یہاں آگ کے پاس بیٹھ کر اس برفانی موسم سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہوں۔ ہم کافی پی چکے تھے اور کلائین سو گیا تھا۔ جین کے منہ سے بھاپ نکل رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ”جین میرا خیال ہے کہ اب تمہیں سو جانا چاہئے کیونکہ کل صبح ہم نے بہت

جلدی یہاں سے نکلنا ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں جلد از جلد اس مہم کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے نا؟" میں چاہتا تھا کہ وہ آرام کر کے تازہ دم ہو جائے۔

وہ پھٹ پڑی۔ "خدا کے واسطے کرسمس، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ اگر تمہیں نیند آ رہی ہو تو میں بھی سو جاؤں مجھے اکیلا چھوڑ دو' میں اس کی بات سن کر اپنے بستر میں جا گھسا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے کمبل سے جھانک کر دیکھا۔ وہ آگ کے قریب بیٹھی تھی اس کے بالوں کی ایک لٹ اس کے رخساروں پر جھول رہی تھی۔ فضا کی خاموشی میں برف گرنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی اور کلائین کے خراٹوں سے ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔

مجھے یوں لگا جیسے میرے سامنے انگرڈ بیٹھی تھی۔ میں نے اپنے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ آگ کے شعلوں کا عکس جین کے رخساروں پر پڑ رہا تھا اور وہ کسی حسین سرخ گلاب کی مانند دکھائی دے رہی تھی ایسے میں مجھے آگ میں پھول والی تشبیہ یاد آ گئی۔ جین نے اچانک مڑ کر میری طرف دیکھا پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کر لیں۔ نیند کا غلبہ آہستہ آہستہ حاوی ہوتا جا رہا تھا اور میری آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے قریب آ کر کوئی بیٹھ گیا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں جین مجھ سے لگ کر بیٹھی ہوئی تھی اس نے میری داڑھی میں انگلیاں پھیریں جو گزشتہ کئی ہفتوں سے بہت گھنی ہو گئی تھی اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں حیران ہوں کہ یہ تمہیں کیا ہو جاتا ہے رات آتے ہی تم مرد لوگ آخر کیوں خرگوش کی طرح آنکھیں بند کئے خر خر کرنے لگتے ہو۔ میں تو بور ہو کر رہ گئی ہوں۔" میں نے چنگھاڑتے ہوئے کہا۔ "میں خرگوش نہیں' آدمی ہوں بلکہ مرد ہوں' سمجھتی کیا ہو تم اپنے آپ کو؟"

میں نے اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے ساتھ لٹا لیا۔ وہ میرے پہلو میں گر کر کسمسانے لگی۔ میں نے کہا تم جانتی ہو ایک بار کیا ہوا۔ ایک مرتبہ میری ہی طرح ایک گائیڈ تم جیسی ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ ایک جنگل میں سفر کر رہا تھا اچانک اس لڑکی کے کچھ اور چاہنے والے ادھر آ نکلے پھر جانتی ہو کیا ہوا۔ ایک گولی آئی اور گائیڈ کی کھوپڑی میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی اور یوں اس حسین سفر کا اس قدر المناک انجام ہوا۔ وہ ہنس دی۔ "اور تم۔ تم اس قدر بزدل ہو کہ۔" میں نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی اور اس کے یاقوتی ہونٹوں کو اپنے لبوں سے سی دیا۔ میں نے جلدی سے برف گاڑی سے اپنا قیمتی کمبل نکالا اور اپنے اوپر بلکہ ہم دونوں کے اوپر ڈال لیا۔ وہ کچھ سردی

سی محسوس کر رہی تھی اس نے مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا اس کا بدن لذتوں اور حلاوتوں سے بھرپور تھا اور ہم دونوں اس وقت اسکیمو باشندوں کی طرح بڑے روایتی انداز میں ایک جان دو قالب ہو کر سو رہے تھے۔

لیکن اگلی صبح مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ رات کو بدخصلت اور بدطینت کلائین سویا نہیں تھا وہ حرام زادہ جاگ رہا تھا۔ وہ بار بار میری طرف دیکھ کر زیر لب مسکرا رہا تھا۔ ہم نے صبح جلدی جلدی ناشتہ کیا۔ میں اگر چاہتا تو چابک سے اس کی کھال ادھیڑ سکتا تھا اس کی ٹانگیں توڑ سکتا تھا اس کی کھوپڑی میں اپنی رائفل سے کئی سوراخ کر سکتا تھا۔ میں یوں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی طنزیہ مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔ اور اس کے چہرے کا احاطہ کرتی چلی جا رہی تھی لیکن میں ایسے معاملات میں بڑے ٹھنڈے دماغ اور مستقل مزاجی سے کام لینے کا عادی ہوں اور اس لئے میں نے یہ سوچ کر کہ ابھی ہمیں کلائین کی ضرورت تھی اس کی اس طنزیہ مسکراہٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا اس پر قطعی توجہ نہیں دی اور یوں بن گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ جین بار بار مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میں اس قدر خاموش اور اکھڑا اکھڑا کیوں تھا لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ میں اسے بھلا کیا جواب دیتا کہ اصل بات کیا تھی۔ یہ معاملہ صرف میرے اور کلائین کے درمیان تھا۔ میں اسے تکون نہیں بنانا چاہتا تھا۔

"کرسمس۔ کیا بات ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔ ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے بتانا نہیں چاہتے۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔ یہ ہمارے سفر کا تیسرا دن تھا اور جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے برف کا طوفان بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے جین کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا دوپہر کے وقت ہم ایک ایسی جگہ جا پہنچے جس کے متعلق میں پہلے ہی سب جانتا تھا۔ برف میں ایک ٹوٹی ہوئی برف گاڑی دھنسی ہوئی تھی۔ ہمارے کتے تیزی سے دوڑ رہے تھے ہم اس ٹوٹی ہوئی برف گاڑی کے قریب جا کر رک گئے۔ برف میں جمے ہوئے خون کا دھبہ جمع ہوا واضح نظر آ رہا تھا اور کتوں کی کھال کے نیچے پھیلے ہوئے ٹکڑے بھی ادھر ادھر بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کسی آدمی کی ٹوٹی چبائی ہوئی کھوپڑی برف میں دھنسی ہوئی تھی اور جگہ جگہ پھٹے ہوئے لباس کے چیتھڑے بکھرے تھے۔ خونخوار برفانی بھیڑیوں نے لاش کا کوئی نام و نشان تک باقی نہیں چھوڑا تھا جین سہم کر میرے سینے سے لگ گئی۔ وہ دیکھ چکی تھی۔ پروفیسر کمنگز اس کا شوہر اب اس دنیا سے دور بہت دور کبھی واپس نہ آنے کے لئے جا چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں یا جین کچھ کہتے کلائین نے جس کا چہرہ اس وقت موت کے خوف سے سیاہ ہو گیا تھا چیخ کر چابک ہوا میں لہرایا اور اس کی گاڑی کو کتے کھینچتے ہوئے

تیزی سے واپس لے چلے اب ہم یہاں ایک لمحہ بھی نہیں رک سکتے تھے۔ جین کی آنکھیں فرط خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اور اس کا بدن بید مجنوں کی طرح لرزاں تھا اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ کتوں کی غراہٹ اور برف پر پنجے گھسٹنے کی آوازیں بتدریج بڑھ رہی تھیں اور کلائن کی آنکھوں میں جھلکتے ہوئے خوف کو دیکھ کر میرے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ہم خونخوار وحشی بھیڑیوں کے نرغے میں تھے اور موت ہماری منتظر تھی۔ سرد اور خوفناک موت۔

جین نے ایک سسکی لی اور میرے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن جیسے اس کی زبان پر تالے پڑ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لرز رہے تھے۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ پھر اس کی آواز مجھے کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ "کیا۔ کیا کمنگز......؟" میں نے آہستہ سے سرہلاتے ہوئے سرگوشی کی۔ "ہاں وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بھیڑیوں نے اسے ہلاک کر ڈالا اور اس کے بدن کی ایک ایک ہڈی چبا گئے ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنا چابک لہرایا۔ کتے برق رفتاری سے مڑے اور جلدی جلدی فاصلہ طے کرنے لگے۔ کلائین برف گاڑی تیزی سے بھگائے لئے جا رہا تھا اسے ہماری کوئی پرواہ نہیں تھی لیکن ہم اس کی پرواہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ ہمارا تمام راشن اس کی برف گاڑی میں لدا ہوا تھا اور ہم راشن کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

کتے ہانپ رہے تھے لیکن وہ پوری قوت سے بھاگ رہے تھے۔ برف گاڑی بار بار ہچکولے کھا رہی تھی اور اس وقت کلائن اور میں دونوں ہی واپسی کے لئے کوئی مختصر ترین راستہ تلاش کرنے میں مصروف تھے تاکہ شام ہونے سے پیشتر کسی محفوظ مقام پر پہنچ سکیں۔ اچانک مجھے کلائین کی خوفناک چیخ سنائی دی اس کی برف گاڑی ٹوٹتی ہوئی برف میں دھنس رہی تھی اور وہ مدد کے لئے چلا رہا تھا۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔ پھٹتی ہوئی برف میں شگاف پڑ رہا تھا اور برف گاڑی اس برف کے ہولناک گڑھے میں گرتی جا رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ کلائین کو اس میں ہی زندہ دفن کر دوں اسے مر جانے دوں لیکن پھر اس خیال کے آتے ہی کہ اگر بھیڑیوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو میں اکیلا کہاں تک ان عفریتوں کا مقابلہ کروں گا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور برف گاڑی سے باہر کھینچ لیا۔ وہ برف کی چکنی سطح پر دور تک پھسلتا چلا گیا۔ پھر میں کتوں کی طرف متوجہ ہوا وہ برف گاڑی کو باہر کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں نے جلدی جلدی اپنی برف گاڑی سے کتوں کو کھولا اور انہیں دوسری برف گاڑی والے کتوں کے ساتھ باندھ دیا اور چابک فضا میں لہرایا۔ کلائین بچ گیا تھا۔ ہمارے

کتوں نے بقایا چار کتوں کے ساتھ مل کر برف گاڑی کو باہر کھینچ لیا تھا لیکن اس افراتفری میں راشن کا ایک بڑا سا پیکٹ برف کے شگاف میں گرتا چلا گیا اور جلدی نظروں سے اوجھل ہو گیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر ہم لوگ کچھ راشن اور برف گاڑی بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے ورنہ شاید ہماری مصیبت میں اور اضافہ ہو جاتا۔

ہم نے اس بار پھر برق رفتاری سے اپنا واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ ہم کمنگز کا انجام دیکھ چکے تھے اور ہمیں جلد از جلد ان بھیانک درندوں کے مسکن سے دور چلے جانے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ کتے کافی دیر بعد تھک کر ہانپنے لگے تھے اور ہم تینوں بھی بری طرح نڈھال ہو چکے تھے۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب کتے برف پر دوڑنے کی بجائے گھسٹنے لگے تھے اور ہم ان بے زبان جانوروں پر مزید ظلم نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے دونوں برف گاڑیاں روک دیں۔ دھچکوں اور ہچکولوں کی وجہ سے جین کا برا حال ہو گیا تھا۔ وہ احتجاج کرتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے تم لوگ پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ آخر اس افراتفری کا کیا مطلب ہے پھر اس نے بڑے پر مطمئن لہجے میں کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ اب میرا خاوند مر چکا ہے اور اسے بھیڑیوں نے ہلاک کر دیا ہے لیکن وہاں تو کوئی بھیڑیا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا خیال ہے وہ ہمیں وہاں پا کر ڈر کر بھاگ گئے تھے پھر اس افراتفری کا کیا فائدہ؟" اس کے لہجے میں تجسس اور حیرت نمایاں تھی۔ میں نے خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔

"دیکھو بے بی! تم زیادہ عقلمند بننے کی کوشش مت کرو اور اپنی زبان بند رکھو۔ بہتر یہ ہو گا کہ تم صرف اپنی خوبصورت آنکھیں اور کان کھلے رکھو۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں جانتی ہو کہ وہاں واقعی اس وقت کوئی بھیڑیا موجود نہیں تھا ورنہ ہم اس وقت تک ان کے معدوں کی نذر ہو چکے ہوتے۔ وہ سب ایک غول کی شکل میں اکٹھے ہو کر حملہ آور ہوں گے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارے بدن کی بو پا کر ہمارے کتوں کے پاؤں کے نشانات کو سونگھتے ہوئے ہمارا تعاقب کر رہے ہوں گے اس لئے کہ مسٹر کمنگز کے بعد اب ہماری باری ہے۔" اس نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے گانا شروع کر دیا۔ "بھیڑیئے سے کون ڈرتا ہے جی۔" میں اس کی دلیری اور جرات پر حیران رہ گیا اور میں نے اسے اس رویے پر سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ "حیرت ہے تمہارا شوہر مر گیا ہے اسے بھیڑیوں نے چٹ کر لیا ہے اور تم گا رہی ہو۔"

اس نے جواب میں حیرانی سے میری طرف دیکھا اور بولی "اور تمہارا کیا مطلب ہے کہ میں رونا شروع کر دوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گی مجھے اس سے کوئی محبت وجت نہیں تھی۔ مجھے اس سے نفرت تھی میں سمجھتی ہوں کہ اس کا جو حشر بھی ہوا بہتر اور بے

حد مناسب ہے۔ جب میں نے گزشتہ دنوں اس سے کہا کہ میں طلاق لینا چاہتی ہوں تو اس کا ہونق اور بے رونق چہرہ دیکھنے کے لائق تھا۔ عجیب گھامڑ اور چغد شوہر تھا۔ میں نے ایسا بُوم آدمی نہیں دیکھا۔ کم بخت کو حسِ لطافت یا حسِ مزاح چھو کر نہیں گزری تھی۔ میں صرف یہ یقین کرنا چاہتی تھی کہ وہ واقعی مرچکا ہے اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے!"

میرا جی چاہا کہ اس بدبخت عورت کے منہ پر اس قدر زناٹے دار تھپڑ رسید کروں کہ وہ لڑھکتی ہوئی دور جاگرے۔ میں اس وقت کو کوسنے لگا جب اس منحوس کے کہنے پر میں دولت کے لالچ میں پھنس گیا تھا اور میں نے یہ جان لیوا سفر شروع کر دیا تھا۔ وہ میرے قریب آئی اور میری داڑھی سے کھیلتے ہوئے ہنستے ہوئے بولی۔ "چھوڑو بھی یہ تم نے کیا بکواس لگا رکھی ہے آؤ پروفیسر کمنگز کی موت کا جشن منائیں۔ آہ مجھے اس لمحے کا کس قدر بے چینی سے انتظار تھا۔ آؤ بھی۔" میں نے اسے اپنے جسم سے دھکیلتے ہوئے اور پھنکارتے ہوئے کہا۔ "دور ہو جاؤ ہٹ جاؤ میرے پاس سے۔ خدا معلوم وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں تم سے ملا تھا۔

شام کے سائے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے اور ہم نے ایک چھوٹی سی برفانی چٹان کے پاس اپنا خیمہ لگا لیا تھا۔ بہت سی لکڑیاں جو ہم نے یہاں جاتے وقت جمع کی تھیں انہیں برف سے کھود کر ہم نے ان پر مٹی کا تیل چھڑکا اور آگ لگا دی پھر ہم نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور سونے کی تیاری کرنے لگے بھوک ختم ہوتے ہی گندم کے خمار نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا۔ میں اپنے بستر میں جاگھسا۔ تھکن کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ جسمانی تھکن کے علاوہ اعصابی تھکن بھی مجھے نڈھال کئے دے رہی تھی۔

اچانک میری چھٹی حس نے مجھے کسی ناگہانی خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے خبردار کیا۔ چاند کی روشنی میں سامنے کا منظر بہت صاف اور واضح نظر آرہا تھا۔ جین دوسری طرف کروٹ لئے لیٹی تھی اور اس کا چہرہ کمبل سے باہر تھا لیکن پھر اچانک میری نظر کلائین پر پڑی جو دبے پاؤں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے چابک سنبھالا۔ ہنٹر کلائین کے ناک کو چھوتا ہوا گزر گیا تھا۔ وہ رک گیا اور خونخوار نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔ ادھر تو خونخوار بھیڑیئے ہمارا تعاقب کر رہے تھے اور ادھر اب میرے ہی کیمپ میں ایک اور ہولناک درندہ میرے لئے دردِ سر بن گیا تھا۔ ہم دونوں نے کوئی بات نہیں کی اور دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر کلائین نے آہستہ سے سر ہلایا اور میری طرف دیکھتا ہوا واپس اپنے بستر میں جاکر لیٹ گیا۔ ابھی رات زیادہ نہیں بھیگی تھی کہ میری طبیعت کو ایک عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔ میں نے جلدی جلدی جین کو بیدار کیا اور کتوں کو واپس برف گاڑی میں جوت

دیا۔ ابھی ہم لوگ پھر اپنا سفر شروع بھی کرنے نہ پائے تھے کہ فضا میں بھیڑیوں کی خونخوار آواز گونجی۔ بھیڑیوں کے رونے اور چلانے کی آوازیں قریب آرہی تھیں۔ خطرہ لحظہ بہ لحظہ' لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

اب ہمارا وہاں سے بھاگنا یا کہیں جانا بے سود تھا۔ ہمیں اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ ایسے موقعوں پر کبھی بھاگ جانے کو ترجیح نہیں دے سکتا تھا جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں۔ میں ہمیشہ موت سے پنجہ آزمائی کرنے کا قائل رہا ہوں اور فرار ہونے پر موت کی ترجیح دیتا ہوں۔ اب میں نے اس مرحلہ پر باقاعدہ طور پر جنگ کی تیاری شروع کر دی تھی۔ مجھے مورچہ بندی کرنی تھی تاکہ ایک قابلِ عمل منصوبے کے تحت اپنا کام کر سکوں۔ میں جانتا تھا کہ اب قضا ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا لیکن میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک باہر کی طرف نکلی ہوئی برفانی چٹان کے قریب اپنا کیمپ لگایا۔ یہاں مجھے کچھ لکڑیاں اور بھی مل گئی تھیں۔ میں نے یہاں ایک بہت بڑا الاؤ جلایا۔ اب ہماری پشت پر برف کی دیوار تھی اور سامنے کی طرف برف کا وسیع و عریض میدان نظر آرہا تھا اور حدِ نظر تک برف ہی برف نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی دونوں کلہاڑیاں سنبھالیں اور چٹان کے عقبی حصے کی طرف اگی ہوئی خود رو جنگلی جھاڑیاں کاٹنے لگا۔ مجھے اپنی ان دونوں کلہاڑیوں سے لکڑی کاٹنے کا اس قدر تجربہ ہو چکا تھا کہ میں نے چشم زدن میں تمام جھاڑیاں کاٹ کر ایک بڑا سا ڈھیر الاؤ کے پاس لگا دیا۔

کلائن اور جین بڑی حیرت بھری نظروں سے میری برق رفتاری کا جائزہ لے رہے تھے۔ میں ان دونوں پر بھی یہ بات ہر حالت میں ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ میں آسانی سے موت سے ہار ماننے یا حالات کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی شکست تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ جلد ہی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور اردگرد کی برف چٹخنے اور پگھلنے لگی۔ جلد ہی جین کو حالات کی سنگینی کا علم ہو گیا بھیڑیوں کی آوازیں اب زیادہ بلند اور واضح ہوتی جا رہی تھیں۔

اگر خدانخواستہ آپ کو کبھی ان درندوں کی ہولناک آوازیں سننے کا موقع مل جائے تو آپ کے اعصاب جواب دے جائیں گے آپ یہ محسوس کریں گے جیسے ہزاروں بدروحیں بین کر رہی ہوں۔ جونہی برف کے کہرے میں پہلے بھیڑیئے کا منحوس چہرہ نمودار ہوا جین نے ایک دلخراش چیخ ماری اور مجھ سے لپٹ گئی۔ خوف کے مارے اس کا برا حال تھا اور اس وقت سردی کی وجہ سے نہیں بلکہ موت کے خوف سے اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا اور گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا گیا ہو۔ اور اس کا چہرہ کفن کے لٹھے کی مانند سفید ہو چکا تھا۔ میں

نے اسے دلاسہ دیا مگر وہ کانپتی رہی' لرزتی ہی رہی۔

یہ وہ بھیڑیئے نہیں تھے جو محض چڑیا گھروں میں بند رکھے جاتے ہیں یا جنہیں دیکھ کر بچے تالیاں بجانے لگتے ہیں یہ الاسکا کے پلے پلائے قوی ہیکل ڈھائی تین سو پونڈ وزنی بھیڑیئے تھے جن کے خونی جبڑوں سے ان کے تیز اور نوکیلے دانت کسی ڈریکولا کے دانتوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے ان کی سرخ زبانیں باہر لٹک رہی تھیں۔ وہ وحشی اور خون آشام درندے تھے جو غول کی صورت میں مل کر کسی انسان کی تو کیا شیر جیسے بہادر جانور کی بھی تکا بوٹی کر سکتے تھے۔

وہ ایک ایک کر کے کافی فاصلے پر اکٹھے ہو رہے تھے سفید' بھورے اور سرمئی اور براؤن رنگ کے خونخوار بھیڑیئے جن کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ہم سے کچھ فاصلے پر رک گئے۔ وہ ہم سے تقریباً ڈھائی سو فٹ دور آ کر بیٹھ گئے وہ ہانپ رہے تھے اور ان کے حلق سے آہستہ آہستہ غرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرے آٹھوں کتوں کی آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔ بھیڑیئے کافی فاصلے پر نیم دائرے کی صورت میں آ کر بیٹھ گئے تھے اور ہماری اعصابی دورے کے منتظر تھے وہ بڑے سکون اور صبر سے ہمارے بدن کا گوشت نوچنے کی تیاری میں مصروف تھے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد پچاس کے لگ بھگ تھی۔ آپ حیران ہوں گے کہ دنیا بھر میں بھیڑیئے سے زیادہ صبر کرنے والے جانور اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ میں نے سامان ٹٹولا اور اپنی قابل اعتماد ون چیسٹر رائفل نکالی۔ میرے پاس اس وقت پندرہ راؤنڈ تھے۔ میں نے نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ جب تک آگ جل رہی تھی اور جس وقت تک یہ خوفناک ہتھیار ہمارے پاس تھا۔ وہ ہمارے قریب آنے کی جرات نہیں کریں گے۔ ہم نے حیرانی سے دیکھا کہ جونہی ایک بھیڑیئے کے گولی لگی اور وہ چکرا کر گرا۔ اس کے ساتھی بھیڑیئے چیل کی طرح اس پر حملہ آور ہوئے اور زخمی بھیڑیئے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ چند سیکنڈ میں وہاں ٹوٹی ہوئی ایک کھوپڑی اور چند ہڈیوں کے سوا اور کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ ابھی تک وہ بھیڑیئے اپنے ساتھی کا خون چاٹ رہے تھے اور اس کی آنتوں اور اوجھڑی کے لئے کتوں کی طرح آپس میں لڑ رہے تھے ان کی خونخوار غراہٹ اور چیخنے کی آوازیں بڑی خوفناک تھیں اور ان میں سے کئی تو برف میں دور تک لڑھکتے چلے گئے تھے چند لمحوں بعد وہاں کھال بھی باقی نہیں تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک عرصے سے مردہ گوشت کی تلاش میں بھٹک رہے تھے اب وہ اس بات کے منتظر تھے کہ میں اور بھیڑیوں کو ہلاک کروں۔

میں نے یکے بعد دیگرے دس بار فائر کئے اور دیکھا کہ ان کی تعداد میں رفتہ رفتہ

کمی ہو رہی تھی لیکن انہوں نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے سوچا۔ "کیا یہ حرامزادے میرا اسلحہ ختم ہو جانے کا انتظار کر رہے ہیں لیکن میرا اندازہ غلط تھا وہ صرف اس بات کے منتظر تھے کہ میں اور بھیڑیوں کو زخمی کرتا رہوں تاکہ وہ اپنے ساتھی درندوں کا خون اور گوشت اڑا سکیں۔ ہر بار جب میری رائفل شعلہ اگلتی اور کوئی نہ کوئی بھیڑیا زخمی ہو کر برف پر تڑپنے لگتا۔ تمام بھیڑیئے اس کے نیم مردہ جسم کے گرد اکٹھے ہو جاتے اور اس کے آپریشن یا پوسٹ مارٹم میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے' یہی ان کا شغل بن گیا تھا۔

وہ سب اپنی اپنی پسند کے مطابق اس کے بدن سے اپنی مرضی کے حصے نکالتے اور دور جا کر کھانے لگتے۔ ان کی غراہٹ اور ہٹ دھرمی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سچ ہے کہ ہر کمزور کو طاقت ور کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی ہوتے ہیں۔

"ٹائیگر۔ ٹائیگر۔ وہ اب ہم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔" جین نے سسکی لی اور میرا بازو پکڑ کر جیسے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں نے مڑ کر اس طرف دیکھا جہاں ایک سرمئی رنگ کا بڑا سا گدھے کی جسامت والا بھیڑیا کافی دیر سے بڑے تحمل اور صبر سے بیٹھا ہوا میری حرکات کا یوں جائزہ لے رہا تھا جیسے وہ میرے اعصاب کے تھک جانے کا انتظار کر رہا ہو اور واقعی یہ بات صحیح بھی تھی وہ بڑی منصوبہ بندی سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اٹھا اور آگے بڑھا۔ سلور گرے رنگ کا بڑا سا بھیڑیا جو ان تینوں بھیڑیوں کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اب میری طرف آ رہا تھا۔ میں اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔

یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ جین نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا اور سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ میں نے رائفل ایک طرف پھینک دی اور اپنی مضبوط کلہاڑی سنبھال لی۔ اس سے پہلے کہ وہ بھیڑیئے مجھ پر حملہ آور ہوتے میں نے کلہاڑی کے ایک ہی وار سے آگے بڑھنے والے درندے کی کمر توڑ دی پھر جیسے مجھ پر دیوانگی کا سا دورہ پڑ گیا۔ میں پاگلوں کی طرح کلہاڑی گھمانے لگا اور باقی تمام بھیڑیئے چیختے ہوئے واپس بھاگے۔ وہ سب پسپا ہو رہے تھے شاید ان کا سرغنہ مارا گیا تھا۔

بھیڑیئے وقتی طور پر پسپا ضرور ہو گئے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ پھر آئیں گے۔ میں نے اپنے بچے کھچے اسلحے کا جائزہ لیا میرے پاس صرف پانچ کارتوس باقی رہ گئے تھے۔ اگر وہ اس بار زیادہ تعداد میں آئے تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ ہر حالت میں ہم تینوں پر حاوی ہو جائیں گے۔ میں دل ہی دل میں کلائین کو کوسنے لگا جس کے بے احتیاطی کی وجہ سے ہمارا اسلحہ اور کارتوس ضائع ہو گئے تھے۔ اسی اثنا میں جین نے کافی تیار کر لی تھی اور میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی اس نے کافی کا مگ میری طرف بڑھایا اور کہنے

لگی۔ ٹائیگر میں چاہتی ہوں کہ جب تم دیکھو کہ مقابلہ بیکار ہے تو اپنے ہاتھ سے مجھے گولی مار دینا ایک کارتوس میرے لئے ضرور بچا لینا۔" اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی موجود تھی۔ وہ بولی۔ "آہ میں جانتی ہوں کہ یہ میری آخری خواہش ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اسے ضرور پورا کرو گے۔" میں نے اثبات میں سرہلا دیا اور کافی کی چسکیاں لینے لگا اس وقت موت کے دہانے پر کھڑے ہو کر بھی کافی کا تلخ ذائقہ مجھے بہت خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔ اب میں اپنے دشمنوں کا منتظر تھا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر کافی فاصلے پر بہت سے بھیڑیئے نمودار ہوئے ان کی مکروہ آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں اور جلد ہی وہ کہرے کی چادر کو چیرتے ہوئے سامنے آگئے۔ دھندلی روشنی میں ان کی آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں اور وہ بے حد تازہ دم نظر آرہے تھے۔ انسانی گوشت اور خون کی تیز بو اور طلب انہیں یہاں کسی مقناطیس کی طرح کھینچ لائی تھی اور اب وہ اپنے صبر کا پھل چکھنے کے لئے بیقرار تھے ان میں کچھ پرانے بھیڑیئے بھی تھے اور اب تازہ دم کمک انہیں مل چکی تھی۔ میں نے دیکھا بھیڑیئے بھی تعداد میں کم و بیش 25 یا تیس رہے ہوں گے۔

بھیڑیوں کا یہ غول بھی پہلے کی طرح ہم سے تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر آکر رک گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس بار وہ آہستہ آہستہ فاصلہ کم کر رہے تھے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ اس آگ کے عادی ہو چکے تھے اور انتقامی جذبہ انہیں ہماری طرف دھکیل رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کا گوشت کھا کھا کر اکتا چکے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آگ آہستہ آہستہ مدہم ہو رہی تھی اور اب بھیڑیوں کے معدوں میں بھوک کی آگ بھڑک رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ بھیڑیئے اپنی خونخوار سرخ زبانیں نکالے ہمارے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے بھوک نے انہیں بے حال کر رکھا تھا۔ وہ ایک پل کے لئے بھی ٹک کر نہیں بیٹھ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ جلد ہی وہ ہم پر تیر کی طرح حملہ آور ہوں گے وہ زیادہ دیر تک وہاں بیٹھ کر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے انتظار کی حد ختم ہونے کو تھی اب انہیں آگ کا خوف بھی ہم سے دور نہیں رکھ سکتا تھا۔ موت کے خیال سے مجھے جھرجھری سے آنے لگی اب ہمارے سامنے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ہم ایک ٹوٹی ہوئی چٹان کے نیچے کھڑے تھے جس کے اطراف میں ہزاروں فٹ گہری کھائیاں تھیں اور سامنے بھیڑیوں کا یہ غول ہمارے اعصاب کے تھک کر چور ہو جانے کا منتظر تھا دوسرے الفاظ میں موت ہماری منتظر تھی۔

میں نے سنا گاڑی کھینچنے والے آٹھوں کتے آہستہ آہستہ غرا رہے تھے وہ سہمے ہوئے تھے اور خود کو شاید ذہنی طور پر اس خونریز جنگ کے لئے تیار کر رہے تھے جو ان کی زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ میں نے اپنی دونوں کلہاڑیاں سنبھال لیں۔ بندوق اب بیکار ہو چکی تھی۔ "تیار ہو جاؤ" میں نے چیخ کر کلائین سے کہا اور اس نے اپنا شکاری چاقو ڈب سے نکال لیا۔

خونخوار درندے ہم پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے فولادی اور مضبوط پٹھے اور خنجر کی مانند تیز دھار والے دانت سرخ سرخ زبانیں اور خون برساتی ہوئی آنکھیں یہ سب اس قدر دہشت ناک تھے کہ میری روح لرز کر رہ گئی۔ میں پاگلوں کی طرح خود کو باور کرا رہا تھا کہ یہ سب محض ایک بھیانک خواب تھا لیکن یہ ایک اٹل اور سنگین حقیقت تھی۔

میں اپنی کلہاڑیاں سنبھالے ان خونخوار بد روحوں پر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔ میں اگر ایسا نہ کرتا تو آج اپنی داستان نہ سنا رہا ہوتا۔ گولیاں تو میں ختم کر چکا تھا لیکن بھیڑیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ میں جانتا تھا کہ اگر اس مرحلے پر میں نے ہمت ہار دی تو چند لمحوں بعد درندے میری کھال بھی کھینچ لیں گے۔ اور شاید میں اسی لئے زندہ تھا۔

مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا تھا ادھر کلائین بھی تین چار بھیڑیوں سے بیک وقت گتھم گتھا تھا۔ میرا چہرہ' داڑھی اور کپڑے ان درندوں کے خون میں لت پت ہو چکے تھے اور اب ان کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف دس رہ گئی تھی۔

اس خونریز جنگ میں جو ہم تینوں کے لئے زندگی اور موت کی جنگ تھی ہمارے آٹھوں کتے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑے موثر انداز میں حملہ کرنے میں مصروف تھے اچانک مجھے یوں لگا جیسے میری پشت میں کسی نے زہر میں بجھا ہوا خنجر گھونپ دیا ہو۔ میں بجلی کی سی تیزی سے مڑا۔ ایک بھیڑیئے نے مجھ پر پشت سے حملہ کر دیا تھا اور اس کے تیز دانت میرے چمڑے کے کوٹ سے ہو کر میرے شانے میں اتر گئے تھے۔ میں نے پوری قوت سے کلہاڑی کا ایک وار کیا اور اس کی کھوپڑی سے بھیجا نکل کر چاروں طرف بکھر گیا اب میرے چاروں طرف مردہ و نیم مردہ زخمی بھیڑیئے پڑے تھے۔ میں نے کلہاڑیاں پھینک دیں اور رائفل کے دستے سے ان کے سرپاش پاش کر دیئے ان کے پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بمشکل تمام دو تین بھیڑیئے زندہ بچ سکے تھے اور اپنی جان بچا کر جنگل کی طرف بھاگے۔ جنگل جو ان سے میلوں دور تھا لیکن اب بھوک کی آگ مٹانے سے زیادہ انہیں اپنی جان بچانے کی فکر لاحق تھی اور وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر ہم سے دور چلے جانا چاہتے تھے۔ میرے اعصاب شل ہو گئے تھے۔

میں اب بری طرح تھک گیا تھا اور واقعی نڈھال ہو چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ

جین اب ہوش میں آچکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھی۔ کمبل اس نے ایک طرف رکھ دیا تھا اب وہ کسی قدر مطمئن نظر آرہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکتے ہوئے خدا کے حضور شکر ادا کرنا شروع کر دیا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور رائفل کے ٹوٹے بٹ کو چوم کر اپنی آنکھوں سے لگانے لگی۔ میں کسی جنونی اور دیوانے کی طرح اس کی یہ حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

ہر طرف ایک پر اسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی اور برف کے چٹخنے یا لکڑیوں کے سلگنے کی آواز کبھی کبھی اس خاموشی کا سینہ چیر جاتی تھی۔ میری چھٹی حس مجھے پھر خبردار کر رہی تھی کہ یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ میں نے اچانک کلائین کی طرف دیکھا کلہاڑی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی وہ ابھی تک اپنے حواس بجا نہیں کر سکا تھا لیکن نہیں وہ ہوش میں تھا۔ اس نے ایک شیطانی مسکراہٹ اپنے لبوں پر بکھیرتے ہوئے ہولناک نگاہوں سے جین کی طرف دیکھا پھر اپنی زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کلہاڑی تولتا ہوا میرے طرف بڑھا۔ "ٹائیگر۔ ہوشیار ہو جاؤ!" جین چیخی۔

میں اب خود کو پوری طرح مستعد اور تیار کر چکا تھا۔ جہاں میں نے اتنے خونخوار درندوں کا مقابلہ کیا تھا وہاں ایک درندہ اور سہی۔ یہ خیال میرے لئے باعث تقویت تھا کہ جین کے دل میں میرے لئے محبت تھی اور وہ کبھی خود کو کلائین کے حوالے نہیں کرے گی اس خیال نے میرے اندر ایک غیر معمولی طاقت پیدا کر دی تھی۔ میں بجلی کی سی تیزی سے جھکا اور کلائین کی پھینکی ہوئی کلہاڑی میری کھوپڑی کے قریب سے گزرتی ہوئی دور جا گری۔

کلائین بڑی برق رفتاری سے بھاگا تاکہ کلہاڑی اٹھا سکے۔ میں نے اپنی ٹانگ اس کی ٹانگوں میں پھنسا دی۔ وہ اس غیر متوقع حملے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا وہ چاروں شانے چت جا گرا۔ میں نے فوراً اسے جا لیا اور اس کے سر اور چہرے کو اپنے وزنی بوٹوں کی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ اچانک لیٹے لیٹے کلائین نے اچھل کر میرے ناف کے نیچے ایک فلائنگ کک رسید کی میں درد کی شدت سے دہرا ہو گیا۔ چند سیکنڈ بعد میں برف پر پڑا ہوا تھا اور کلائین کے وزن تلے میرے سینے کی ہڈیاں کڑکڑا رہی تھیں۔

وہ پوری بربریت اور درندگی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ اچانک اس نے ایک ہاتھ میری گردن سے اٹھا لیا اور قریب پڑی ہوئی کلہاڑی اٹھا کر جین کی طرف پھینکی۔ جین شاید میری مدد کرنا چاہتی تھی۔ مجھے جین کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ کلہاڑی اس کی پنڈلی میں لگی تھی۔

اس خونریز جنگ میں ہمارے چار کتے بھی ہلاک ہو گئے تھے اچانک مجھے قریب ہی

سے ایک غراہٹ سنائی دی۔ آہ یہ کوئی بھیڑیا نہیں میرا سب سے جاندار کتا ہاک تھا۔ ہاک نے کلائین کا ٹیٹوا اپنے خونخوار جبڑوں میں دبا لیا تھا اور اس خونریز کھیل کا پانسہ ہی پلٹ دیا تھا۔ چند منٹ بعد کلائین بے ہوش ہو گیا تھا اب وہ بے حد زخمی حالت میں تھا۔

میں نے جلدی جلدی سامان سمیٹا' برف گاڑی میں کتوں کو جوتا اور جین کو گود میں اٹھا کر برف گاڑی میں جا کر ڈال دیا ہمیں جلد از جلد اس جہنم سے نکل جانا ہو گا۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا کلائین خود کیفر کردار کو پہنچ جائے گا۔ خس کم جہاں پاک۔؟ "ٹھیک ہے نا۔" اور جین نے اپنی مرمریں بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔

مجھے کچھ پتہ نہیں' کچھ معلوم نہیں کہ اس مہم سے زندہ واپس آجانے کے بعد میں نے کیا کیا۔ ہاں میں چار دن اور چار راتیں متواتر سویا رہا۔ میں اس قدر تھک گیا تھا کہ بیان نہیں کر سکتا جین اب واپس جانا چاہتی تھی لیکن وہ مصر تھی کہ میں بھی اس کے ساتھ چلوں۔ تم کل میرے ساتھ فلوریڈا چل رہے ہو نا۔" جین نے کہا۔ "شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ میں ایک قاتل ہوں جس کی تلاش میں سی آئی اے انٹرپول اور سکاٹ لینڈ یارڈ کے علاوہ ایف بی آئی کے شکاری کتے لگے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ تم اکیلی ہی لوٹ جاؤ اور مجھے میری دنیا میں ہی رہنے دو۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں دیکھ چکی ہوں کہ تم ایک بہادر' دلیر اور جوانمرد انسان ہو میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیا میں تمہاری شریک حیات نہیں بن سکتی۔" میں نے اس کی اس بات کا جواب وہاں نہیں دیا۔ اگلا دن اتفاق سے اتوار تھا۔ میں نے اس کا بازو تھاما اور جا کر فادر کے سامنے کھڑا ہو گیا اب ہم قانونی اور شرعی طور پر میاں بیوی بن چکے تھے۔

اور اب جب میرا چھوٹا ٹائیگر یعنی کیڈی میری داڑھی سے کھیلتے ہوئے کہتا ہے۔ "ڈیڈی آپ کو لوگ ٹائیگر کیوں کہتے ہیں؟" تو جین کمنگز۔ اوہ معاف کرنا جین کرسس بلکہ جین ٹائیگر اس کا گال چومتے ہوئے کہتی ہے۔ "کیونکہ تمہارے ڈیڈی نے پچاس خونخوار بھیڑیئے ہلاک کر ڈالے تھے۔"

انوکھا عشق

پٹنہ میں جب ہمیں اطلاع ملی کہ آدھی رات کے وقت ایک آدمی نے ایک گھر میں داخل ہو کر گھر کے مالک کو جگایا اور ریوالور دکھا کر نقدی اور زیورات لے گیا تو ہمارے سی آئی ڈی انسپکٹر نے غصے سے کہا کہ پولیس سٹیشنوں والے اتنے حرام خور ہو گئے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی وارداتیں بھی سی آئی ڈی کے حوالے کرنی شروع کر دی ہیں۔ میں اس وقت حوالدار کی حیثیت سے سی آئی ڈی میں تھا۔ تمام افسر ہندو اور سکھ تھے۔ ڈی ایس پی فرانسس نام کا ایک اینگلو انڈین تھا۔ وہ رشوت تو خوب کھاتا تھا لیکن سراغرسانی اتنی جانفشانی سے کرتا تھا کہ اسے کھانے پینے اور سونے کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ جس انسپکٹر کو یہ واردات دی گئی' اس کا نام کشن پال تھا۔ اس نے ڈی ایس پی سے شکایت کی کہ یہ علاقے کے پولیس سٹیشن کا کام ہے کہ تفتیش کرے۔ اتنی معمولی سی واردات کو سی آئی ڈی کے سپرد کیوں کیا گیا ہے؟ فرانسس نے جواب دیا کہ صرف اس لیے یہ واردات ہمیں دی گئی ہے کہ ایسی واردات دوبارہ نہ ہو۔ کاغذات کو غور سے پڑھو' پھر بات کرنا۔

کشن پال صاحب کے دفتر سے کاغذ لے آیا اور متعلقہ پولیس سٹیشن کو گالیاں دینے بیٹھ گیا۔ یہ 1943ء کا ذکر ہے جب جنگ عظیم زوروں پر تھیں۔ ہندوستان کی آدھی آبادی فوج میں بھرتی ہو گئی تھی۔ جنگ کی وجہ سے کاروبار اور ٹھیکیداریوں میں خوب اضافہ ہو گیا تھا۔ کپڑا' چینی اور آٹا وغیرہ راشن کر دیے گئے تھے جس سے چوربازاری اور ذخیرہ اندوزی شروع ہو گئی تھی۔ روپیہ پیسہ عام تھا اور لوگ فوج میں بھرتی تو ہو جاتے تھے لیکن فرنٹ پر جانے کا حکم ملتا تھا تو بعض بھاگ آتے تھے۔ ان بھگوڑوں کو پکڑنے کے لیے پولیس بہت مصروف رہتی تھی پولیس سے بچنے کے لیے بھگوڑے فوجی چھپے رہتے تھے۔ ان میں سے بہت سے سپاہی جرائم پیشہ گروہوں میں شامل ہو گئے تھے۔ بعض بھگوڑے اپنے متعلقہ تھانے میں ماہوار رشوت ادا کر کے گرفتاری سے محفوظ رہتے تھے۔ پھر بھی انہیں چھپ چھپ کر رہنا پڑتا تھا تاکہ کوئی مخبری نہ کر دے۔

ان بھگوڑوں کی وجہ سے اور لوگوں کے پاس دولت آ جانے کی وجہ سے جرائم

کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ پولیس کے پاس اتنی وارداتیں زیر تفتیش ہوتی تھیں کہ وہ کسی ایک واردات کی طرف پوری توجہ دے ہی نہیں سکتی تھی۔ کشن پال نے اس تازہ واردات کے کاغذات پڑھے تو وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے کاغذات مجھے پڑھنے کے لیے دیے اور کہا کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میں نے کیس پڑھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ واردات بے شک معمولی ہے لیکن مجرم معمولی نہیں۔ پولیس سٹیشن کے انچارج نے ایک پیکٹ میں ایک چھوٹا سا رومال بھیجا تھا۔ رومال کے کونے پر لال رنگ کے دھاگے سے حرف M کاڑھا ہوا تھا۔ رومال میلا تھا۔ کشن پال نے مجھ سے پوچھا کہ یہ رومال دیکھ کر تمہیں کچھ یاد آتا ہے؟ میں نے کہا۔ "ہاں ملکھا"--- کشن پال بولا---" اگر یہ رومال واقعی ملکھا کا ہے تو یہ کیس تھانے کا نہیں ہمارا ہی ہے۔"

میں نے کشن پال سے کہا کہ کیا ملکھا جیسا استاد ایسی کم عقلی کر سکتا ہے کہ اپنے نام کا رومال موقعہ واردات پر چھوڑ جائے؟ وہ اپنا کوئی کھوج پیچھے نہیں چھوڑا کرتا۔ کشن پال نے کہا یہ رومال اسی کا ہے۔ ہمارے پاس یہ اس کا دوسرا رومال آیا ہے۔

ملکھا ایک نامی گرامی جرائم پیشہ تھا' بعض اسے ملکھا سنگھ بھی کہتے تھے۔ اور عام خیال یہی تھا کہ وہ سکھ ہے لیکن اس کا کوئی مذہب نہیں تھا۔ نہ سکھوں کی طرح اس کی داڑھی یا بال تھے۔ وہ خوبرو جوان تھا۔ وہ اب اشتہاری مجرم تھا۔ دسمبر 1942ء میں وہ رہزنی کے جرم میں پکڑا گیا تھا اور اسے ڈیڑھ سال سزائے قید بامشقت ملی تھی۔ یہ اس کی پہلی واردات اور پہلی گرفتاری تھی۔ جیسا کہ ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ وہ خاموش طبع' ملنسار اور حکم ماننے والا انسان تھا۔ جیل میں انہی اوصاف کی وجہ سے اسے جیل کے باغیچے میں جو جیل سے باہر تھا' کام پر لگا دیا گیا تھا۔ جیل کے باہر جو قیدی کام کیا کرتے تھے' ان کے پاؤں میں' ٹخنوں کے اوپر' لوہے کے کڑے ڈال دیے جاتے تھے تاکہ فرار کی صورت میں آسانی سے پکڑے جائیں۔

ملکھا نے قید کے پہلے چھ مہینے وارڈروں اور سنتریوں پر اپنی شرافت اور برخورداری کا اثر پیدا کیا اور ایک روز وہ باغیچے سے غائب ہو گیا۔ تھوڑے دنوں بعد پٹنہ میں رہزنی کی وارداتوں کی رپورٹیں آنے لگیں۔ ان رپورٹوں میں ملزم کا جو حلیہ بیان کیا جاتا تھا وہ ایک ہی جیسا تھا۔ یہ حلیہ ملکھا کا تھا۔ صرف چہرے کو کوئی بیان نہیں کر سکتا تھا۔ ہر رپورٹ میں لکھا گیا تھا کہ ملزم کے منہ' ٹھوڑی اور ناک پر ایک رومال تھا۔ واردات کا طریقہ ایک ہی جیسا تھا۔ وہ اچانک اپنے شکار کے سامنے آ جاتا تھا اور کہتا تھا---" جیبیں خالی کر دو۔ زندہ رہو"--- پٹنہ کے لوگ اتنے دلیر نہیں ہوتے۔ وہ خاموشی سے جیبیں خالی کر دیتے تھے۔ وہ کسی کی گھڑی یا انگوٹھی نہیں اتارتا تھا۔

ایک واردات کی رپورٹ ہمارے لیے زیادہ دلچسپ تھی۔ ملکھا نے ایک شادی شدہ جوڑے کو روک لیا بیوی نے کافی زیورات پہن رکھے تھے۔ اس واردات میں اس نے پہلی بار ریوالور دکھایا تھا۔ اس سے پہلے وہ جان سے مار دینے کی صرف دھمکی دیا کرتا تھا۔ لڑکی جوان تھی اور خوبصورت بھی۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ ملکھا کا ریوالور دیکھ کر لڑکی کے خاوند نے جیب سے پیسے نکال دیے۔ کل رقم ایک سو پچپن روپے اور کچھ آنے تھی۔ لڑکی نے پولیس سٹیشن پر بیان دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس قدر خوفزدہ ہو گئی تھی کہ ملکھا کے کہنے کے بغیر ہی اس نے اپنا چار ہزار روپے کی مالیت کا سونے کا ہار اتار کر رہزن کی طرف بڑھایا۔ اتنا زیور وہ کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ لیکن اس نے کہا۔۔۔ "میں نے تم سے تو کچھ نہیں مانگا۔ ہار پہن لو"۔۔۔ پھر اس نے اس کے خاوند سے کہا۔۔۔ "اتنا زیور پہنا کر اسے اس علاقے میں نہ لایا کرو۔"

قارئین یہ نہ سمجھیں کہ وہ علاقہ جنگل بیابان تھا۔ وہ تو گنجان آباد محلہ تھا سردیوں کی وجہ سے لوگ گھروں میں بیٹھے تھے اور وقت رات کے تقریباً دس بجے کا تھا۔ وہ اکثر وارداتیں آبادیوں میں کرتا تھا۔ اس دلیری کے علاوہ ہی اس کی سب سے بڑی دلیری یہ تھی کہ وہ اسی شہر کی جیل سے فرار ہو کر اسی شہر میں وارداتیں کر رہا تھا۔ اس سے پولیس کے افسروں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ملکھا نہیں کوئی اور ہے۔ اسے ہم اس لیے ملکھا سمجھتے تھے کہ رپورٹوں میں جسم کی ڈیل ڈول ایک جیسی تھی اور طریقہ واردات اسی واردات جیسا تھا جس میں اسے ڈیڑھ سال سزائے قید ہوئی تھی۔

پولیس سٹیشن والوں نے شہر کے تمام ہسٹری شیٹروں کی چھان بین کر ڈالی تھی لیکن رہزنی کی وارداتوں کا کوئی سراغ نہ ملا۔ بغیر وردی کے پولیس افسر اور سپاہی' ریوالور چھپائے ہوئے' راہ گیروں کی طرح رات رات بھر گلیوں اور شہر کے مضافات میں گھومتے رہے لیکن ملزم جال میں نہ الجھا آخر ایک سنگین واردات ہو گئی جس سے یہ کیس سی آئی ڈی کے پاس آ گیا۔

زیورات والی لڑکی کے بیان سے پولیس کو کم از کم یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ ملزم عورتوں پر ہاتھ نہیں ڈالتا مگر ایک رات ایک موٹا بھدا اور گول مٹول سا ہندو تین چار آدمیوں کو ساتھ لیے پولیس سٹیشن میں آیا اور رپورٹ درج کرائی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ پکچر دیکھ کر گھر کو واپس آ رہا تھا۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے رہے تھے جب وہ محلے کی گلی میں داخل ہوا تو پیچھے سے ایک آدمی نے اس کی بیوی کو اٹھا لیا اور کندھوں پر ڈال کر بھاگ گیا اس نے شور مچایا۔ محلے کے کئی آدمی باہر نکلے لیکن وہ غائب ہو چکا تھا۔ دوسری گلی سے ایک گولی فائر ہوئی جس کے دھماکے سے لوگ اپنے اپنے گھروں کو بھاگ

گئے۔

اس ہندو نے بتایا کہ وہ جو پکچر دیکھ کر آیا ہے۔ وہ انگریزی پکچر تھی۔ اس میں ایسا ہی ایک منظر ہے جس میں ایک رہزن ایک لڑکی کو راستے سے اسی طرح اٹھا لے جاتا ہے اور اس کا خاوند دیکھتا رہ جاتا ہے۔ پولیس سٹیشن کے انچارج نے دوسرے دن یہ پکچر دیکھی تھی۔ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ پکچر کا ہیرو لڑکی کو اٹھا لے جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کرتا ہے کہ لڑکی اسی کی ہو جاتی ہے۔

یہ ہندو جنرل مرچنٹ تھا اور بہت دولت مند تھا اسے ایک خط ملا کہ پانچ ہزار روپیہ ادا کر دو تو تمہیں بیوی واپس مل جائے گی خط پر پٹنہ کی ہی مہر تھی اور خط گمنام تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ اگر روپیہ ادا کرنا چاہو تو دکان بند کر کے دروازے پر چاک سے لکھ دینا۔۔۔ "ہاں"۔۔۔ پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ روپیہ کہاں پہنچاؤں اگر تم نے مجھے گرفتار کرانے کی کوشش کی تو تمہیں بیوی واپس نہیں ملے گی اور تم زندہ بھی نہیں رہو گے۔

ہندو نے یہ خط کسی کے ہاتھ تھانے بھجوا دیا اور دکان کے دروازے پر "ہاں" کا لفظ بھی لکھ دیا۔ اب پولیس اور ہندو دوسرے خط کا انتظار کرنے لگے۔ تھانے والوں نے کیس سی آئی ڈی کے حوالے کر دیا۔ سات آٹھ روز تک کوئی خط نہ آیا۔ مجھے بھی اس تفتیش میں کام کرنا پڑا۔ ہندو نے اپنی بیوی کی تصویر بھی دی تھی جو کاغذوں کے ساتھ رکھ لی گئی تھی۔ ہندو خود جس قدر موٹا اور بھدا تھا لڑکی اتنی ہی دبلی پتلی اور خوبصورت تھی۔ ہندو سے باتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ بدھو ہے' مردوں کی طرح باتیں نہیں کر سکتا بعض اوقات بچوں کی طرح رونا شروع کر دیتا تھا۔ لڑکی کے متعلق ہم نے مختلف لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ لڑکی بہت شوخ اور تیز طرار ہے۔ ایک آدمی نے یہ بھی کہا کہ اگر اسے کسی نے قید نہ کر لیا تو وہ ڈاکو کو انگلیوں پر نچا کر بھاگ آئے گی۔ اس سے میں سوچتا رہا کہ ایسی خوبصورت اور اچھے جسم والی شوخ لڑکی اس قسم کے بھینسے جیسے خاوند کو کس طرح پسند کرتی ہو گی۔ یہ شخص جسم سے ہی نہیں طبیعت سے بھی بھینسا تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ وہ لڑکی کو کڑی پابندیوں میں رکھتا ہے اور اسے دیوی کی طرح پوجتا بھی ہے۔

سی آئی ڈی نے اس پر بھی غور کیا کہ لڑکی خود ہی اس آدمی کے ساتھ نہ چلی گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی اس ڈرامے میں برابر کی شریک ہو۔ اگر یہ مفروضہ صحیح نکلے تو رہزن ملکھا نہیں ہو سکتا۔ ملکھا بے گھر اور بے ٹھکانہ آدمی تھا۔

سی آئی ڈی والے ہر روز ہندو سے پوچھتے تھے کہ خط آیا یا نہیں ایک روز ہندو نے رو کر کہا کہ خط آئے نہ آئے میں پانچ ہزار روپیہ دے کر اپنی بیوی چھڑوا لوں گا۔

ایک روز ہندو ہمارے دفتر میں آیا۔ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ دن کے وقت

اس کی دکان میں ایک جوان سا آدمی آیا۔ تین اور گاہک کاؤنٹر پر مختلف چیزیں دیکھ رہے تھے اس آدمی نے سیلز مین کو تولیے دکھانے کو کہا۔ سیلز مین نے اسے مختلف نمونے دکھائے۔ اتنے میں تینوں گاہک چلے گئے۔ ہندو کرسی پر ذرا الگ بیٹھا تھا۔ یہ آدمی ٹہلتا ٹہلتا ہندو کے سامنے جا بیٹھا اور دھیمی آواز میں کہا۔ "میں پانچ ہزار روپیہ لینے آیا ہوں ابھی دے دو تو بہتر ہے۔ تمہاری بیوی شام سے پہلے تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔ میرے پاس پستول ہے۔ اگر شور مچاؤ گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ مارے جاؤ گے۔"

ہندو نے بیان دیا کہ وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ اس کے منہ سے بات نہ نکل سکی۔ دکان میں جو رقم تھی وہ گنی تو تین ہزار دو سو چوالیس روپے تھی۔ اس آدمی نے کہا کہ یہی دے دو۔ ہندو نے یہ رقم اس کے حوالے کر دی اس آدمی نے اسے خبردار کیا کہ اگر میرے پیچھے شور مچایا تو تمہاری رقم بھی جائے گی اور بیوی بھی۔ اور وہ آدمی چلا گیا۔ سیلز مین کو معلوم ہی نہ ہوا کہ دکان میں ڈاکہ پڑ چکا ہے۔

ہندو نے اس کا جو حلیہ بتایا وہ بالکل ملکھا کا تھا۔ جوان آدمی خوبرو' دل میں اتر جانے والی آنکھیں' ناک کے قریب تل اور قد و قامت کے متعلق ہندو نے کچھ بتایا' وہ ملکھا کا ہی قد بت تھا۔ اس نے رومال یا نقاب نہیں پہنا ہوا تھا۔

انسپکٹر سنیل دت نے جو اس وقت اس کیس پر مامور تھا' مجھے ساتھ لیا اور ہم شام سے پہلے ہندو کے گھر چلے گئے۔ دس پندرہ منٹ بعد اطلاع آئی کہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی ہے۔ ہم وہاں گئے' محلے کی عورتوں کا ہجوم گھر میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ ہم نے لڑکی کو الگ کمرے میں بلایا۔ اسے بہت ڈرا ہوا ہونا چاہئے تھا لیکن چہرے مہرے سے وہ نہائی دھوئی ہوئی دکھائی دی۔ پوچھنے پر ہمیں بتایا گیا کہ ابھی ابھی آئی ہے۔ اتنی خوبصورت اور جوان لڑکی پر رہزن اور ڈاکو رحم نہیں کیا کرتے لیکن لڑکی کے چہرے پر تشدد اور بے رحمی کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے کپڑے وہی پہن رکھے تھے جن میں اغوا ہوئی تھی۔ کپڑوں سے بھی کسی مردانہ زیادتی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ ہم نے اس سے سوال پوچھنے شروع کیے تو وہ اس طرح چپ رہی جیسے گونگی ہو۔ اس سے ہمیں یقین ہونے لگا کہ لڑکی پر بہت زیادہ دست درازیاں ہوئی ہیں اور وہ دہشت سے بول نہیں سکتی۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے تو اس سے پوچھ گچھ کریں گے یہی ایک شہادت تھی جس سے ہم ملزم کو پکڑ سکتے تھے۔

جب ہم اٹھنے لگے تو اس کے خاوند نے اسے کہا۔ آؤ اپنے گھر چلیں "___ لڑکی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جس میں حقارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سر ہلایا اور آہستہ سے کہا۔۔۔ "نہیں جاؤں گی"۔۔۔ سنیل دت نے لڑکی کے سر پر ہاتھ

رکھ کر پیار سے پوچھا۔۔۔ "اپنے گھر رہو گی؟"۔۔۔ لڑکی نے دھیمی آواز سے کہا۔۔۔ "اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

دوسرے دن ڈی ایس پی فرانسس کو رپورٹ دی گئی تو اس نے حکم دیا کہ لڑکی نہایت اہم گواہ ہے۔ اگر وہ نہ بولے تو اسے ڈرا دھمکا کر نشاندہی کرنے پر مجبور کرو۔ اسی روز سنیل دت اور میں لڑکی کے گھر گئے۔ اس کے باپ سے پوچھا کہ لڑکی کی ذہنی حالت کیسی ہے؟ اس نے بتایا کہ کسی کے ساتھ بات نہیں کرتی' کل سے چپ ہے۔ اس نے سسرال جانے سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اس کے انکار سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس پر ملکھا کا بھوت سوار ہو چکا ہے۔ خاوند کے خلاف اسے جو نفرت تھی وہ قابل فہم تھی۔ اس موٹے بھدے ہندو میں مردانگی نام کو نہیں تھی۔ اس کی جگہ کوئی دلیر خاوند ہوتا تو اس کی بیوی کو ایک آدمی اتنی آسانی سے اٹھا نہ لے جاتا۔

سنیل دت نے لڑکی کو بلایا اور اس سے پوچھا۔۔۔ تمہیں ملزم کہاں چھوڑ گیا تھا؟" اس نے جواب دیا۔ "میں خود آئی ہوں"۔۔۔ انسپکٹر نے پوچھا۔ "___ کہاں سے؟ اتنے دن کس جگہ رہیں؟"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ کہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر زور سے جھنجھوڑا اور کہا۔۔۔ "دیکھو لڑکی! تم ایک خطرناک ڈاکو کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس جرم کی سزا اتنی ہی ہے جتنی ڈاکے کی ہوتی ہے۔ ہمیں اس کا ٹھکانہ مل گیا ہے۔ وہ کل نہیں تو پرسوں ہمارے حوالات میں بند ہو گا۔ بہتر ہے تم اپنی جان بچاؤ اور کچھ بولو"۔۔۔ لڑکی نے غصے سے میری طرف دیکھا اور کہا۔۔۔ "پھر مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ جاؤ اسے پکڑ لو۔"

سنیل دت سے یہ غلطی ہوئی کہ لڑکی کو حراست میں نہ لیا۔ وہ مجرم کی اعانت کر رہی تھی۔ اس کے رویے میں کوئی شک نہیں تھا۔ وہ فرانسس سے بات کر کے اگلا قدم اٹھانا چاہتا تھا لیکن اگلا قدم اٹھانے سے پہلے ہی لڑکی کے باپ نے ہمیں اطلاع دی کہ رات لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ وہ باپ کے نام مختصر سا خط چھوڑ گئی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں اسی کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

ہمارے لیے بہت بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔ ایک ہی سراغ اور شہادت ملی تھی' وہ بھی غائب ہو گئی۔ اطلاع ملتے ہی سی آئی ڈی نے مخبروں اور بغیر وردی کانسٹیبلوں سے شہر کی ناکہ بندی کر کے محلوں کو چھاننا شروع کر دیا۔ فرانسس نے سنیل دت کو اتنا ڈانٹا کہ گالیاں بھی دے ڈالیں کیونکہ لڑکی کو حراست میں لے لینا ضروری تھا۔ سنیل دت اب پاگلوں کی طرح شہر کی خاک چھان رہا تھا۔

تیسری رات کا ذکر ہے۔ سنیل دت اپنے مکان کے برآمدے میں سویا ہوا تھا۔

صبح آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے سینے پر ایک رومال پڑا ہوا تھا جس کے کونے میں لال دھاگے سے حرف M کاڑھا ہوا تھا۔ رومال کے ساتھ کاغذ کا ایک پرزہ تھا جس پر پنسل سے لکھا تھا۔۔۔ "میری تلاش سے باز آجاؤ۔ جو آدمی تمہارے سینے پر رومال رکھ سکتا ہے وہ سینے میں چاقو بھی مار سکتا ہے۔"

سنیل دت نے یہ رومال اور رقعہ فرانس کو دکھایا۔ مجھے یاد آیا کہ لڑکی کے خاوند نے ہمارے پوچھنے پر بتایا تھا کہ ملزم نے اس کی دکان پر آکر کہا تھا کہ تولیے دکھاؤ لیکن اس نے رومالوں کا ایک ڈبہ اٹھا لیا تھا جس میں بارہ رومال تھے۔ اب یہ رومال اسے دکھایا گیا تو اس نے بتایا کہ یہ اسی کی دکان کا رومال ہے۔ پھر یہ رومال لڑکی کے ماں باپ کو دکھایا گیا تو ماں نے کاڑھے ہوئے حرف M کو غور سے دیکھ کر کہا کہ یہ اس کی بیٹی کی کڑھائی معلوم ہوتی ہے۔ ماں نے اس کے ٹانکے پہچان لیے تھے۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ملکھا شہر میں لڑکی کے ساتھ کہیں گھریلو زندگی بسر کر رہا ہے۔ ہم حیران تھے کہ جو ملزم اچھی طرح جانتا ہے کہ اسے کئی لوگ پہچان چکے ہیں' وہ شہر میں کیوں موجود ہے۔ اسے بھاگ جانا چاہیئے تھا۔

سنیل دت ایک دلیر ہندو تھا۔ وہ ملزم کی دھمکی سے بالکل نہ ڈرا۔ وہ بدستور برآمدے میں ہی سوتا رہا۔ ہمارے کہنے کے باوجود اس نے گھر کے اردگرد پہرہ بھی قبول نہ کیا اپنی حفاظت کا صرف یہ انتظام کیا کہ سرہانے کے نیچے ریوالور رکھ لیتا تھا۔ اس نے شہر کے تمام جرائم پیشہ اور رجسٹرڈ غنڈوں کا ناک میں دم کر دیا۔ عصمت فروشی کے بازار اور مختلف اڈوں پر خود جاتا رہا۔ اس نے ہر ایک نامی گرامی جرائم پیشہ سے کہا کہ ملکھا کو کہہ دینا کہ میں برآمدے میں پہرے کے بغیر سویا کرتا ہوں۔ مجھے چاقو مارنے آئے۔ لیکن ملکھا نہ آیا اور لڑکی کے غائب ہو جانے کے بعد رہزنی کی وارداتیں بھی ختم ہو گئیں۔ تلاش جاری رہی۔ دوسرے بڑے شہروں خصوصاً" پونا اور بمبئی پولیس کو ملزم کے متعلق تمام تر کوائف لکھ دیے گئے۔

آٹھ مہینے گزر گئے اس عرصے میں تین ملکھے پکڑے گئے جن میں اصلی ملکھا ایک بھی نہیں تھا۔ اب ایک اور رپورٹ آئی جس کے مطابق ملزم گھر میں داخل ہوا اور ریوالور رکھ کر نقدی لے گیا۔ جاتے وقت اپنی نشانی چھوڑ گیا۔ یہ اسی سائز اسی کپڑے اور اسی قسم کا رومال تھا جو ملکھا سنیل دت کے سینے پر رکھ گیا تھا۔ اس پر بھی حرف M لال دھاگے سے کاڑھا ہوا تھا۔ یہ رومال بھی لڑکی کی ماں کو دکھایا گیا تو اس نے کڑھائی پہچان کر کہا کہ یہ اس کی بیٹی کا ٹانکا ہے۔ یہ رومال گواہی دے رہا تھا کہ ملکھا پھر واپس آگیا ہے۔ پولیس نے ایک بار پھر بغیر وردی شاف کو گلیوں اور مضافاتی آبادیوں میں پھیلا دیا۔

ڈی ایس پی فرانس نے پولیس کی تاریخ میں پہلی بار یہ انتظام کیا کہ چھوٹے چھوٹے اشتہار چھپوائے جن پر لڑکی کی دو تصویریں دی گئیں اور اشتہاروں پر لکھا گیا کہ اس لڑکی کا اتا پتا بتانے والے کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ یہ اشتہار سارے شہر کے ہر ایک محلے میں تقسیم کیے گئے۔ ملکھا کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ پولیس سٹیشن میں اس کی انگلیوں کے نشان ریکارڈ میں تھے۔ بڑے اشتہار بھی چھپوائے گئے جس پر لڑکی کی دونوں تصویریں دی گئیں۔ بڑے اشتہار دیواروں پر لگائے گئے۔ لڑکی کے باپ نے گورنر کو درخواست بھیجی کہ پولیس نے سراغرسانی سے بچنے کے لیے اشتہاروں کے ذریعے مجھے بدنام کر دیا ہے۔ اب سارے شہر کو پتہ چل گیا ہے کہ میری بیٹی ایک ڈاکو کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔

گورنر نے فرانس سے جواب طلبی کی تو فرانس نے تحریری جواب دیا کہ میرے سامنے ایک باپ کی عزت کا مسئلہ نہیں بلکہ پولیس کے محکمے کی غیرت اور پٹنہ کے شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ لڑکی مجرم ہے۔ اس نے اشتہاری ڈاکو کو بچانے کی کوشش کی ہے اور دانستہ پولیس نے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ گورنر نے اسی مضمون کا جواب لڑکی کے باپ کو دے دیا۔

اشتہاروں کا یہ اثر ہوا کہ ایک بوڑھا پارسی ہمارے دفتر میں آیا اور بتایا کہ آٹھ نو مہینے گزرے یہ لڑکی اپنے خاوند کے ساتھ اس کے فلیٹ میں آئی تھی۔ انہوں نے دو کمرے کرائے پر لیے تھے اور دو مہینے بعد چلے گئے تھے۔ اس نے لڑکی کے خاوند کا جو حلیہ بتایا وہ ملکھا کا تھا۔ ناک کے قریب موٹے تل کا بھی پارسی نے ذکر کیا۔ کرایہ نامہ دیکھا تو اس پر آدمی کا نام محمد احمد لکھا تھا پارسی کو لڑکی کا نام معلوم نہیں تھا۔ فلیٹ میں رہنے والے دوسرے کرایہ داروں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ لڑکی نجمہ احمد کہلاتی تھی تمام کرایہ داروں نے جن میں مرد اور عورتیں شامل تھے' بیان دیا کہ دونوں میں بیوی ملنسار اور ہنس مکھ تھی۔ وہ کسی پہلو بدکردار یا بداخلاق نہیں تھے۔ لڑکی باہر بالکل نہیں نکلتی تھی۔ فلیٹ کی لڑکیاں اکثر اس کے گھر جمع ہو کر ہنستی کھیلتی رہتی تھیں۔ اس کا خاوند مردوں میں ہردلعزیز تھا۔

جب لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ تو خطرناک رہزن تھا اور لڑکی اس کے ساتھ گھر سے بھاگی ہوئی تھی تو کسی آدمی یا عورت نے یہ الزام تسلیم نہ کیا۔ سب نے کہا کہ یہ میاں بیوی بہت ہی نیک تھے اور جب وہ چلے گئے تھے تو ان کے پڑوسیوں کو بہت افسوس ہوا تھا۔ پڑوسیوں نے ہمارے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ ان کے جانے کے پندرہ بیس روز پہلے ان کے پاس ایک جوان سال آدمی نے آنا جانا شروع کیا تھا۔ وہ اکثر

رات کے وقت آیا کرتا تھا اور بہت دیر بعد جایا کرتا تھا۔ جب محمد احمد اور نجمہ کمرے خالی کر گئے تو دونوں کمرے ان کے اس دوست نے کرائے پر لے لیے تھے لیکن ایک ہی مہینہ رہ کر چلا گیا تھا۔ اس آدمی کا حلیہ محمد احمد یا ملکھا سے بہت مختلف تھا۔ عمر پانچ چھ سال زیادہ تھی چہرے سے مریض سا معلوم ہوتا تھا۔ جسم دبلا پتلا تھا۔

فلیٹ کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس نے اس آدمی کو اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔ فلیٹ سے چلے جانے کے بعد اس نے اس آدمی کو دو دفعہ دیکھا ہے۔ دونوں دفعہ ایک ہی جگہ دیکھا تھا۔ ہم وہاں گئے تو یہ غریب مزدوروں کی بستی تھی۔ جہاں لوگ ایک ایک کمرے کے کوارٹروں میں رہتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جہاں اس آدمی کو دیکھا گیا تھا۔ دکانداروں کو اس کا حلیہ بتا کر پوچھا تو بڑی مشکل سے معلوم ہوا کہ وہ اسی علاقے کے کسی کوارٹر میں رہتا ہے لیکن سارے دن کی تلاش کے باوجود اس کا سراغ نہ ملا۔ کوئی کوارٹر خالی نہیں تھا۔ چھ سات دن پولیس ہر ایک کوارٹر کے رہنے والوں سے پوچھ گچھ کرتی رہی لیکن یہ آدمی نہ ملا۔

اب یہ تازہ رپورٹ آئی تو ہم نے رپورٹ درج کرانے والے سے اس آدمی کا حلیہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس نے چہرے پر رومال لپیٹ رکھا تھا اور جسم دبلا پتلا تھا۔ آنکھیں زرد تھیں اور اندر کو دھنسی ہوئی جس طرح مریضوں کی ہوتی ہیں اس آدمی نے اس لیے وثوق سے یہ حلیہ بیان کیا تھا کہ اس نے نقدی اس کے حوالے کرنے سے پہلے بلب جلا دیا تھا۔

پولیس نے کوارٹروں کی بستی میں مخبر چھوڑ دیے اور بدکاری جوا بازی اور چرس افیون وغیرہ کے اڈوں پر خفیہ طور پر جال بچھا دیا۔ اس جال میں ان اڈے چلانے والوں کو استعمال کیا جا رہا تھا دس روز تک کوئی حوصلہ افزا خبر نہ ملی۔ گیارھویں روز ایک کوٹھی میں رہنے والے ایک آدمی نے رپورٹ درج کرائی کہ آدھی رات کے وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس طرح آواز آئی جیسے کھڑکی کا کواڑ ہوا سے کھل کر دیوار سے ٹکرایا ہو۔ کھڑکی کی چٹخنی اندر سے بند تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کھڑکی میں سے اندر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ جس کی روشنی میری آنکھوں میں پڑی اور آواز آئی--- "خاموشی سے نقدی میرے حوالے کر دو میرے پاس ریوالور ہے"--- ٹارچ کی روشنی میں ریوالور سامنے آگیا۔ میری بیوی بھی جاگ اٹھی۔ اسے اس آدمی نے کہا--- "شور نہ مچانا' میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا ورنہ دونوں مارے جاؤ گے۔"--- گھر میں سات سو روپے سے ذرا زیادہ رقم تھی جو اس کے حوالے کر دی گئی اور وہ اسی کھڑکی کے راستے نکل گیا۔

اس واردات میں دو سراغ مل گئے۔ ایک یہ کہ دو تین روز پہلے کھڑکیوں اور دروازوں پر سبز روغن کیا گیا تھا۔ جس کھڑکی کے راستے وہ اندر آیا تھا۔ اس کا ایک شیشہ اوپر سے اور ایک نیچے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ شیشے توڑ کر اس نے اندر کی دونوں چٹخنیاں کھولی تھیں۔ تازہ روغن پر وہ تین انگلیوں کے بڑے ہی واضح نشان چھوڑ گیا تھا۔ یہ نشان ملکھا کے نشانات سے ملائے گئے تو مختلف نکلے۔ دوسرا سراغ یہ ملا کہ کوٹھی والے نے پوچھنے پر بتایا کہ جو نقدی چور لے گیا ہے اس میں دس روپے کا ایک نوٹ ایسا ہے جس پر اس نے یادداشت کے طور پر لکھا تھا۔ S-35-a-20--- اس نے ایشر اور سہا سے نام کے دو آدمیوں کو بیس اور پینتیس روپے دیے تھے اور ایک نوٹ پر لکھ لیا تھا تاکہ گھر آکر ڈائری میں لکھ لے۔

اب واردات کی تفتیش انسپکٹر کشن پال کے پاس تھی۔ ڈی ایس پی فرانس اس کیس میں اس قدر ذاتی دلچسپی لے رہا تھا کہ وہ ہر وہ قدم اٹھانے کو تیار ہو جاتا تھا جو اس سے پہلے پولیس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ مثلاً نوٹ کی تحریر کے متعلق سنتے ہی اس نے سی آئی ڈی کا تمام تر عملہ اور دوسری پولیس کی زیادہ سے زیادہ نفری بدکاری اور جوئے بازی وغیرہ کے اڈوں پر پھیلا دی۔ واردات رات کے بارے بجے کے قریب ہوئی تھی اور دن کے بارہ بجے پولیس ہر اس جگہ پہنچ گئی تھی جہاں جرائم پیشہ لوگ واردات کے بعد جاتے ہیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب ایک آدمی کو پکڑنے کے لیے سارے شہر کی پولیس کو استعمال کیا جا رہا تھا۔ پولیس کے افسروں اور دیگر اہل کاروں نے فرانس کی ہدایت کے مطابق ہر اڈے پر جا کر ایک ہی مطالبہ کیا کہ رات کی آمدنی دکھاؤ۔

عصمت فروشی کے اڈے سے یہ نوٹ مل گیا۔ طوائف ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔ اسے جگا کر رات کی آمدنی مانگی گئی تو اس نے بہت سے نوٹ سرہانے کے نیچے سے نکال دیئے اور اس کے ایک آدمی نے تین نوٹ اپنی جیب سے نکال دیئے۔ ان میں سے ایک نوٹ پر کھا تھا--- S-33-A-20 طوائف اور اس کے آدمی سے پوچھا گیا کہ یہ نوٹ کس نے دیا تھا۔ وہ نہ بتا سکے۔ یہ بتانا ان کے لیے ناممکن تھا۔ یہ طوائف اونچے درجے کی تھی جس کے پاس روپے پیسے والے چند ایک لوگ آیا کرتے تھے۔ اسے یاد دلانے کی کوشش کی گئی تو اس نے بتایا کہ سب سے آخر میں رات کے ایک بجے کے قریب اس کے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ وہ شکل و صورت اور لباس سے غریب معلوم ہوتا تھا لیکن اس نے جیب سے بہت سے نوٹ نکالے جن میں سے دس روپے کا ایک نوٹ طوائف کے آدمی کو دیا اور چالیس روپے طوائف کو دیئے۔ اس کا حلیہ ملزم سے ملتا تھا۔

طوائف نے دماغ پر زور دیا تو اس نے کہا کہ مجھے یاد آتا ہے کہ آٹھ دس روز

پہلے بھی یہ آدمی میرے پاس آیا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ اس کی پہلی واردات والی رات کا واقعہ ہے۔ ہم نے طوائف سے دس کا یہ نوٹ لے لیا اور اسے ساری بات بتا کر کہا کہ یہ آدمی پھر کبھی تمہارے پاس آئے تو اپنے آدمی کو بھیج کر قریبی تھانے میں اطلاع کر دینا۔ اب ہم یہ سوچ رہے تھے کہ وہ M والا رومال اس آدمی کے پاس کس طرح آیا۔

یہ نوٹ فرانسس کو دکھایا گیا تو اس نے کہا کہ اگر رات کے وقت ہی واردات کی کوئی اطلاع ملے تو وقت ضائع کیے بغیر اس طوائف کے گھر کو گھیرے میں لے لو۔ سٹاف کا کوئی آدمی وردی نہ پہنے۔ ہر ایک کے پاس ریوالور ہونا چاہیے۔ یہ حکم نامہ ساری پولیس کو جاری کر دیا گیا۔ ہمیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ تیسری رات بارہ بجے سے ذرا بعد پولیس سٹیشن سے ٹیلی فون آیا کہ فلاں جگہ سے بذریعہ فون رپورٹ ملی ہے کہ ایک آدمی کھڑکی میں سے اندر داخل ہوا۔ اس نے گھر کے آدمی کو جگایا' آنکھوں میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور ریوالور دکھا کر تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ لے گیا ہے۔

سی آئی ڈی میں اس کیس کے لیے آدمی ڈیوٹی پر رہتے تھے۔ اطلاع ملتے ہی میں نے ایک کانسٹیبل کو انسپکٹر کشن پال کے گھر بھیجا اور پیغام دیا کہ ڈی ایس پی کو اطلاع دے کر عصمت فروشی کے بازار میں پہنچ جائے۔ میں نے چھ کانسٹیبل پستولوں سے مسلح کر کے ساتھ لیے اور ہم بھاگتے دوڑتے اس طوائف کے گھر کے اردگرد پھیل گئے۔ وہ دوسری منزل میں رہتی تھی۔ اس کے کمرے کی کھڑکیوں سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد ایک آدمی تیزی سے آتا دکھائی دیا۔ میں اندھیرے میں کھڑا تھا۔ اس نے سیڑھیوں کے قریب کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس کی ڈیل ڈول ملزم سے ملتی جلتی تھی۔

وہ اوپر چلا گیا تو میں نے اپنے آدمیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا کیا اتنے میں انسپکٹر کشن پال آ گیا۔ دیکھا کہ جیپ میں ڈی ایس پی فرانسس بھی تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ شکار جال میں آ گیا ہے۔ گھر کا دروازہ بند تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر کھسر پھسر سنائی دی۔ ہم نے دروازہ پھر کھٹکھٹایا تو اندر سے قدموں کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ دروازہ پھر بھی نہ کھلا۔ ہم دونوں نے مل کر دروازے کو زور زور سے دھکے دینے شروع کر دیئے۔

دروازہ کھل گیا۔ ہمارے سامنے طوائف کھڑی تھی ہم اسے دھکیل کر اندر چلے گئے۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ طوائف سے پوچھا کہ وہ آدمی کہاں ہے جو ابھی اوپر آیا تھا؟ اس نے حیران ہو کر کہا کہ یہاں تو کوئی نہیں آیا۔ کشن پال نے اس کے منہ پر پورے زور سے تھپڑ مارا اور کہا۔۔۔ "جلدی بتاؤ"۔۔۔ دوسرے کمرے سے اس کا آدمی آیا تو

اس نے ہمارے پوچھنے کے بغیر ہی کہا۔۔۔ "جناب' ہم تو سوئے ہوئے تھے"۔۔۔ فوراً ہمیں کھڑکی سے باہر ایسی آواز آئی جیسے کوئی گرا ہو۔ بھاگ کر کھڑکی کھولی تو دیکھا کہ اس طرف ٹین کی چھت تھی جو کھڑکی سے چار پانچ گز نیچے تھی۔ وہ آدمی شاید کھڑکی سے باہر کی طرف لٹک رہا تھا اور وہاں سے اس نے نیچے چھلانگ لگائی تھی۔ نیچے تنگ گلی تھی۔ اس طرف ہمارے دو آدمی موجود تھے۔ ملزم نے نہایت تیزی سے اس طرف گلی میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے اوپر سے اپنے آدمیوں کے نام پکارے۔ معاً بعد میں اور کشن پال کھڑکی سے کود کر ٹین کی چھت پر گرے اور وہاں سے گلی میں جا پڑے۔

بدقسمتی سے ہمارے آدمی ذرا دور تھے۔ وہ دوڑے چلے آ رہے تھے۔ میں اور کشن پال ملزم کے پیچھے دوڑے۔ وہ بہت تیز ثابت ہوا' ایک گلی کا موڑ مڑ گیا۔ ہم اس گلی میں اتنی جلدی پہنچ گئے کہ اسے ایک مکان میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ ہم دروازے تک پہنچے تو دروازہ اندر سے بند ہو چکا تھا۔ ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو عین اوپر مکان کی کھڑکی سے ہم پر ریوالور کی گولی چلی جو ہمارے ایک کانسٹیبل کے کندھے میں داخل ہو کر پھیپھڑوں سے بھی گزر گئی اور پیٹ میں جا رکی۔ یہ ہندو کانسٹیبل وہیں ڈھیر ہو گیا۔ گولی کی آواز کے ساتھ ہی ہمیں عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دیں جن سے ہمیں یہ تسلی ہو گئی کہ اس گھر میں اس کا کوئی حمایتی نہیں لیکن یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ملزم گھر کے افراد پر گولی چلا دے گا۔

کشن پال سامنے کے مکان میں داخل ہو گیا اور دوسری منزل پر چلا گیا۔ ہم ملزم والی کھڑکی کے عین نیچے دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اچانک بالمقابل مکان سے دو گولیاں چلیں اور کشن پال کی آواز سنائی دی۔۔۔ "مار لیا"۔۔۔ وہ بھاگتا نیچے آیا اور اس مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا جس میں ملزم داخل ہوا تھا۔ دروازہ کھل گیا۔ جس آدمی نے دروازہ کھولا تھا وہ سخت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے ریوالور ہمارے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اوپر آیئے۔ وہ اب اٹھ نہیں سکتا۔ وہ ہمیں اوپر لے گیا۔ اس کی راہنمائی میں ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ ملزم فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے کندھے اور ایک بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ کمرے کے کونے میں ایک عورت دو بچوں کو پناہ میں لیے خوفزدہ حالت میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔

یہ آدمی جو ہمیں اوپر لے گیا تھا حامد اللہ تھا۔ وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ کمرے میں تھا کہ ملزم داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے ان پر ریوالور سیدھا کیا۔ اس نے انہیں کہا کہ ایک کونے میں بیٹھ جاؤ۔ اگر کوئی ہلا تو اسے گولی مار دوں گا۔ اس نے کھڑکی کھولی اور ایک گولی چلائی۔ عورت اور اس کے بچے ڈر سے چیخ اٹھے۔ حامد اللہ

بھی کونے میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ گولی چلا کر ملزم کھڑکی کی اوٹ میں ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حامد اللہ سے کہا کہ بتی بجھا دو۔ وہ بجھانے کے لیے اٹھا اور ملزم کھڑکی کے سامنے ہو گیا۔ بتی ابھی بجھی نہیں تھی کہ سامنے کے مکان سے دو گولیاں چلیں۔ ملزم کے ہاتھ سے ریوالور گر پڑا اور وہ خود دو تین قدم پیچھے کو گرا۔ حامد اللہ نے پھرتی سے ریوالور کو ٹھڈ مار کر اسے سے دور کر دیا اور ریوالور اٹھا کر باہر کو بھاگا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ہم اوپر چلے گئے۔

تیرتھ رام کانسٹیبل فوراً ہی مر گیا تھا۔ اس کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی اور ملزم کو ہسپتال لے جانے سے پہلے جامہ تلاشی لی۔ وہ مکھا نہیں تھا۔ اس کے جیب سے چند آنے برآمد ہوئے۔ اس کے پاس ڈیڑھ ہزار روپیہ ہونا چاہئے تھا۔ وہ ایک ہی گھنٹہ پہلے واردات کر کے آیا تھا۔ کشن پال نے مجھے کہا کہ طوائف اور اس کے آدمی کو گرفتار کر کے اس کے گھر کی تلاشی لو۔ ملزم کی جیب سے ایک رومال ملا جس کے کونے پر حرف M کاڑھا ہوا تھا۔ وہ ہوش میں تھا۔ اسے ایک گولی دائیں بازو پر لگی تھی اور دوسری سے ہنسلی ٹوٹ گئی اور کندھا زخمی ہوا تھا۔ زخم مہلک نہیں تھے۔

ملزم کو ہسپتال لے گئے اور ہم نے ڈی ایس پی فرانس کے زیر نگرانی طوائف اور اس کے آدمی کو حراست میں لے کر گھر کی تلاشی لی تو گندے کپڑوں کے نیچے سے ڈیڑھ ہزار روپے کی رقم برآمد ہوئی۔ طوائف اور اس کے آدمی کو سی آئی ڈی کے دفتر میں لے گئے تو طوائف سے فرانس خود پوچھ گچھ کرنے لگا۔ طوائف بالکل ڈری یا گھبرائی ہوئی نہیں تھی۔ کہنے لگی کہ زیادہ جرح کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ پہلے بھی دو دفعہ میرے پاس آیا تھا لیکن مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا پیشہ کیا ہے۔ مجھے لوگوں کے پیسے کے ساتھ دلچسپی ہوتی ہے۔ خواہ وہ کسی کی جیب کاٹ کر لائیں یا حق حلال کی کما کر لائیں۔ جب پولیس نے میرے آدمی سے نشان والا دس روپے کا ایک نوٹ برآمد کر کے مجھے کہا تھا کہ یہ آدمی خطرناک ڈاکو ہے اگر وہ پھر میرے پاس آئے تو میں فوراً پولیس کو اطلاع کر کے اسے گرفتار کراؤں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ایسا ہی کروں گی۔ مجھے اس وقت پتہ چلا تھا کہ وہ ڈاکو ہے۔

طوائف نے بیان دیا--- ”میں نے اپنے آدمی سے کہہ دیا تھا کہ ہم اسے گرفتار نہیں کرائیں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ آئے گا تو اسے کہہ دوں گی کہ یہاں نہ آیا کرے کیونکہ پولیس تمہارے پیچھے یہاں تک آچکی ہے۔ لیکن وہ آیا تو پولیس اس کے فوراً بعد آگئی۔ جونہی دروازہ کھٹکا میں سمجھ گئی کہ پولیس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں اسے ابھی بتا نہیں سکی تھی۔ دروازے کی آواز پر اس نے دھیان نہ دیا۔ میں نے

اسے کہا کہ پولیس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پولیس تمہارے پیچھے پہلے بھی یہاں آچکی ہے۔ تم کھڑکی کے راستے نکل جاؤ۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ نیچے ٹین کی چھت ہے وہاں سے آسانی سے گلی میں کود جاؤ گے۔ وہ کھڑکی کی طرف چلتے ہوئے رک گیا اور پوچھنے لگا کہ تو مجھے دھوکا تو نہیں دے رہی؟ مجھے ٹالنے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرو۔ یاد رکھو میرے پاس ریوالور ہے۔ میں نے اسے کھڑکی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا کہ بدبخت بھاگ جا۔ کیوں تیری موت آئی ہے۔ وہ پھر رک گیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ پولیس ہے تو میں تم عورت ذات کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا ورنہ تم پکڑی جاؤ گی۔ میں نے کھڑکی کھول کر اسے باہر کر دیا۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ اس سے پہلے اس نے جیب سے بہت سارے نوٹ نکال کر میری طرف پھینکے تھے اور کہا تھا کہ اگر مجھے بچاتے بچاتے تم پکڑی جاؤ تو ان پیسوں سے مقدمہ لڑنا۔ میرے آدمی نے نوٹ سمیٹ لیے اور ملزم کھڑکی سے اس وقت کودا جب پولیس اندر آچکی تھی۔“

فرانس نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ طوائف کا ملزم کے ساتھ گہرا تعلق ہو گا‘ اس پر بہت جرح کی جس سے تنگ آکر طوائف نے کہا۔ ”جناب‘ میں آپ کو صاف صاف بتا دیتی ہوں کہ مجھے چور اچکوں کے ساتھ بہت ہی ہمدردی ہے۔ مجھے ان لوگوں سے نفرت ہے جو آپ کے سامنے نیک پاک اور سوسائٹی کے معزز افراد بنے پھرتے ہیں۔ آپ بھی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی لوگ رات کے اندھیرے میں میرے گھر آجاتے ہیں۔ ان کے پاس حرام کی کمائی ہوتی ہے لیکن وہ آپ کی نظروں میں بے گناہ اور معزز شہری ہیں۔ آپ انہیں کیوں نہیں پکڑتے؟ چور اچکے انہی لوگوں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ میں بھی انہی لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتی ہوں۔ میں پیدائشی طوائف نہیں ہوں۔ مجھے طوائف بنایا گیا ہے۔ اس وقت آپ کے قانون نے میری کوئی مدد نہیں کی تھی۔ میں آپ کے قانون کی کوئی مدد نہیں کرنا چاہتی۔ اسی لیے میں نے ملزم کو بھاگنے میں مدد دی ہے۔“

فرانس کے کہنے پر طوائف نے ساری بات بتائی کہ وہ کس طرح طوائف بنی تھی۔ وہ ہندوؤں کی بچپن کی شادی کی رسم کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی عمر آٹھ سال تھی اور خاوند کی عمر اٹھارہ سال۔ خاوند اسے بارہ سال کی عمر میں اپنے گھر لے گیا۔ وہ عیاش اور دولت مند آدمی تھا۔ لڑکی کے ماں باپ نے دولت کے لالچ میں ہی اسے بیٹی دی تھی۔ بارہ سال کی عمر میں خاوند نے اسے دوستوں میں بیٹھ کر شراب پلانی شروع کی جب وہ سولہ سال کی ہوئی تو اسے خاوند کا ایک دوست لے اڑا۔ دو سال بعد اسے پٹنہ کے عصمت فروشی کے اڈے تک پہنچا دیا گیا۔

ڈی ایس پی فرانس بڑا ظالم افسر تھا لیکن جس لب و لہجے میں طوائف نے اپنی داستان سنائی اس سے فرانس کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ اس نے ہندوؤں کو خوب گالیاں دیں جو معصوم بچیوں کو دولت پر قربان کر دیتے ہیں۔ اس نے طوائف سے کہا کہ عدالت میں وہ بیان دے کر ملزم اس کے کمرے میں ابھی داخل ہی ہوا تھا کہ پیچھے پولیس آگئی اور ملزم کھڑکی سے کود گیا۔ ہم حیران تھے کہ فرانس جیسا سخت افسر ایک طوائف کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ طوائف ملزم کو گرفتار کرا دیتی تو ہمارا ایک کانسٹیبل ہلاک نہ ہوتا۔ طوائف کو اعانت جرم میں دو سال سے زائد سزائے قید ہو سکتی تھی۔ فرانس رشوت لیے بغیر رحم نہیں کیا کرتا تھا۔ معلوم یہی ہوتا تھا کہ وہ اس نوجوان اور خوبصورت طوائف کی دردناک کہانی سے بہت متاثر ہوا ہے۔

ملزم چار پانچ دنوں بعد بیان دینے کے قابل ہو گیا۔ وہ قاتل تھا۔ پھانسی کے تختے سے اسے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی۔ اس نے اقبال جرم میں ذرہ بھر پریشان نہ کیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس کے پاس حرف M والے رومال کس طرح آئے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ایسے چار رومال اسے ملکھا نے دیے تھے اور ڈکیتی کا طریقہ بھی اسی نے سکھایا تھا۔ ملکھا نے کہا تھا کہ کبھی کبھی موقعہ واردات پر یہ رومال پھینک آیا کرنا تاکہ پولیس سمجھے کہ یہ واردات ملکھا نے کی ہے۔ اس طرح تم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے ایسا ہی جو ایک رومال انسپکٹر سنیل دت کے سینے پر رکھا تھا۔ اس سے پولیس کو ملکھا کی پکی نشانی کا علم ہو گیا ہے۔

ملکھا کے متعلق اس نے بتایا کہ وہ خوش طبع اور رحم دل انسان ہے اس سے زیادہ وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ نہ ہی اس کے مذہب کے متعلق کچھ بتا سکا۔ ملزم غریب آدمی تھا۔ ایک بار ذرا سی بات پر کسی کھاتے پیتے آدمی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ اس آدمی نے ملزم کو زدوکوب کیا جس کے جواب میں ملزم نے اینٹ اٹھا کر اس کو دے ماری۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا کہ اس سے زیادہ چوٹیں تو ملزم نے کھائی تھیں۔ اسے تھانے لے گئے اور غربت کی وجہ سے قانون نے روپے پیسے والے کا ساتھ دیا اور ملزم کو چھ مہینے سزائے قید ہو گئی۔ جیل میں اس کی ملاقات ملکھا سے ہوئی تھی۔ ملکھا واحد قیدی تھا جس نے ملزم کی درد بھری کہانی سن کر اس کے ساتھ ہمدردی کی تھی۔ ملزم کے بیان کے مطابق ملکھا نے فرار سے ایک دن پہلے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کل آزاد ہو جائے گا۔ اس سے ایک دو روز بعد ملزم کی سزا بھی پوری ہو رہی تھی۔ ملکھا نے اسے کہا تھا کہ مجھے شام کے بعد سبزی چوک میں ملنا۔

جب ملزم جیل سے نکلا تو اسے ملکھا وعدے کے عین مطابق مل گیا۔ اس نے

ملزم سے کہا کہ زندہ رہنا چاہتے ہو تو جرائم پیشہ بن جاؤ۔ ملزم پہلے ہی بھڑکا ہوا تھا۔ وہ ملکھا کا شاگرد بن گیا۔ پہلی دو وارداتوں میں وہ ملکھا کے ساتھ تھا لیکن ذرا دور سے دیکھتا رہا تھا کہ وہ شکار پر کس طرح وار کرتا ہے۔ ملزم نے بتایا کہ جس وقت اس نے ہندو لڑکی کو اٹھایا تھا' اس وقت وہ گلی کی نکڑ پر کھڑا تھا۔ ملکھا لڑکی کو اٹھا کر وہاں پہنچا تو میں نے ہوا میں ریوالور فائر کیا تھا۔ لڑکی ڈر کے مارے چپ رہی تھی اور خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑی تھی۔ ہم نے لڑکی کو اپنے مکان میں رکھا تھا۔ ملزم نے مکان کا پتہ بھی بتایا اور کہا کہ وہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس رات ہم نے ایک انگریزی پکچر دیکھی تھی جس میں ایک آدمی ایک لڑکی کو اس کے خاوند کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اٹھا لے جاتا ہے۔ وہ لڑکی کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتا ہے کہ لڑکی اس سے محبت کرنے لگتی ہے ملکھا کو یہ سین بہت پسند آیا اور کہنے لگا کہ آؤ ہم بھی اسی طرح کسی لڑکی کو اٹھائیں۔ پکچر دیکھ کر ہم دونوں گلیوں میں گھومنے لگے۔ تو یہ جوڑا نظر آگیا۔ اس کے بعد لڑکی نے پکچر کی کہانی مکمل کر دی۔

ملکھا نے لڑکی کو پہلی بات یہ کہی تھی کہ تمہاری عزت پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ میں تمہارے بدلے پانچ ہزار روپیہ حاصل کروں گا پھر تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا۔ صرف ایک روز لڑکی پر خوف طاری رہا لیکن ملکھا نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے لڑکی اتنی متاثر ہوئی کہ ملکھا کے ساتھ بہت ہی بے تکلف ہو گئی۔ چھٹے ساتویں روز لڑکی نے ملکھا کو یہاں تک کہہ دیا کہ میں گھر چلی جاتی ہوں اور بہت سا زیور اور روپیہ چرا لاؤں گی۔ تم وعدہ کرو کہ مجھے کسی اور شہر میں لے جاؤ گے اور کوئی باعزت کاروبار کرو گے۔ دراصل لڑکی اپنے خاوند سے بہت نفرت کرتی تھی۔ ملکھا نے لڑکی کی بات نہ مانی اور ایک روز اس نے لڑکی کو کہا کہ چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ میرا مطلب حل ہو گیا ہے۔ لڑکی نے پہلے تو کہا کہ میں نہیں جاؤں گی۔ جب ملکھا زبردستی کرنے لگا تو اس نے ملکھا کو گالیاں دیں اور کہا کہ تم مرد نہیں ہو۔ ملکھا نے اسے کہا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتا ہے۔

لڑکی کے والدین نے پولیس کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ لڑکی نقدی اور زیورات چرا کر لے گئی ہے۔ ملزم کے بیان کے بعد ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ چوری کے ذکر سے ان کی اور زیادہ بدنامی ہوتی تھی۔

ملزم نے بتایا کہ ملکھا نے فلیٹ میں دو کمرے کرائے پر لے لیے تھے اور لڑکی کی وجہ سے وارداتیں کرنی چھوڑ دی تھیں۔ اس نے ملزم کو ٹریننگ دے دی اور اسے چار رومال دیئے۔ ہر رومال کے کونے پر لڑکی نے لال دھاگے سے حرف M کاڑھا ہوا تھا۔

ملکھا نے ملزم کو ہدایت کی تھی کہ کسی کسی واردات میں وہ ایک رومال وہاں پھینک آیا کرے تاکہ پولیس یہ سمجھے کہ یہ واردات ملکھا نے کی ہے۔ اسی ہدایت کے مطابق وہ پہلی واردات میں رومال کمرے میں پھینک آیا تھا اور پولیس ملکھا کو ڈھونڈتی رہی تھی۔

ملزم نے بتایا کہ لڑکی ملکھا کی پوجا کرتی تھی۔ جب پولیس کا گھیرا تنگ ہونے لگا تو ایک رات وہ لڑکی کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ ملزم کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ کہیں دور جا کر باعزت کاروبار کرے گا۔

ملزم مقدمے کے دوران ہی مر گیا تھا کیونکہ اس کے کندھے کے زخم میں پیپ پڑ گئی تھی۔ بروقت علاج نہ ہونے کی وجہ سے پیپ پھیپھڑوں تک پہنچ گئی تھی۔ برصغیر کی تقسیم تک پولیس کو ملکھا نہیں مل سکا تھا۔ دراصل پٹنہ کی پولیس نے اس کی تلاش میں دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔

کربناک راتیں

چاند کی زرد روشنی ہر طرف پھیل رہی تھی۔ چاند کو ابھرے ہوئے ابھی چند ہی لمحے ہوئے تھے اور اب وہ جھیل کے اس پار چمک رہا تھا۔ سیما جس گھڑی اندر داخل ہوئی اس کی ایک کرن نے آگے بڑھ کر اس کے بالوں پر ایک زرد پیلا جال سا بن دیا لیکن اس کے اترے ہوئے چہرے پر جو چمک تھی وہ چاند کی نہ تھی' بلکہ اس سے خوف عیاں تھا۔ "تم کچھ پریشان ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں!" وہ آہستہ سے بولی۔ "وہ یقیناً" ایک بھیڑیا تھا۔" میں نے منہ سے پائپ نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر آرام کرسی سے اٹھتا ہوا اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

اس دوران وہ متواتر ہانپتی ہوئی سی مجھے گھورے جا رہی تھی..... میں سمجھا نہیں...... تم کیا کہہ ہو۔

وہ خوفناک بھیڑیا تھا۔ جنگل میں وہ کافی دور تک میرا تعاقب کرتا رہا تھا۔ مجھ میں ہمت نہ تھی کہ مڑ کر دیکھتی کہ اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اس کے پنجوں کی آواز صاف سن رہی تھی اور پھر اچانک وہ غرایا تھا اور میں بھاگ اٹھی تھی۔"

"خوب!" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ جواب میں اس نے نظریں جھکالیں اس کے چہرے پر اب تک خوف کے آثار تھے۔

"کیبن کے قریب بھیڑیا!" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں میں معلوم نہیں کہ اس علاقے میں جنگلوں میں دور دور تک بھیڑیے ناپید ہیں۔ پچھلے بیس سال سے ادھر کبھی کوئی بھیڑیا نہیں دیکھا گیا تمہیں یقین نہ ہو تو بوڑھے چوہدری کی دکان پر جا کر معلوم کر لو۔" "اگر میں نے اسے دیکھا تو پھر وہ بھیڑیئے کا بھوت ہو گیا۔"

سیما نے جھکی جھکی نظروں کے ساتھ کہا۔

مجھے اس کی سادگی پر ہنسی بھی آئی اور جھنجھلاہٹ بھی۔

"اب تم جاہلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے اسے جھڑکا۔

اچانک اس نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو واقعی تم نے کچھ نہیں سنا۔ وہ گذشتہ رات بھی ہمارے کیبن کے اردگرد منڈلا رہا تھا۔"

"خوب!" میں طنزاً کہا۔ "مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں سنا۔" پھر کچھ رک کر میں نے اسے سمجھایا۔ "میرا خیال ہے۔ تم میری لکھی ہوئی خوفناک کہانیاں بہت زیادہ پڑھنے لگی ہو۔"

چائے کی پیالی کو گھورتے ہوئے سیما نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے اس بھیڑیئے کی چال کو کبھی نہیں سنا' اور مجھے اس پر بھی حیرت ہے کہ جنگل میں بھی تمہیں وہ کبھی نظر نہیں آیا۔ کیا سچ مچ؟" اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے تو آج تک کوئی بھیڑیا یہاں نہیں دیکھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے آنے سے ایک مہینے قبل ہی سے یہاں مقیم ہوں تاکہ اپنا ناول سکون سے مکمل کر سکوں۔ مجھے تو یہاں نہ کوئی بھوت دکھائی دیا ہے نہ جن۔ نہ جانور نہ بھیڑیا۔ مگر میرا خیال ہے میں نے ایک بار جنگل میں ایک سرخ ہاتھی ضرور دیکھا تھا۔" میں نے آخری جملہ مذاقاً" بڑھا دیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ مسکرائے گی مگر وہ سنجیدہ ہی رہی۔

"شاید میں نے تمہیں یہاں بلا کر غلطی کی ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال تھا تم دور تک پھیلے ہوئے جنگل' وسیع و عریض جھیل اور کوسوں پرے سے دکھائی دینے والی' پہاڑیوں کے مناظر کو بہت پسند کرو گی۔ شہروں میں رہنے والے ایسے مناظر کو ترستے رہتے ہیں مگر مجھے تعجب ہے....."

"گویا تم مجھ کو پاگل سمجھ رہے ہو۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"نہیں' یہ بات نہیں ہے۔" میں نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم کیا سمجھ رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "ایسا سب کے ساتھ کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر اس کی وجوہ تمہیں بتا سکتا ہے....."

"میری بات بیچ ہی میں کاٹ کر اس نے کہا۔ "میں اتنی بے وقوف اور ان پڑھ نہیں ہوں سامی!..... ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ والی بات ہے۔ کیا واقعی میں خلل دماغی کا شکار ہو چلی ہوں؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں نا' کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی تم نے بھیڑیئے کا تذکرہ ابھی تک تو کسی اور سے کیا نہیں ہے۔ کیوں؟" میں نے رک کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"اور تم کہہ رہی ہو کہ یہ سلسلہ پچھلے ایک ہفتہ سے جاری ہے۔"

"ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر نوری کو بلا لاتا ہوں....."

"وہ ایک ماہر ڈاکٹر ہے۔ اسے نفسیات میں بھی دخل ہے اور اس جگہ خاصے عرصے سے وہ رہا ہے۔"

"مگر میں ڈاکٹر نوری سے یہ سب کچھ ہرگز نہیں کہوں گی۔"

"کیوں۔" میں نے بھنویں تانتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے خود بھی تمہارے اس وہم سے دلچسپی ہے۔ میرا خیال ہے' بچپن میں تمہاری ماں ضرور تمہیں بھیڑیئے سے ڈراتی رہتی ہوں گی۔"

سیما نے گردن ہلاتے ہوئے کہاں "ہاں یہ بات تو ہے مجھے کچھ کچھ یاد ہے۔"

"خوب۔" میں نے کہا..... "اور کیا انہیں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ کوئی ایسی شے بھی ہوتی ہے جسے بھیڑیئے کا بھوت کہا جاتا ہے..... انہوں نے تمہیں کسی ایسے آدمی کی کہانی تو نہیں سنائی تھی جو پورے چاند کی راتوں میں بھیڑیئے کا روپ دھار لیتا تھا اور پھر شکار کے لیے نکل جاتا تھا۔"

"شاید---" وہ آہستہ سے بولی۔ "شاید میں نے یہ کہانی کہیں سنی ہے' ممکن ہے کہیں پڑھی ہو۔"

"خوب!" میں نے اعتماد سے کہا--- "تو بس یوں سمجھ لو..... کہ جس بھیڑیئے..... یا بھیڑیئے کے بھوت کا تم ذکر کر رہی ہو..... وہ محض تمہارے دماغ کی پیداوار ہے اور بس۔"

"میرے کچھ دیر سمجھاتے رہنے کے باعث اسے ذرا سکون سا مل گیا۔ پھر ہم دونوں شب خوابی کے کمرے چلے گئے۔ ہم نے کپڑے تبدیل کئے۔

سونے سے قبل میں نے لیمپ بجھا دیا۔

پورے کیبن میں گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی بجز چاند کی کرنوں کے جو باہر کے درختوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھیں اور دور پھیلی ہوئی جھیل کسی رو پہلے سمندر کی مانند دمک رہی تھی۔ میں ادھر سے رخ پھیر کر خود بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

"کچھ دیر بستر پر سیما بے چین سے لیٹی رہی..... پھر آہستہ آہستہ اس کے اعصاب پر سکون ہوتے گئے۔

پھر معلوم نہیں ہم کس وقت گہری نیند میں ڈوبے تھے۔

مجھے پتہ نہیں کس وقت میری آنکھ کھلی تھی۔ سیما زور زور سے مجھے جھنجھوڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے اوپر اس کی تیز سانسیں محسوس کیں۔

"سنو۔ سامی! سنو۔" سرگوشی میں اس نے پکارا۔

"تم کچھ سن رہے ہو؟۔" اس نے دوبارہ پوچھا۔ "کیبن کے باہر..... دروازے پر....."

میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔

اس نے زور سے مجھے جھنجوڑا۔ "غور سے سنو۔ اوہ..... وہ دروازے کو کھرچ رہا ہے۔ جلدی سے کچھ کرو۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

میں نے تیزی سے بستر چھوڑ دیا۔ "آؤ..... میں دیکھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

ٹارچ تلاش کرتے ہوئے میرا پاؤں کرسی سے ٹکرایا۔

"وہ جا رہا ہے۔" سیما نے تیزی سے کہا۔ جلدی کرو۔"

میں جھپٹ کر دروازے کی سمت لپکا۔ سیما میرے عقب میں تھی۔ میں نے جلدی سے زنجیر کھولی اور ایک پٹ ذرا سا کھول کر ٹارچ روشن کر دی۔

پھر میں نے پورے دروازے کھول دیئے۔

دور تک میدان تھا اور میدان کے سرے پر جنگلات کا سلسلہ کسی درندے کے وجود سے یکسر خالی نظر آ رہا تھا۔ میں نے ٹارچ نیچے جھکا لی۔

اچانک سیما زور سے چیخی۔

"دیکھو' سامی!..... زمین پر..... دیکھو۔ اس کے قدموں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے ہیں۔"

میں نے دیکھا۔ واقعی وہاں فرش پر کسی درندے کے چوڑے پنوں کے نشانات صاف نمایاں تھے۔ بھیڑیا یقیناً خاصا بڑا رہا ہو گا۔ میں نے کچھ سوچا۔ پھر سیما کی سمت مڑ کر دیکھا اور کہا۔۔۔ "نہیں ڈیئر! تم غلطی پر ہو۔"

میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا..... "یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے..... کچھ بھی تو نہیں ہے۔"

دوسری صبح' سیما بستر ہی میں تھی' جب میں اٹھ گیا۔ پھر میں قریبی قصبے کو جانے کے ارادے سے نکل پڑا۔

میرا ارادہ دراصل رجیا سے ملنے کا تھا۔

رجیا قصبے سے کوئی فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ دور واقع ایک قدیم وضع کے مکان میں اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ بوڑھا شخص لقوہ کا مریض تھا اور گذر بسر رجیا ہی کی آمدنی سے ہوتا جو بید کے خوبصورت پرس اور دیگر اشیاء سیاحوں کے ہاتھ فروخت کیا کرتی تھی۔

یہ میری ملاقات اس سے ایک ماہ قبل ہوئی تھی۔ میں یہاں تنہا ہی آیا تھا اور رجیا کی دوکان پر جا رکا تھا تاکہ سیما کے لیے کچھ خرید کر شہر بھیج دوں۔

اور اس دن میں نے رجیا کو دیکھا تھا اور پھر میرے ذہن سے باہر چیز نکل گئی تھی۔

وہ ایک دیہاتی لڑکی کے روپ میں مجھے کسی دیوی کی صورت لگی تھی۔

اس کے بال گہرے سیاہ تھے۔ آپ اتنی گہری اور چمکدار سیاہی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی آنکھیں روشن سی تھیں اور ان میں سمندروں جیسی گہرائی تھی۔ وہ آنکھیں نہ تھیں بلکہ دو کھڑکیاں تھیں جن میں سے رات جھانکتی تھی۔ اس کا رنگ چمپئی تھا اور جسم انتہائی موزوں..... اور مضبوط' مگر یہ مضبوطی قوی بازوؤں کی آغوش میں پگھلنا ضرور جانتی تھی...... اور مجھے جلد ہی اس کا تجربہ بھی ہو گیا تھا کیونکہ دوسرے ہی دن میں اس سے پھر ملا تھا۔

وہ ایک جادو تھی۔ ایک بولتا ہوا سحر۔ اس کا بدن گناہ کی انگڑائیاں لیتی ہوئی ایک ایسی دعوت تھی' جس سے منہ پھیرنے کی صلاحیت مجھ میں نہ تھی۔

وہ اندھیری اور چاند سے عاری راتوں میں میرے پاس آ جاتی تھی اور رات کی سیاہی میں چھپا مہکتا تھا اور اندھیرے چمکتے تھے۔

البتہ سیما کے آ جانے کے بعد سے ہماری ملاقاتوں پر روک لگ گئی تھی۔ اس کی آمد پر میں نے رجیا سے کہا تھا کہ اب ہمیں چوکنا رہنا چاہیئے تو وہ خوب ہنسی تھی۔

"بے شک' مگر صرف کچھ عرصے کے لیے۔"

"کچھ عرصے کے لیے..... کیوں؟"

"ہاں ہاں صرف کچھ عرصے کے لیے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"صرف اتنے عرصے کے لیے جب تک وہ زندہ ہے۔"

اس نے یہ جملہ بڑی سنجیدگی سے ادا کیا تھا۔ مجھے خود بھی یہ جملہ بڑا قدرتی اور مناسب محسوس ہوا تھا۔ مجھے واقعی سیما کی اب کوئی خواہش نہ تھی۔ مجھے رجیا درکار تھی۔ میں رجیا میں وہ کشش پا رہا تھا جسے محبت نہیں کہا جا سکتا۔ جسے ہوس بھی نہیں کہا جا سکتا۔ جو کچھ تھی عجیب ہی شے تھی...... مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا جسم ایک ان تھک..... اتھاہ اور بھرپور لذت کا سودائی ہو گیا ہو......"

"اور مجھے معلوم تھا..... کہ اس لذت کا دائمی حصول صرف اس طرح ممکن ہے کہ سیما راستہ سے ہٹ جائے..... مرجائے!

"کیا تم چاہتی ہو کہ میں سیما کو ختم کر دوں۔" میں نے ٹھنڈے لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں....." اس نے کہا۔ "اور بھی کئی طریقے ہیں۔"

"کون سے.....؟"

"فرض کرو..... وہ خود سے چلی جائے....."

"تمہارا مطلب طلاق سے ہے؟"

"تم نہیں سمجھے۔" اس نے کہا تھا۔ "مجھے معلوم ہے ایسی جگہ بھی ہوتی ہے جہاں پاگلوں کو رکھا جاتا ہے۔"

"مگر سیما پاگل تو نہیں۔"

"ہو جائے گا۔"

"خوب' اور وہ کیونکر؟"

"بھیڑیا دیکھ دیکھ کر۔" وہ ہنسی تھی۔ "ایک بھیڑیا مسلسل اس کا تعاقب کرے گا' صرف تنہائی میں--- اور پھر وہ تمہیں بتائے گی..... اور تم..... اور تم اس کی بات پر یقین کرنے سے قطعی انکار کر دینا..... اس طرح کچھ عرصہ عرصہ میں..... اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر شانے اچکا دیئے تھے۔"

اس سلسلہ میں میں نے رجیا سے کوئی وضاحت طلب نہیں کی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ گھنے جنگلوں میں جا کر کسی جوگی سے ملی ہو..... یا اس نے خود ہی کوئی جادو کیا ہو۔ مجھے کچھ پتا نہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ واقعی میری بیوی کو بھیڑیا نظر آنے لگا تھا..... اس نے حقیقتاً" کبھی بھیڑیا نہیں دیکھا لیکن اس کی چاپ ضرور سنی تھی..... آواز ضرور سنی تھی اور پھر کسی طرح اس کے ذہن میں اصلی بھیڑیئے کے بجائے..... بھوت بھیڑیئے کا خیال در آیا تھا اور اب اس کا دماغ..... واقعی جواب دینے لگا تھا آہستہ آہستہ نہیں بلکہ تیزی سے۔

اور رجیا منتظر تھی..... مسکرائے جا رہی تھی..... پر اسرار انداز میں۔

چوراہے پر اس صبح رجیا میری منتظر تھی..... سورج کی روشنی میں وہ ایک عام سی دیہاتی لڑکی نظر آ رہی تھی۔

اس نے میرے پاس پہنچتے ہی میرے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور مجھے اپنے بدن برف اور آگ کے ملاپ کا احساس ہونے لگا۔

"تمہاری بیوی کیسی ہے؟" اس نے سرگوشی کی۔

"کچھ اچھی نہیں۔" میں نے کہا۔ "دروازے کے باہر اس نے بھیڑیئے کے

پیروں کے نشانات دیکھ لیے ہیں اور وہ بے حد متوحش ہے وہ سمجھ رہی ہے..... کہ وہ کوئی بھیڑیئے کا بھوت تھا۔"

رجیا ہلکے سے مسکرائی..... پر اسرار سی مسکراہٹ۔

"کیا تم مجھے بھی سب کچھ نہیں بتاؤ گی؟"

وہ دوبارہ مسکرا کر رہ گئی۔

میں لمبی سانس لے کر بولا۔ "میرا خیال ہے میرے لیے یہ سب کچھ پوچھنا بہتر نہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ بولی۔ "ہمارا منصوبہ کامیاب ہو رہا ہے۔ یہی کافی ہے۔ جلد ہی وہ راستے سے ہٹ جائے گی اور پھر ہم ایک ہو جائیں گے اور ہمیشہ ایک ہی رہیں گے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے پوچھا--- "مگر اب کیا ہو گا؟"

"اب تمہاری بیوی کو بھیڑیا نظر بھی آئے گا اور وہ بے حد ڈر جائے گی۔ تم اس کی ایک نہ سننا۔ نتیجتہ وہ افسران بالا سے ملے گی۔ پھر وہ گاؤں کے آدمیوں سے ملے گی اور وہ لوگ جواباً" تم سے پوچھ گچھ کریں گے' مگر تمہیں کچھ معلوم نہ ہو گا۔ نتیجتہ سب اسے پاگل سمجھنا شروع کر دیں گے۔ پھر نوبت میڈیکل ایگزامینیشن تک پہنچے گی..... پھر....."

"اچھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تو وہ اب بھیڑیئے کو مجسم بھی دیکھے گی۔"

"ہاں۔"

"اور کب.....؟"

"آج ہی--- اگر تم کہو۔"

"مگر وہ بیحد خوف زدہ ہے۔" میں نے پر شبہ انداز میں سر ہلایا۔ "وہ شاید ہی کیبن سے باہر نکل کر درختوں تک جائے۔"

"اس صورت میں۔" رجیا نے سرگوشی کی۔ "بھیڑیا خود اس کے پاس جائے گا۔"

"خوب۔" میں نے کہا۔ "میں صبح ہی صبح بھیڑیئے کے پیروں کے نشانات مٹا دوں گا جیسے کہ میں نے آج کیا تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" رجیا نے کہا۔ "اور تم کسی بہانے آج رات گھر سے باہر ہی رہنے کی کوشش کرنا۔ تم ایک حساس شخص ہو۔ اپنی بیوی کو خوف زدہ ہوتے ہوئے شاید

نہ دیکھ سکو۔

تصور ہی تصور میں سیما کا خوف زدہ چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ابھر آیا۔ آنکھیں دہشت سے ابلی ہوئی۔ کانپتا ہوا بدن--- اور ہر چاپ پر چونکتے ہوئے کان۔

پھر میں واپسی کے لیے مڑ گیا۔

میں نے اپنے پیچھے رجیا کے منہ سے نکلنے والے ایک کھنکتے ہوئے قہقہے کی آواز سنی۔ عجیب و غریب قہقہہ تھا۔ وہ بھی..... جیسے کوئی پاگل ہنستا ہو۔

یقیناً اس قہقہے میں غیر فطری پن پوری طرح جھلک رہا تھا۔

اس شام میں نے اور سیما نے بڑی خاموشی کے ساتھ کھانا کھایا۔

چاند جب ذرا چڑھ آیا اور جھیل رو پہلی نظر آنے لگی تو میں نے سیما کی سمت دیکھا۔ اس کے رخساروں کے گلاب کملائے کملائے لگ رہے تھے۔ آنکھیں بیماروں کی مانند نظر آ رہی تھیں اور بالوں کو بھی شاید اس نے کئی دن سے سنوارا نہیں تھا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "یہ جگہ ہمیں راس نہیں آ رہی ہے--- مجھے شاید ابھی یہاں کچھ عرصہ اور ٹھہرنا ہو گا۔ اگر تم مناسب سمجھو تو شہر چلی جاؤ۔"

اس نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر سوچتی ہوئی بولی۔ "مگر میں اکیلی نہیں جا سکتی۔"

"کیوں؟"

"یقیناً وہ میرا تعاقب کرے گا۔"

"مگر شہروں میں بھیڑیے نہیں جایا کرتے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ہاں--- عام بھیڑیے نہیں جاتے۔ مگر یہ تو.....!"

"تمہارا مطلب ہے یہ بھیڑیا۔ کوئی عام بھیڑیا نہیں ہے؟"

"ہاں۔"

"تمہارا یہ خیال کیوں ہے؟"

وہ تذبذب کے عالم میں چپ رہی۔ پھر بولی۔ "اس لیے کہ یہ صرف راتوں میں آتا ہے۔ اس لیے کہ اس جگہ کبھی بھیڑیا نہیں دیکھا گیا۔ اس لیے کہ وہ مجھے شکار کرنا نہیں چاہتا۔ وہ مجھے دہشت زدہ کر رہا ہے۔ میں اس کے اندر چھپی ہوئی بد قوت کو برابر محسوس کر رہی ہوں۔ میں اس سے بچ نہیں سکتی۔"

"تم اس سے صرف اس لیے نہیں بچ سکتیں..... کہ وہ محض تمہارے دماغ میں ہے۔" میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ "صبر کی بھی حد ہوتی ہے۔ پچھلے ڈیڑھ ہفتہ سے

تمہارے ذہنی گورکھ دھندے' کو سنے جا رہا ہوں۔ اگر تم خود اس خلل سے نجات نہیں پا سکتیں تو پھر مجھے ڈاکٹر نوری کو بلانا ہی پڑے گا۔"

میری جھڑکی نے اس کو تقریباً دل برداشتہ سا کر دیا۔ مری ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے تم واقعی مجھے پاگل سمجھنے لگے ہو۔"

"تم ہمیشہ غلط سمجھتی ہو۔" میں نے مزید جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ تمہاری ذہنی کیفیت قدرے ایب نارمل ہو گئی ہے اور میں تمہیں ڈاکٹر سے ملانا چاہتا ہوں۔ یہ سیدھی سی بات ہے۔" میں جھلاہٹ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کہاں جا رہے ہو۔" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ذرا کیفے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "میری طبیعت سخت مکدر ہو رہی ہے۔ کچھ دل بہل جائے گا۔"

"مگر میں تنہائی میں ڈروں گی۔" اس نے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "دیکھو اس طرح خوف زدہ رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ تم کچھ دیر تنہائی میں رہ کر خود کو آزماؤ تو سہی۔ اس طرح تمہاری ذہنی ٹریننگ بھی ہو گی اور تم کو خود پر اعتماد پیدا ہو گا۔ ویسے میں جلد ہی پلٹ آؤں گا۔"

"سامی!" اس نے التجا سی کی۔

مگر میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں نے دروازہ کھول کر ایک بار اسے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اگر تم یونہی ڈرتی رہیں تو واقعی میں کیا سبھی تمہیں پاگل سمجھنے لگیں گے۔ لہٰذا خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔"

پھر میں باہر نکل گیا۔ میری منزل ایک میل پر میری منتظر تھی۔

دراصل میں کیفے نہیں رجیا سے ملنے جا رہا تھا۔ اجیالی رات میں میرے قدم منزل تک پہنچنے کے لیے تیز تیز پڑنے لگے۔

رجیا کا مکان اندھیرے میں خاموش کھڑا تھا۔ مجھے پتا تھا اگر وہ سو بھی گئی ہو گی تو میں آسانی سے اسے جگا لوں گا۔ مجھے اس کے مفلوج باپ کی جانب سے بے فکری تھی۔ میں ایسی رات کسی قیمت پر ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

دروازے کے قریب ہی ایک ہلکی سے چاپ نے مجھے چوکنا کر دیا۔ کوئی آہستہ سے باہر نکلا تھا۔

"رجیا!" میں نے ہولے سے پکارا۔

وہ رجیا ہی تھی۔ قریب آکر اس نے میرا بازو م
آؤ' آج ہم یہ رات جھیل کے کنارے گذاریں گے۔"

بڑی دیر تک ہم جھیل کے کنار کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور جب میرے ہاتھ اس کے بدن میں حمائل ہونے لگے تو اس نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں سامی! مجھے جانے دو۔"

"کیوں؟"

"میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

"تنہائی..... کیوں؟"

"بس یونہی۔"

"کیا کچھ گڑبڑ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں' بس ایسے ہی۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ گہرائی آنکھیں گھنیری پلکوں تلے اور سیاہ ہو گئی تھیں۔ اس کے بھیکے بھیکے ہونٹ کھلے ہوئے تھے اور رخساروں پر ہلکا سا پسینہ آرہا تھا۔ وہ ہرچند کہ میری طرف ہی منہ کئے کھڑی تھی مگر یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے نہیں بلکہ میرے پیچھے کسی شے کو دیکھ رہی ہو۔ شاید وہ جھیل کی طرف منہ کئے پورے چاند کو گھور رہی تھی۔ اس کی سیاہ پتلیوں میں سے دو چاند جھانک رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں یکایک پھیل گئی ہوں۔ چوڑی ہو گئی ہوں۔ ان میں رو پہلی آگ دہکنے لگی تھی۔

"جاؤ..... سامی جاؤ۔" اس نے سسکی سی لی۔ مگر میں وہیں' رکا رہا۔

یہ موقع کھونے والا نہ تھا۔ کسی انسان کو حیوانی روپ دھارتے دیکھنے کا موقع روز روز لوگوں کی زندگیوں میں نہیں آیا کرتا۔ میں اس وقت حقیقتاً ایک عورت کو بھیڑیئے کے قالب میں تبدیل ہونے کا عجیب و غریب منظر دیکھ رہا تھا۔

سب سے پہلے اچانک ہی رجیا کی سانسیں بھیانک انداز میں تیز ہو گئی تھیں' جیسے وہ بری طرح ہانپنے لگی ہو۔ میں اس کا سینہ ابھرتے اور لچکتے دیکھ رہا تھا..... ابھرتے' لچکتے اور تبدیل ہوتے ہوئے۔

اس کے ہاتھ آگے کی سمت ڈھلک آئے تھے۔

پھر وہ زمین پر گر گئی۔ وہ درختوں کے سائے اور اس میں چھنتی ہوئی چاندنی میں بار بار کلبلا رہی تھی۔ چاندنی جیسے مدھم ہو گئی تھی۔ اس کی جلد مٹیالی سی لگنے لگی تھی اور اس میں رونگٹے اگنے لگے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سخت کرب میں مبتلا ہو۔ کسی نئے

جنم کے کرب میں۔

یہ عجیب و غریب منظر تھا۔ خاص طور پر اس کے سر کا کسی حیوان کے سر میں تبدیل ہونے کا منظر اچانک ہی اس کے کان لمبوترے ہو کر نکل آئے تھے اور گردن لانبی ہو کر سامنے نکل پڑی تھی۔ آنکھیں اوپر چڑھ گئی تھیں۔ اس کے منہ سے نکلنے والی کراہیں تیزی سے کسی درندے کی غراہٹ میں بدلتی جا رہی تھیں۔

اس کے کپڑے بدن سے جدا ہو کر زمین پر گر گئے تھے۔ میں بھونچکا ہو کر اس کے پیروں کو درندے کے پیروں میں تبدیل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ جو اب کسی خوفناک پنجے کی سی ہیئت اختیار کر چلے تھے۔ روئیں دار بھبرے بالوں والے پیر۔

اس سارے مرحلے میں مشکل سے ساڑھے تین منٹ لگے تھے۔ میرے اندر کا خوف' بے پناہ دلچسپی تلے جیسے کھو گیا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے پورے مرحلے کے وقت کو ذہن نشین کر لیا تھا۔

اور اب یہ تبدیلی مکمل ہو چکی تھی۔ میرے سامنے رجیا کی جگہ اب ایک بھیڑیا کھڑا ہوا تھا۔ ہانپتا ہوا' اور چوکس۔

اسی لمحے مجھے معلوم ہوا کہ رجیا کے اتنے کم دوست کیوں تھے۔ وہ تنہائی کیوں پسند کرتی تھی۔ کیوں اس نے کسی بھیڑیئے کے ظہور کے بارے میں مجھ سے اتنے اعتماد سے بات کی تھی۔

میں اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

درندے کی آنکھیں ملتجیانہ انداز میں مجھے دیکھے جا رہی تھیں۔ ان میں خوف اور شبہ کانپ رہا تھا۔ شاید اسے خوف تھا کہ میں اس سے بدظن ہو گیا ہوں گا۔ اس ہیئت میں دیکھ کر مجھے اس سے کراہت آنے لگی ہو گی۔

مگر میری مسکراہٹ کے باعث ان آنکھوں سے جھانکتا ہوا شبہ اعتماد میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن تھپکتے ہوئے کہا۔۔۔ "جاؤ۔"

میں نے دوبارہ کہا۔ "میں سمجھ رہا ہوں رجیا! تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

میرے الفاظ پر اس چوکس درندے نے آہستہ سے قدم اٹھایا۔ پھر تیز رفتاری سے اچھلتا ہوا قریبی جنگل کی سمت دوڑ گیا۔

میں چند لمحوں تک جھیل پر کھڑا ہوا ابھرے ہوئے چاند کو دیکھتا رہا۔ میں نے اس لمحے سوچا۔ "تو میں ایک ایسی لڑکی کو چاہتا ہوں جو میری بیوی کو بھگانے پر تلی ہوئی ہے

اور میں اس کا ساتھی بھی ہوں۔ یقیناً وہ لڑکی کوئی بد روح تھی اور کسی طرح صحیح الدماغ نہیں کہی جاسکتی۔" اور تب میں نے سوچا۔ "شاید میں خود بھی۔"

یقیناً میں خود بھی کسی طرح بھی صحیح الدماغ نہ تھا۔ کچھ بھی ہو۔ میرا منصوبہ ٹھیک ہی تھا۔ میں جو کچھ طلب کر رہا تھا۔ وہ اسی صورت میں مل سکتا تھا۔

اس لمحے مجھے دور جنگل سے آتی ہوئی کسی بھیڑیے کی ڈکار سنائی دی۔ میں نے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے اور میرا سارا وجود کپکپا کر رہ گیا۔

میں نے محسوس کیا جیسے میں تیزی سے بھاگ رہا ہوں۔

میں جلد سے جلد اپنے کیبن میں پہنچنا چاہتا تھا۔ میں جب وہاں پہنچا تو ہر سمت تاریکی تھی۔ دروازہ پر رک کر میں ہانپنے لگا۔

دروازہ اندر سے بند تھا اور سیما تیز تیز آواز میں چیخ رہی تھی مگر کچھ ہو وہ زندہ تھی۔

یہ ایک خیال ہی تھا۔ کیونکہ بھیڑیے بہرحال صرف ڈراتے ہی نہیں۔ مار بھی ڈالتے ہیں۔

دروازہ کھلتے ہی وہ میرے بازوؤں میں سسکیاں بھرتے ہوئے جھول گئی۔

"وہ یہاں آیا تھا۔ آج میں نے دیکھا بھی تھا۔ اس نے کھڑکی میں سے اندر جھانکا تھا۔ اللہ' کیسی بھیانک آنکھیں تھیں۔ کسی انسان کی سی گہری آنکھیں۔ پھر میں بے ہوش ہو گئی تھی..... مجھے چھپالو سامی! مجھے چھپالو۔"

میں نے مناسب الفاظ سوچتے ہوئے کہا۔ "سب تمہارا وہم ہے۔ ویسے میں صبح ہی انتظام کروں گا۔ اگر حقیقتاً کوئی بھیڑیا آیا تھا۔ تو میں شکاری پارٹی کا انتظام کرکے اسے ٹھکانے لگوا دوں گا۔"

میرے سمجھانے پر وہ ہولے سے مسکرائی' اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی ہوئی بستر پر جاگری۔

میں دوپہر تک سوتا رہا۔ ناشتہ پر مجھے سیما نے جگایا اور پھر ہم دونوں نے جاکر باہر دیکھا..... میرے کیبن کے چاروں طرف درندے کے پیروں کے واضح نشانات موجود تھے۔

میرے لیے انکار کی گنجائش کم تھی "بہتر ہے" میں نے کہا--- "میں دیکھتا ہوں کہ کیا کر سکتا ہوں۔" پھر میں چل پڑا۔

راستے بھر میں منصوبے بناتا رہا۔ کیفے میں پہنچ کر میں نے چائے کا آرڈر دیا۔ تو یہ منصوبہ بندی جاری نہ رہ سکی۔

چوہدری نے میری سمت جھکتے ہوئے اچانک پوچھا۔ "کیوں جناب! آپ کی طرف سب ٹھیک تو ہے۔"

اس کے لہجے میں کچھ چھپا ہوا تھا۔

میں نے اسے گھورا۔ "کیوں....." میں نے کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔ البتہ میری بیوی کی طبیعت قدرے ناساز ضرور ہے۔"

"آپ کا کیبن خاصی اکیلی جگہ پر ہے۔" اس نے دوبارہ کہا۔

"ہاں یہ بات تو ہے..... مگر؟" میں رک گیا۔

"رات کو آپ نے کوئی آواز تو نہیں سنی؟"

"ادھر تو آوازوں کا ہی راج رہتا ہے۔ جھینگروں' مینڈکوں اور مکوڑوں کی آواز سے ساری رات ناک میں دم رہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا کسی بھیڑیے کی آواز بھی سنی تھی آپ نے۔" وہ براہ راست موضوع پر آگیا۔

"بھیڑیا۔" میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "مگر ادھر بھیڑیے کہاں ہوتے ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مگر معلوم ہوتا ہے کوئی بھیڑیا ادھر آگیا ہے۔ شاید آپ موٹے پیرو سے واقف ہوں۔ گائڈ پیرو۔! وہ جو جھیل کے آخری سرے پر آپ کے کیبن سے کسی قدر ہٹ کر رہتا ہے۔"

"ہاں میں اسے جانتا ہوں۔"

"رات کو وہ جھیل کے اس پار ایک شکاری پارٹی کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس کی لڑکی گھر میں تنہا تھی اور اسی وجہ سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ادھر کوئی بھیڑیا آگیا ہے۔"

"کیا اسی لڑکی نے بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ڈاکٹر نوری سے معلوم ہوا ہے۔ وہ ادھر سے گذرے تھے۔ صبح کو--- اور وہیں وہ پیرو کی خیریت معلوم کرنے رکے تو پتا چلا کہ اندر فرش پر لڑکی پڑی ہوئی ہے۔ لڑکی کیا۔ لڑکی کی لاش کہئے۔ بھیڑیے نے اس کا نرخوہ ادھیڑ دیا تھا۔ خدا اسے جنت میں جگہ دے۔" اس نے رک کر ٹھنڈی سانس لی۔

"ڈاکٹر نوری کو وہاں بھیڑیے کے قدموں کے نشانات بھی نظر آئے تھے۔ موٹا پیرو آج آئے گا تو وہ یقیناً اس بھیڑیے کو جہنم رسید کئے بغیر دم نہیں لے گا۔ میں خود بھی اس علاقے کی پولیس کو اطلاع دینے کے لیے جانے والا ہوں۔"

"سیما۔" میں نے جلدی سے کافی کپ پیتے ہوئے کہا۔ "وہ اکیلی ہے۔ اس

صورت میں مجھے گھر جلد لوٹ جانا چاہیے۔"

اب مجھے پتہ چلا کہ رجیا رات کو مجھ سے رخصت ہو کر سیما کو سہانے کے بعد کدھر گئی تھی۔"

میں رجیا کے کیبن کی سمت مڑ گیا۔ میری دستک پر اس نے دروازہ کھولا۔ دھوپ میں اس کی آنکھیں چوندھیا سی گئی تھیں۔ اس کے بال کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"سامی!" اس نے سسکی سی لی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور درختوں کی سمت بڑھ گیا۔

میں نے ایک جگہ اس کے منہ پر زور سے تھپڑ رسید کیا۔

اس کے منہ سے کراہ سی نکلی وہ حیرت زدہ سی مجھے گھورنے لگی۔

"کیوں؟" وہ بولو "کیوں مار رہے ہو مجھے؟"

"یہ مجھ سے پوچھتی ہو۔" میں نے چیخ کر کہا اور تب وہ سمجھ گئی۔

"میں مجبور تھا سامی!" اس نے روتے ہوئے کہا۔ "بھوک کے ہاتھوں!"

"تم نہیں سمجھ سکتے۔" وہ دوبارہ بولی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "تجھے پتہ ہے موٹے پیرو کی لڑکی مر چکی ہے۔"

"مر چکی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "چلو' اچھا ہوا۔"

"خوب۔" میں نے جھلا کر کہا--- "گویا بڑی اچھی بات ہوئی ہے۔"

"ہاں۔" وہ سسکیوں میں بولی--- "یہ اچھا ہی ہوا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس زخم کے بعد بھی بچ جاتی تو یہ اور بھی برا ہوتا۔ وہ خود بھی میری ہی مانند ہو جاتی..... ہیئت بدلنے پر نادر..... اور مجبور۔"

"اوہ۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ جو کچھ ہوتا ہے میری مرضی سے نہیں ہوتا۔ شروع شروع میں ایسے مواقع پر گھنے جنگل میں چلی جاتی تھی مگر پچھلی رات بھوک نے اچانک ہی مجھے گھیر لیا تھا۔ مجبور کر دیا تھا۔ بیچاری لڑکی۔" "مگر میں نے سوچتے ہوئے کہا--- "تم نہیں جانتیں۔ اس سے ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

"وہ کیسے؟" اس نے گھور کر دیکھا۔

"اب میری بیوی اسے وہم نہیں حقیقت سمجھے گی۔ اب اسے کوئی پاگل قرار نہیں دے گا۔"

وہ اچانک سناٹے میں رہ گئی۔

"مگر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" میں نے اسے دلاسہ دیا۔ "اب اور کوئی ترکیب کرنی ہو گی۔ مگر تم وعدہ کرو کہ تم کسی بھی حالت میں میری بیوی کے قریب نہیں جاؤ گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔" میرے بازوؤں سے جھولتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں کوشش کروں گی' مگر تمہیں آج رات میرے پاس آنا ہی ہو گا۔ تمہاری قربت مجھے بھوک سے محفوظ رکھے گی۔"

"اچھی بات ہے میں آجاؤں گا۔"

اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ آہستہ سے اس نے کہا۔ "مگر سامی! کوشش کرنا کہ چاند نکلنے سے قبل ہی تم میرے پاس آسکو۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

جب میں گھر پہنچا تو سیما کو پیرو کی لڑکی کی ہلاکت خبر مل چکی تھی۔ کوئی اس سے ملنے آیا تھا اور اسی نے سیما کو سارا واقعہ سنا دیا تھا۔ سیما نے تفصیلات کے بعد بتایا۔ "میں نے اسے اپنے ساتھ ہونے والے سارے واقعات بھی بتا دیئے ہیں۔ آنے والے نے اپنا نام عابدی بتایا تھا۔ شاید وہ اس علاقے کا پولیس آفیسر ہے۔"

ابھی مجھے اندر بیٹھے کچھ ہی دیر گذری تھی کہ عابدی دوبارا آدھمکا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند ہی باتوں کے بعد اس نے اچانک پوچھا۔

"مسٹر شامی! ویسے کیا آپ بتائیں گے کہ رات جب بھیڑیا ادھر آیا تھا' آپ کہاں تھے؟"

"میں قصبے میں تھا۔"

"کسی جگہ؟"

"میں چہل قدمی کر رہا تھا اور کہیں ٹھہرا نہیں تھا۔"

"ہوں۔" وہ چند لمحے مجھے تولتا رہا پھر بولا۔ "ہم نے ایک گشتی دستے کا انتظام کیا ہے۔ آپ شاید ہی اس میں شرکت کرنا پسند کریں۔ کیونکہ میں نے سنا ہے آپ ایک ادیب ہیں؟ کیوں؟۔" میں نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ عجیب و غریب اور پر اسرار کہانیاں لکھنے کے سلسلے میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے اس کیس کے سلسلے میں؟"

میں چپ رہا۔

اس نے دوبارہ کہا--- "یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ممکن ہے آپ کی

سوچ، جو یقیناً مختلف ہی ہوگی۔ میری مدد کر سکے۔"

میں اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ اس کا لہجہ زہریلا سا تھا۔

"کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں، وہ میرے سرگزشت ہوتی ہے۔ کیا میں آپ کو کوئی بد روح لگتا ہوں۔" مجھے اچانک غصہ آگیا تھا۔

جواب میں عابدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر بولا۔ "میرا تو کام ہی ہے کہ میں لوگوں پر شبہ کرتا رہوں۔" پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "ویسے مسٹر سامی! براہ کرم ذرا منہ کھول کر اپنے دانت مجھے دکھا دیں۔" اس بار وہ بھی سنجیدہ تھا۔

میں نے منہ کھول دیا۔

میرے دانتوں کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا--- "خوب، مگر وہ ویسے نہیں ہیں جیسا میں نے سوچا تھا۔" میرے لیے موقع اچھا تھا۔ میں ایک دم چڑھ دوڑا۔

"مسٹر عابدی! میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ میں کوئی ایسا جادوگر یا بدروح ہوں جو اپنا قالب بدل کر حیوان بن سکتا ہوں پھر شکار کرتا ہو..... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس لڑکی کو میں نے ہلاک کیا ہے۔"

جواب میں عابدی نے دوبارہ قہقہہ لگایا۔ پھر ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے وقت اس نے کہا۔ "شکریہ، مسٹر سامی! آپ نے مجھے خاصی معلومات پہنچا دی ہیں۔"

"اس لمحے میں نے واقعی بڑی عقل مندی کی تھی۔ اگر میں گرمی نہ دکھاتا تو شاید وہ انہیں لکیروں پر چل پڑتا کیونکہ مجھے اچھی طرح پتا تھا کہ اس علاقے کے لوگ ضرورت سے زیادہ توہم پرست اور بھوت پریت کے قائل تھے۔

اس مرحلے سے فارغ ہو کر میں، سیما کی سمت مڑا۔ اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"اب تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔ پولیس بھیڑیئے کے پیچھے لگ چکی ہے اور جلدی ہی وہ مار دیا جائے گا۔"

سیما نے مطمئن ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر میرے پاس آکر بولی۔ "آج رات تو تم گھر ہی پر رہو گے نا؟۔" میری بھنویں اچانک تن گئیں۔

"نہیں، میں شکار پارٹی میں شرکت کی ٹھان چکا ہوں۔"

"مجھے ڈر لگے گا۔" اس نے کہا۔

"فضول بات ہے۔" میں نے اسے جھڑک دیا۔ "میرا خیال ہے میری شرکت اس میں ضرور ہے۔ عابدی مجھے مدعو کر گیا ہے۔"

چاند اس وقت کسی حد تک اوپر چڑھ چکا تھا۔ جب میں رجیا کے کیبن تک پہنچا

جو کہ اشجار کے سائے میں کھڑا تھا۔ وہ اندھیرے میں کھڑی میری منتظر تھی۔

"تم آگئے۔" وہ میرے قریب پہنچتے ہوئے بولی۔ "مگر سامی! مجھے آج ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"شاید تم نے سنا نہیں۔" اس نے کہا۔ "پولیس میری تلاش میں ہے۔ وہ میری پاس بھی آئی تھی۔ یہ ساری شیطانی چوہدری کی ہے جو میرے بارے میں ادھر ادھر باتیں بکتا رہتا ہے۔"

"اچھا۔"

"ہاں۔" اس نے کہا۔ "شکار پارٹی اس لمحے تک باہر نکل چکی ہوگی۔ وہ لوگ موٹے پیرو کے کیبن سے گشت کا آغاز کریں گے اور جھیل کے دوسرے کنارے تک نظر رکھنے والے ہیں۔"

"مگر" میں نے اسے سمجھایا۔ "آج تو انہیں بھیڑیا نظر ہی نہ آئے گا۔ کیوں رجیا--- آج تو ہم دونوں ساتھ ہی رہیں گے۔"

"ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے بولی--- اور زمین پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے جیب سے ایک بوتل نکالتے ہوئے کہا--- "اس میں کچھ مشروب ہے۔ تم پیو گے؟"

اچانک وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"تم نے کچھ سنا۔" وہ بولی۔

واقعی کہیں دور، آدمیوں کے منہ سے نکلنے والے ہنکارے گونج رہے تھے۔ ساتھ ہی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ یقیناً شکار پارٹی کے ساتھ ہی تھے۔

جیسا کانپ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

میں اسے قریب کرتے ہوئے چاند کی طرف دیکھا۔ میرے چاروں طرف سناٹا تھا اور چاند کی پہلی روشنی میں رجیا کا چہرہ بھیگا بھیگا اور متوحش سا لگ رہا تھا۔

میں نے سوچا۔ لوگ جس بھیڑیئے کی تلاش میں ہیں وہ تو میرے بازوؤں میں محفوظ ہے۔ چاند کا چہرہ اور لڑکی کا چہرہ، دونوں ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے اور میں ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ اسی وقت مجھے اپنا ہی لکھا ہوا جملہ یاد آگیا۔ "اور جب چاند عروج پر ہوتا ہے تب اس کی کشش کی شدت انسانی بھیڑیئے کی نس نس میں آگ بھر دیتی ہے اور وہ اپنا چولا اتار پھینکتا ہے اور....."

"تم ٹھیک تو ہو۔" میں نے سرگوشی میں رجیا سے پوچھا۔

"بالکل۔"

"کیا تم محسوس کر رہی ہو کہ کچھ ہونے والا ہے۔" میں نے اس کی آواز میں کپکپاہٹ محسوس کرلی تھی۔

"نہیں نہیں..... آج رات ہرگز نہیں۔ میں ہر لمحہ ہمارے قریب رہوں گی۔" وہ ہنسنے لگی۔

"اور دیکھو۔" میں نے اسے تنبیہہ کی۔ جب تک یہ شور وغل ختم نہ ہو جائے تم ہرگز راتوں میں نکل کر سیما کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"ہاں۔"

"اس سلسلے میں اتنے عرصے تمہیں صبر کرنا ہی ہوگا۔" میں نے دوبارہ کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

کچھ دیر تک میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا--- "اس میں کچھ وقت لگے گا۔ یہ منصوبہ اتنی جلد کامیاب نہیں ہو سکتا۔ طلاق اتنی جلدی نہیں ہو سکتی۔ قانونی کارروائی تاخیر سے ہوتی ہیں اور رجیا کیا تم اتنا لمبا انتظار کرسکو گی؟"

"طلاق میں..... بہت وقت لگے گا؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے کہا--- "مگر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم انتظار کرو گی..... اور تم سیما کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاؤ گی' جب تک طلاق نہیں ہو جاتی۔ ورنہ۔ ہمارا تمہارا ملاپ نہ ہو سکے گا۔" میں نے اسے ڈرایا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ دھیرے سے بولی--- "میں انتظار کرلوں گی۔"

پھر ہم دونوں مشروب سے شغل کرنے لگے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے..... اور پھر پتا نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔

"جاگو..... اٹھو۔ اٹھو۔"

کسی آواز نے مجھے زور سے چونکا دیا۔ کوئی مجھے گردن سے ہلا رہا تھا میں نے آنکھ کھول دی اور اٹھ بیٹھا۔ چاند پوری طرح چڑھ آیا تھا اور اس کی روپہلی کرنیں ٹھیک سر پر پڑ رہی تھیں اور تب میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ڈاکٹر نوری کھڑا تھا۔

"اوہ۔" میں نے غنودہ لہجے میں پوچھا۔ "اور رجیا کہاں ہے؟"

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے حواس بحال ہو رہے تھے۔

"جلدی سے میرے ساتھ چلو؟" وہ بوکھلائے لہجے میں بولا۔

"کیوں۔" میں اس کے ساتھ گھسٹتا ہوا بولا۔ معاملہ کیا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"غضب ہو گیا---" وہ تقریباً دوڑتے ہوئے چل رہا تھا۔ "تمہاری بیوی

بھیڑیئے کا شکار ہو گئی ہے۔ بھیڑیا تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے کیبن میں جا گھسا تھا۔ میں قریب ہی گشت پر تھا مگر جب تک میں پہنچا' بھیڑیا نکل چکا تھا' اور....."

"جلدی بولو' ڈاکٹر!۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"بھیڑیئے نے بھاگتے بھاگتے بھی تمہاری بیوی کا نرخرہ کاٹ دیا ہے۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ اندھیرے اجالے میں دوڑتا ہوا سوچ رہا تھا۔ تو رجیا نے جھوٹ کہا تھا۔ اس میں انتظار کی ہمت نہ تھی۔ وہ یقیناً میرے سو جانے کے بعد گئی ہو گی۔

جب ہم کیبن میں پہنچے تو بستر کے پاس جھکتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا۔

"مسٹر سامی! سیما خوش قسمت تھی کہ بچ گئی۔ وہ بہرحال سخت زخمی ہے۔"

میں نے جھک کر دیکھا سیما کے گلے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے آنکھیں کھولیں۔ پھر ایک کمزور مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی تھی۔

"اوہ..... تو یہ ابھی زندہ ہے۔" میں بڑبڑایا۔

"ہاں۔ ہاں زندہ ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے آتے ہی خون روک دیا تھا اور مرہم پٹی کردی تھی۔ دو ایک دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔"

"خدا کا شکر ہے۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"اب چلو۔" ڈاکٹر نے کہاں "اسے آرام کرنے دو۔" چلتے ہوئے وہ دوبارا بولا۔ "میں بروقت پہنچ گیا تھا۔ بھیڑیا یقیناً کھڑکی کے شیشے توڑ کر اندر داخل ہوا تھا کیونکہ شیشے تمام فرش پر بکھرے ہوئے ہیں۔ کیبن کے چاروں طرف درندے کے بے شمار نشانات بھی موجود ہیں۔" میں نے باہر جاکر دیکھا۔ ڈاکٹر کا خیال ٹھیک ہی تھا۔

"شکاری پارٹی ادھر آہی رہی ہو گی۔" ڈاکٹر نے بتایا۔ "کیونکہ انہوں نے پیروں کے نشانات دیکھ لیے ہوں گے۔

میں نے سر ہلا دیا۔

اچانک جنگل کے اندر سے آدمیوں کا شور بلند ہوتا ہوا سنائی دینے لگا۔ اس شور میں بھونکتے ہوئے کتوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

ڈاکٹر نوری نے اپنی مونچھوں کو مڑوڑتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑیئے کا پتا چلا لیا گیا ہے--- رک کر وہ چیخا--- "سنو غور سے سنو۔"

"نعرہ..... اور گونج--- جھاڑیوں میں سے آنے والی آدمیوں کی اونچی آوازیں۔ پھر ایک زور کا نعرہ..... پھر!

اچانک کئی رائفلوں کی دہاڑیں سناٹے کو جھنجھوڑتے ہوئے ابھریں۔

"مارلیا---" خوش ہوتے ہوئے ڈاکٹر نے چیخ کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے..... پارٹی کامیاب ہو گئی ہے۔"

یکایک دوڑتے ہوئے کتوں کے منہ سے نکلنے والی آوازیں واضح طور پر سنائی دینے لگیں۔ جھاڑیوں میں دوڑتے ہوئے بہت سے قدموں کی آوازیں ہوا میں لرز اٹھی تھیں۔ جو لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھیں--- اور تب--- جہاں سے میدان شروع ہوتا ہے۔ کیبن کے عین سامنے ہمیں ایک اونچے سے قد آور بھیڑیئے کا ہیولہ دکھائی دینے لگا۔ جو کھڑاتا ہوا--- تیزی سے ادھر ہی آرہا تھا ڈولتا ہوا..... بھاگتا ہوا۔

بھیڑیئے کا جسم' لمبی دوڑ کی باعث جواب دیتا نظر آرہا تھا۔ اس کے جسم سے خون گر گر کر زمین پر جمتا چلا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شدید کرب کی حالت میں بدقت آگے بڑھنے کی جدوجہد کر رہا ہو۔

ڈاکٹر نوری نے جلدی سے جیب سے ریوالور نکالا اور شست باندھنے لگا۔

"رک جاؤ۔" میں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر دوڑتا ہوا بھیڑیے کی سمت لپکا۔ قریب پہنچ کر میں نے آہستہ سے کہا....." تو نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا رجیا! تو نے انتظار کیوں نہیں کیا۔"

جواب میں ہانپتے ہوئے درندے نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے پہچان ہی نہ سکی ہو..... ان آنکھوں میں منڈلانے والی موت کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں--- اور بس۔

"رجیا!"..... میں نے دوبارا کہا۔

یقیناً میری آواز ڈاکٹر تک نہیں پہنچ رہی تھی مگر درندہ ضرور سن سکتا تھا اور پھر اس نے سن بھی لیا۔ درندے کے آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے شناسائی کی چمک ابھری' اس کے گلے سے ایک ہلکی سے آواز نکلی۔ اچانک اس کا جسم زور سے کانپا اور تیورا کر زمین بوس ہو گیا۔

اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔

اور بھی جو کچھ ہوا اسے دیکھنا آسان نہ تھا۔

اس سے قبل جب رجیا بھیڑیا بنی تھی۔ میں نے وقت کا تعین کر لیا تھا اور اب میں اس کی لاش کو درندے کی لاش سے انسانی لاش میں میں تبدیل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

فرش پر پڑا ہوا درندے کا جسم اچانک حجم میں بڑھنے لگا۔ کان چھوٹے ہونے لگے اور اسی رفتار سے ہاتھوں اور بیروں میں بھی فرق پڑنے لگا۔ ڈاکٹر نوری جو میرے قریب اور پیروں میں بھی فرق پڑنے لگا۔ ڈاکٹر نوری جو میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ زور زور سے

چیخنے لگا' مگر وہ کیا کہہ رہا تھا..... یہ میرے کان نہیں سن رہے تھے۔ میں تو رجیا کی لاش کو حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

تین منٹ کے عرصے میں ساری تبدیلی مکمل ہو گئی۔ جہاں کچھ دیر قبل درندہ گرا تھا' وہاں اب زمین پر رجیا کی عریاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ شاخ سے ٹوٹے ہوئے کسی جنگلی لالے کی مانند۔

میں نے زور سے سسکی لی اور مڑتے ہوئے بولا۔

"نہیں..... نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔"

اسی لمحے ڈاکٹر کی تیز آواز نے مجھے دوبارہ ادھر متوجہ کر دیا اور ایک بار پھر اس جوان لاشے میں ایک نئی تبدیلی ہوتی ہوئی نظر آئی۔

یہ تبدیلی ناقابل برداشت تھی۔ مجھے اس وقت صرف اتنا یاد ہے کہ رجیا نے مجھے کبھی نہیں بتایا تھا کہ کب اور کن حالات میں وہ اس قوت پر قادر ہوئی تھی..... ہاں مجھے یہ ضرور معلوم تھا کہ شکار کا خون' بھیڑیئے کو ہمیشہ جوان رکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

رجیا کا خوبصورت جسم' اچانک ہی' ایک انتہائی عمر رسیدہ عورت کی شکل میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے اس کی ہڈیاں گلنے لگیں اور پھر وہاں صرف راکھ کا ایک ڈھیر پڑا دکھائی دینے لگا۔ باقی سب باتیں بڑی تیزی سے ہوئیں شکار پارٹی پہنچ چکی تھی اور جب ڈاکٹر اس راکھ کو دیکھنے کے لیے جھک رہا تھا۔ میرا سر گھوما اور میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔

میں دوسرے دن دوپہر تک سوتا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر نوری سیما کی پٹی کس رہا ہے۔ مجھے جاگتا دیکھ کر اس نے مجھے کوئی دوا دی اور ایک بار میں پھر سو گیا۔

دوسری صبح جب ڈاکٹر مجھے ملا تو میں ٹھیک تھا ڈاکٹر نے واقعی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے لوگوں سے بھیڑیئے کے بھوت ہونے کی تصدیق تو کر دی تھی مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ بھیڑیئے کے روپ میں۔ جیا تھی پھر عابدی کی مدد سے یہ معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔

سیماب بھی ٹھیک ہو چلی تھی۔

کل رات میں نے بھی سیما سے سب کچھ بتا دیا تھا۔ سارے راز اس پر ظاہر کر دیئے تھے۔

جواب میں وہ صرف مسکرا دی تھی۔

میرا خیال ہے کہ شہر پہنچ کر وہ یقیناً مجھ سے طلاق لے لے گی۔ ویسے مجھے پتا

نہیں کیونکہ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ رات بھر وہ بے حد بے چین سی رہی تھی آج صبح سے باہر گھومنے گئی ہوئی ہے۔

اور میں---

میں صبح سے بیٹھا یہ ساری داستان کاغذ پر منتقل کر رہا ہوں۔ ٹائپ رائٹر پر میری انگلیاں تیزی سے چلے جا رہی تھیں اور اس وقت شام ہو رہی ہیں۔ وہ اب آنے ہی والی ہو گی۔

رجیا کے مرنے کے بعد ناجانے سیما میں رجیا کی جھلک کیوں نظر آنے لگی تھی۔ وہ خوف سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب و غریب چمک نظر آتی تھی۔ مجھے اس کے وجود میں وہی گرم جوشی' بے باکانہ پن اور قدرتی کشش کا عنصر ملنے لگا تھا۔ جو رجیا میں تھی۔ اور شاید اسی لیے مجھے سیما سے کوفت ہوتی تھی۔ مگر اب تو سیما جسے میری زندگی کا جزو لاینفک بن گئی تھی۔ خوف سے سمٹی ہوئی سیما اب جنگلی شیرنی کی مانند جنگلوں میں تنہا گھومتی پھرتی تھی اس کی اکثر شامیں جھیل کے کنارے گزرنے لگی تھی۔ اس کے خدوخال میں رجیا کا عکس نظر آنے لگا تھا۔ اور تو اور اس کے بدن کی خوشبو بھی مجھے مانوس لگنے لگی تھی۔ پچھلے ایک سال سے سیما دن بدن نکھر رہی تھی اور میں تو رجیا کو جسے بھول ہی گیا تھا۔

پورے چاند کی راتیں شروع ہو چکی ہیں۔

مگر نہیں۔ سامنے کی کھڑکی کی طرف تو میں نے خیال ہی نہیں کیا۔ وہی جس کا شیشہ توڑ کر رجیا داخل ہوئی تھی۔ پچھلے کئی ماہ سے یہ کھڑکی اسی طرح غیر محفوظ تھی۔ مگر آج پہلی بار مجھے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی مرمت نہ کروا کر میں نے کتنی بڑی بے وقوفی کی تھی۔

اچانک سامنے کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے بھیڑیے کا ہیولہ نمودار ہوا ہے لیکن نہیں۔ اس کی آنکھیں مجھ مانوس سی ہیں۔ کہیں یہ سیما تو نہیں؟ ہاں شاید یہ سیما ہی ہے۔ اس کی آنکھوں سے عیاں ہونے والی نفرت اعلان کر رہی ہے کہ وہ مجھے سبق سکھانے آئی ہے اس کے نوکیلے دانت بتا رہے ہیں کہ وہ شدید بھوکی ہے یہ--- یہ کیا۔ وہ کھڑکی کے قریب آ رہی ہے۔ محتاط انداز میں۔ اور اگلے ہی لمحے۔ وہ کھڑکی سے اندر کود چکی ہے۔

میں کھڑکی میں سے چاند کو نکلتے دیکھ رہا ہوں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ سیما کو اب مجھ سے شدید نفرت ہو گئی ہے اور..... میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں..... میں لکھنے کی ٹیبل سے اٹھنا نہیں چاہتا۔ مجھے یہیں رک کر سیما کی واپسی کا انتظار کرنا ہو گا۔

مجھے تعجب ہے زخمی ہونے کے بعد بھی..... آخر وہ سارا دن کہاں گھومتی ہے؟

اس طرح زخم کے ساتھ گھومنا اس کے لیے یقیناً مضر ہو سکتا ہے۔

وہ زخمی ہے اور یہ زخم..... اوہ..... مجھے کچھ اور بھی یاد آ رہا ہے۔

اوہ..... خدا کرے سیما واپس نہ آئے۔

آج وہ سارا دن بے چین رہی تھی اور تنہا باہر چلی گئی تھی۔ اب میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کیوں یہاں نہیں ٹھہری تھی۔

یقیناً اس کا زخم..... گل کھلا رہا ہو گا۔

مجھے یاد آ گیا ہے۔ میں نے لڑکی کی موت پر جب رجیا سے کہا تھا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر مر چکی ہے تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ لڑکی اگر اس کے بعد بھی بچ جاتی..... تو وہ بھی ایک ایسی مخلوق بن جاتی جو بھیڑیے کا روپ دھارنے پر قادر ہو سکتی تھی--- اور..... سیما کے حلق پر بھیڑیے کے دانتوں کا لگایا ہوا زخم موجود تھا اور سیما مری بھی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زخم اپنا کام کر رہا ہو گا۔ سیما جنگلوں میں آخر کیوں گئی ہے؟

میرے سامنے کھڑکی موجود ہے اور میں اس میں سے دیکھ سکتا ہوں۔

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا ہے..... ہاں وہ آہستہ آہستہ ادھر آ رہی ہے۔ چاند کی روشنی میں وہ مجھے صاف دکھائی دے رہی ہے۔ چاند اس کے جھبرے بال دار جسم پر دمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں رہا ہے۔ اس کی کرنیں ترچھی ہو کر اس کے سفید سفید بھیانک دانتوں پر منعکس ہو رہی ہے۔

سیما مجھ سے نفرت کرتی ہے۔

اور وہ اب واپس آ رہی ہے۔ مگر عورت کی شکل میں نہیں۔

اوہ' مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہوا ہے؟ ہاں یہ تو بند ہے۔ یہ اچھا ہے۔ وہ اندر نہیں آ سکتی۔ وہ باہر ہی منڈلاتی رہے گی۔ دروازہ کھرچتی رہے۔ آوازیں نکالتی رہے گی۔

ہو سکتا ہے' عابدی آ جائے۔ ہو سکتا ہے ڈاکٹر ہی آ جائے۔ اگر وہ نہ بھی آئے تو بھی میں اندر محفوظ ہوں صبح ہوتے ہی وہ بھاگ جائے گی اور جب وہ دوبارہ آئے گی تو میں یہ تعلق فوراً ختم کر لوں گا۔

اب مجھے صبح ہونے کا بے چینی سے انتظار ہے۔

مگر..... اس کی غراہٹیں کتنی اونچی ہیں۔ اسے یقیناً میرے ٹائپ رائٹر کی آوازیں سنائی دے رہی ہوں گی۔ وہ باہر بے چینی سے گھوم رہی ہے۔ انتقام کی آگ میں سلگتی ہوئی۔ مجھے چیر پھاڑ ڈالنے کے لیے بے تاب۔

مگر میں محفوظ ہوں۔ اندر میں محفوظ ہوں۔

معصوم لاشیں

وہ ایک سرد ٹھٹھرتی ہوئی شام تھی' میں جگت خاں کریمن کا بہت دیر سے پیچھا کر رہا تھا جو مجھے سارے شہر میں گھماتی پھر رہی تھیں' اگرچہ خالہ کریمن لوگوں کے خیال میں پاگل ہو چکی تھیں' مگر خدا جانے کیوں میرا دل یہ بات ماننے کو تیار نہ ہوتا تھا کیونکہ وہ اکثر اتنے پتے کی باتیں کہہ جاتی تھیں کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی' دوسرے لوگ تو ہنس کر ٹال دیتے یا ان کے پاگل پن پر افسوس کرتے' مگر میں سنجیدگی سے سوچتا اور فائدہ اٹھاتا یہی وجہ ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔

خالہ کریمن ہمارے محلے ہی میں رہتی تھیں اور اکثر ہمارے ہاں آیا کرتی تھیں محلے والوں کو ان کے پاگل ہو جانے کا بہت صدمہ ہوا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ وہ ہر شخص کے دکھ درد کی ساتھی تھیں' ان کے شوہر کی وفات کو کافی دن گزر چکے تھے' ان کے ایک ہی لڑکا تھا امجد جو اپنی ماں کی طرح خوش اخلاق اور ملنسار تھا' امجد کی شادی میں خالہ نے سرخ رنگ کا لباس پہنا تھا' جیسے خود ان کی شادی ہو اور تمام شہر میں لہرا لہرا کر گاتی پھرتی تھیں' خالہ کو تو خیر اپنا ہی ہوش نہ تھا۔ لوگوں نے امجد کی تنہائی کو دیکھتے ہوئے اس کی شادی کرا دی تھی خالہ کا کام تو تمام دن شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں مارے مارے پھرنا تھا۔ کسی نے کچھ دے دیا تو کھا لیا' ورنہ یوں ہی کھائے پئے بغیر پھرتی رہتیں اور رات کو کسی وقت یا تو گھر آپڑتیں یا قبرستان میں ایک ٹوٹی پھوٹی تاریک کوٹھری میں بسیرا کر لیتیں۔

ایک دن میں کام سے بازار کی طرف جا رہا تھا تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آتا ہوا دکھائی دیا میں خاموشی سے ایک طرف ہو گیا' جنازہ گزر جانے کے بعد میں نے اچانک پیچھے کی طرف دیکھا' جنازہ نہ معلوم کیوں بیچ سڑک پر روک لیا گیا تھا۔ میں نے سوچا چلو چل کر دیکھنا تو چاہئے آخر بات کیا ہے؟ کئی راہ گیر بھی چلتے چلتے رک گئے تھے۔ میں جو وہاں پہنچا تو خالہ کریمن کو کھڑے دیکھا' جو بچوں کی طرح میت کا منہ دیکھنے پر مچل رہی تھیں' آخر کسی نے کہا بھئی دکھا دو منہ' جانے بے چاری کس دکھ میں پاگل ہوئی ہے' آخر میت کا منہ کھول دیا گیا' اف خدایا جس نے بھی دیکھا کانپ کر رہ گیا اور توبہ توبہ

کرتا پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ میت کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا' آنکھیں خوفناک حد تک باہر نکل آئی تھیں' زبان دانتوں کے اندر پھنسی ہوئی آدھی باہر لٹک رہی تھی' میرے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی' میں ہٹنے ہی والا تھا کہ خالہ کریمن آپ ہی آپ بڑبڑائیں!..... ہاں یہ بات ہے..... میں جان گئی..... خلق خدا پر اتنا بڑا ظلم..... تو آج رات..... یہ الفاظ دھیمے لہجے میں ان کے منہ سے نکلے تھے' مگر میں نے نزدیک ہونے کی وجہ سے سن لئے' لوگ جنازہ اٹھا کر آگے بڑھ گئے' خالہ کے بے ربط سے جملے میرے کانوں میں گونجتے رہے اور ان ہی جملوں کا راز جاننے کے لئے میں خالہ کا پیچھا کر رہا تھا' شاید آج رات خالہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

شام ڈھلے میں نے انہیں ڈھونڈ لیا اور اب وہ مجھے اپنے پیچھے لگائے سارے شہر میں گھما رہی تھیں جیسے انہیں علم ہو گیا ہو اور مجھے تھکا دینا چاہتی ہوں کہ آپ ہی تنگ آکر لوٹ جائے گا' مگر میں تو ان کے جملوں کا راز جاننے کے لئے بے چین تھا..... اچانک خالہ میری طرف مڑیں اور میں ان کو مڑتا دیکھ کر جلدی سے خود بھی مڑ گیا' اب حالت یہ تھی کہ میں ان کے آگے تھا اور وہ میرے پیچھے۔ میں کچھ دور بے تعلقی کے سے انداز میں چلتا رہا اور پھر پیچھے کی طرف دیکھا کہ خالہ اور کسی طرف نہ نکل گئی ہوں' لیکن میں ٹھٹھک کر رہ گیا' خالہ مجھ سے ایک قدم پیچھے کھڑی ہوئی عجیب انداز میں کھلکھلا کر ہنس رہی تھیں۔ کہنے لگیں "آج شاید زیادہ کھانا کھا لیا ہے ہمارے بیٹے نے تب ہی تو سارے شہر کا چکر لگاتا پھر رہا ہے۔" میں نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں خالہ بس گھر میں دل نہیں لگا' گھومنے نکل آیا تھا کہ تم مل گئیں' خالہ پھر ہنسنے لگیں اور پھر ڈانٹنے کے سے انداز میں بولیں۔ "جھوٹ نہیں بولا کرتے اور پھر اپنی خالہ ہی کے منہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ میں سب جانتی ہوں کہ میں نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا "خالہ نہ جانے تم کیا سوچ رہی ہو' مجھے نہیں معلوم کہ آخر تم کیا جانتی ہو۔"

وہ بولیں۔ "آ میرے ساتھ آ تجھے بتاؤں' خبردار زبان بند رکھنا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس شہر میں رہنے کی اجازت لی ہے۔ کہیں تو وقت سے پہلے ہی مجھے یہاں سے نکلوا دے۔" میں حیران حیران خالہ کی باتیں سنتا رہا' مگر سمجھ میں کچھ نہ آیا' ہاں میں نے یہ قسم ضرور کھالی کہ جو کچھ دیکھوں گا جو کچھ تم کہو گی اس کا کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گا' اس پر خالہ نے کہا کہ اچھا تو میرے پیچھے پیچھے آ' مگر مجھ سے دور دور رہنا۔

ہم دو تین گلیوں سے ہو کر ایک نیم تاریک گلی میں داخل ہو گئے' خالہ مجھے اس گلی کے مکان کے دروازے کے سامنے کھڑی نظر آئیں۔ گلی بالکل سنسان پڑی تھی' دراصل یہ مکانوں کی پشت تھی' گلی میں ایک ملگجا سا بلب جل رہا تھا' اس کی زرد زرد

مدھم روشنی گلی کے اندھیرے کو دور کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئی تھی۔ میں احتیاط سے چلتا ہوا خالہ کے پاس پہنچ گیا۔ اچانک انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ دستک کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس مکان کے مکینوں سے واقف ہیں' پھر بھی کئی سوال میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ اچانک دروازہ کھل گیا۔ اندر تاریکی ہی تاریکی تھی۔ خالہ جلدی سے اندر چلی گئیں۔ میں بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دروازہ بند کرنے والے کو دیکھنے کی کوشش کی مگر مجھے کچھ نظر نہ آسکا۔ خالہ اندر جاکر غائب ہو گئی تھیں مجھے وحشت سی ہونے لگی اور میں ہڑبڑا کر تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ کمرے سے نکلتے ہی میں اس کے صحن میں کھڑا تھا' مکان پر عجیب سی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ کیا یہاں کوئی نہیں رہتا۔ محسوس تو یہی ہو رہا تھا دروازہ کس نے کھولا اور پھر کس نے بند کیا؟ اتنے میں مجھے اپنے پیچھے کسی کے کود کود کر چلنے کی آواز آئی۔ میں نے چونک کر دیکھا مگر وہاں تو کچھ بھی نہ تھا۔ میں خالہ کو آواز دینے ہی والا تھا کہ اس وقت ایک کمرے میں روشنی نظر آئی اور میں بادل ناخواستہ اسی طرف دوڑتا چلا گیا' اب مجھے اس مکان سے سخت وحشت ہو رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی خالہ مجھے ایک کونے میں پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھی نظر آئیں اور میں بوکھلایا ہوا سا ان کے پاس بیٹھ گیا۔ سامنے انگیٹھی پر ایک لمبی سی موم بتی روشن تھی' وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا' میں خالہ کی عجیب سی خاموشی سے تنگ آکر پہلو بدل رہا تھا' ایک بار میں نے بولنا بھی چاہا تو خالہ نے مجھے اشارے سے خاموش کر دیا۔ رفتہ رفتہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میری آنکھیں باوجود کھلی رکھنے کے بند ہونے لگیں کہ اچانک میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ مجھے باہر صحن کی طرف سے کسی عورت کے کراہنے کی آواز صاف سنائی دی اور اسی لمحے کوئی دردو کرب کے ساتھ کراہا۔ "بدلہ..... بدلہ....." میں نے دہشت زدہ ہوتے ہوئے خالہ کی طرف دیکھا جو دروازے کی طرف نگاہیں جمائے بیٹھی تھیں۔ جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو' میں نے ان کے چہرے پر کوئی بھی تاثر نہیں دیکھا اور میں ایک بار پھر چونک اٹھا' اب کسی کے ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر چلنے کی آواز آئی اور پھر جو کچھ میں نے دیکھا' اس نے میرے ہوش اڑا کر رکھ دیئے میں خوف و دہشت سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میرے سامنے ایک چوبیس پچیس سالہ عورت جو کبھی بہت خوبصورت رہی ہو گی ایک ٹانگ پر کھڑی تھی' کرب و اذیت نے اس کے نقش و نگار کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ شانے سے کٹا ہوا تھا اور بائیں ٹانگ گھٹنے سے اور وہ اپنے ان کٹے ہوئے اعضا کو اپنے دوسرے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی شانے اور گھٹنے سے تازہ تازہ خون فرش پر گرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اس کے سینے میں ایک گہرا گڑھا

نظر آتا تھا' جیسے کہ اس کا دل نکال لیا گیا ہو' اس کا سارا لباس خون سے تر ہو رہا تھا' اس کے پیچھے کئی معدوم اور خوبصورت بچے بالکل اس حالت میں کھڑے ہوئے تھے جس حالت میں وہ خود تھی۔ وہ بھی اپنے کٹے ہوئے اعضا اپنے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے تھے' ان کی معصوم نگاہیں' التجائیں اور فریادیں لئے ہوئے تھیں' وہ عورت اچھل کر ایک قدم میری طرف بڑھی اور میں نے اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر دھڑام سے چارپائی پر گر گیا اور خالہ نے جواب تک خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ جلدی سے ہاتھ میرے سینے پر پھیرا اور پھر میرا خوف بہت کم ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ میں اٹھ کر بیٹھوں ایک سرسرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

بھگوان کے لئے! میرے دکھی من کو شانتی دے دو ماں' میں انتقام کی پیاسی ہوں' اپنے اور اپنے نردوش بالکوں کے۔"

بچے بھی اب کافی آگے بڑھ آئے تھے' رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر تھا۔ وہ پھر بولی۔

"مجھے اس آگ سے بچا لو' بھگوان کے لئے میری سہلتا کرو' میں کئی برس سے آگ میں جل رہی ہوں' میری آتما کو شانتی دے دو ماں۔" اور پھر وہ سسکیاں لینے لگی۔

یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا اور خالہ تھیں کہ اب بھی خاموش بیٹھی تھیں' آخر انہوں نے اپنی اس عجیب خاموشی کو توڑا۔ "میں اسی لئے یہاں آئی ہوں میری بچی' کیا تو مجھے اپنی کہانی سنائے گی' میں وعدہ کرتی ہوں....." اور وہ ایک دم خاموش ہو گئیں نہ جانے کیوں..... خالہ کی شفقت بھری باتوں سے میری بھی کچھ ہمت بندھی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا' مگر وہی سوال کہ سب کچھ کیا ہے میرے مولا' اس عورت نے ایک نگاہ میری طرف ڈالی کیسی حسرت تھی اس کی نگاہوں میں اور پھر وہ خالہ سے مخاطب ہوئی۔

"ماں مجھ ابھاگن کی جیون کتھا تو بہت لمبی ہے پر میں چاہتی ہوں کہ تم میری بپتا سن لو اور یہی میری انتم کامنا ہے' اس نے سسکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"ماں مجھے اس نرکھ میں جھونکنے والا میرا اپنا پتی ہے وہ پتی جسے میں اپنا من موہر دیوتا سمجھتی تھی' مگر اس درندے نے مجھے اتنے کشت دیئے کہ میں انتقال کی دیوانی ہو گئی' اس کارن میری آتما آج تک تڑپ رہی ہے' میرا نام اوشا دیوی ہے۔" میرا اس دنیا میں اب کوئی نہیں رہا' میں اور میری اپنی شبھ نواس بچپن ہی سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے بہت سے رشتے داروں کے خلاف ہونے کے باوجود شبھ نواس نے میرے ماتا پتا کو میرے ساتھ لگن کے لئے کہا اور کچھ سمے بعد ہم ایک بندھن میں باندھ دیئے گئے اور ایک برس

کے اندر ہی میرے ماتا پتا سورگ باش ہو گئے۔ ایک چھوٹا بھائی تھا جسے میں نے اپنے پاس رکھ لیا' اس وقت ہم اپنے گاؤں میں رہتے تھے۔ میرا پتی پیسے والا آدمی تھا۔ لگن کے دو برس ہنسی خوشی گزر گئے' مگر میرا پتی اب کچھ دکھی دکھی نظر آنے لگا تھا' کیونکہ اب تک میرے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

ایک دن میرا پتی بے کل سا گھر میں آیا' میں نے اس کے من کا بھید جاننے کی اچھا کی پر وہ ٹال گیا' میں اسے سکھی رکھنے کی ہر طرح کوشش کرتی' پر وہ سکھی نہ ہوتا اور اب تو وہ مجھ سے الگ الگ رہنے لگا تھا۔ راتوں کو اکیلا کمرے میں بند ہو کر بھگوان جانے کیا کیا کرتا رہتا۔ ایک دن میرا چھوٹا بھائی اچانک غائب ہو گیا شبھ نواس آیا تو میں نے رو رو کر اسے بتایا کہ سرمیندر کا پتا نہیں رات تو میں نے خود اسے کھاٹ پر لٹایا تھا۔ صبح اٹھی تو نہ سرمیندر تھا نہ آپ' کیا آپ اسے اپنے ساتھ کہیں لے گئے تھے۔ شبھ نواس نے گھور کر میری طرف دیکھا اور پہلی بار مجھے اس کی آنکھوں میں ایک انجان سی چمک نظر آئی۔ میں نے نگاہیں نیچی کر لیں' وہ آگے بڑھا اور مجھے اپنے شکتی وان بازوؤں میں لے کر پریم بھرے لہجے میں بولا۔ "کوئی چنتا نہ کرو دیوی' ادھر ادھر ہو گیا' میں اسے جا کر ڈھونڈتا ہوں۔"

مگر سریندر کو تو جیسے دھرتی نگل گئی تھی یا وہ آسمان میں اڑ گیا تھا' اسے نہ ملنا تھا نہ ملا۔

سریندر کے بغیر میری دنیا اندھیری ہو چکی تھی' میں سارا سارا دن روتی رہتی' شبھ نواس اب رات رات بھر غائب رہنے لگا تھا' ایک بار شبھ نواس رات کو اچانک نمودار ہوا اور مجھ سے بولا۔ "دیوی مجھے پتا لگا ہے کہ سریندر کو شہر میں دیکھا گیا ہے' کیوں نہ تم بھی میرے ساتھ شہر چلو اس طرح تمہارے من کو بھی شانتی مل جائے گی اور میں سریندر کو بھی ڈھونڈ لوں گا' اگلے دن ہی ہم شہر چلے آئے' ہمیں شہر آئے ایک برس بیت گیا مگر سریندر کا کوئی پتا نہ لگا یہاں آ کر شبھ نواس بالکل ہی بدل گیا تھا' اب وہ ذرا ذرا سی بات پر مجھ سے لڑ پڑتا نہ جانے رات کو کس سمے آتا۔ صبح کو جب میری آنکھ کھلتی تو وہ پڑا سوتا ہوتا۔ اس نے ان پانی بالکل تیاگ دیا تھا' اس کے منہ پر عجیب سی اداسی پھیلتی جا رہی تھی جسے دیکھ کر مجھے ڈر سا لگنے لگا تھا' ایک رات اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی سسک رہا ہو' میں نے ادھر ادھر دیکھا شبھ نواس کی کھاٹ خالی پڑی تھی' میں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اسی سمے غسل خانے سے کراہنے کی آواز سنائی دی میں ڈرتے ڈرتے اس طرف بڑھی اور دروازے کی جھری میں سے اندر جھانکا اور میں دھڑام سے گر پڑی۔ میرے پتی نے ایک آٹھ نو سال کے بالک کو اپنے ہاتھوں سے دبا رکھا تھا اور

اس کے ایک ہاتھ کو کندھے سے اور ایک ٹانگ کو گھٹنے سے الگ کر دیا تھا اور لمبے چاقو سے اس کا دل نکال کر اپنے دانتوں سے بھنبھوڑ رہا تھا' اس کے منہ پر شیطانی مسکراہٹ ناچ رہی تھی اس نے نگاہ اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا' اس کی آنکھیں کسی دہکتے ہوئے انگارے کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے وشواس ہی نہ تھا کہ یہ میرا پتی شبھ نواس ہے۔

صبح بہت دن چڑھے میری آنکھ کھلی' میں کچھ دیر خالی خالی آنکھوں سے چھت کو گھورتی رہی' پھر میں نے اچانک شبھ نواس کی کھاٹ کی طرف دیکھا اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ شبھ نواس تو نہ جانے کب سے بیٹھا مجھے گھور رہا تھا' اس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی تھی' کیا مجھے شبھ نواس نے ہی کھاٹ پر لٹایا تھا' اس نے مجھے اٹھتا دیکھ کر کہا۔

"بھلا ہو بھگوان رانی دیوی کی آنکھ تو کھلی۔"

اس کے اس طرح بولنے پر میں کھول ہی تو اٹھی۔ "کیوں کیا بھوک لگی ہے مہاشے جی۔ کیا جلدی سے بھوجن تیار کر دوں؟" میں جان گئی تھی کہ وہ اب گھر میں بھوجن کیوں نہیں کرتا۔ میں نے جو چوٹ کی تھی وہ اسے سمجھ گیا اور کہنے لگا۔

"میں یہ سب کچھ تمہارے من کی اچھا پوری کرنے کے لئے کر رہا ہوں..... میں تمہیں سدا سکھی..... اور میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"شبھ نواس!" آج پہلی بار میں نے اپنے پتی کا نام لیا تھا' اس نے چونک کر مجھے دیکھا' میں نے کہا۔

"مجھے کسی شانتی اور سکھ کی آشا نہیں ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگنا چاہتی۔"

اس سمے میرے ذہن نے سریندر کی مورتی میرے سامنے لا کر کھڑی کر دی۔

"ہے بھگوان! کہیں میرے سریندر کو بھی اس راکھشس نے نہ مار ڈالا ہو۔ نہیں نہیں! میرا سریندر زندہ ہے' ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" شبھ نواس حیران سا مجھے دیکھتا رہا اور بہت ہی گمبھیر آواز میں بولا۔

"دیوی۔ میں تمہارے من کی بات سن رہا ہوں۔" میں نے ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھا' اس کے مکھ پر وہی پر اسرار مسکراہٹ تھی' وہ اٹھ کر میرے قریب آ گیا' اس نے پریم بھرے لہجے میں دھیمے دھیمے کہنا شروع کیا۔

"میری لکشمی! تم تو جانتی ہو کہ ہمارے کوئی اولاد نہیں ہے' مجھے اولاد کی جتنی اچھا تھی..... اتنا ہی بھگوان نے مجھے اولاد سے دور رکھا۔ میں نراش ہو گیا تھا' لیکن ایک روز مجھے ایک بہت بڑے گیانی مہاراج ملے اور میرے کچھ کہے بغیر ہی انہوں نے کہا۔ " بچہ چنتا نہ کرو۔" یہ شبدھ میرے کانوں سے ٹکرائے اور مختصراً یہ کہ میں نے ان کے کہنے

سے جاپ شروع کر دیئے۔ میں ان مہاراج کو بھگوان کا اوتار سمجھتا ہوں اور ان ہی کے کارن میں آج شکتی کا مالک بن گیا ہوں۔ بڑے بڑے گیانی میرے آگے کچھ نہیں۔ میری شکتی اتنی بڑھ گئی ہے کہ جسے چاہوں کنیا (لڑکی) دے دوں اور جسے چاہوں بالک دے دوں' اور من چاہے تو ان دونوں آتماؤں کو بھسم کر دوں' میری اس مہان شکتی کے آگے کس کا بل۔ پرنتو اس شکتی کو رکھنے کے کارن مجھے کسی کنیا یا بالک کا ہردے (دل) کھانا ہو گا اور ہردے اس سمے نکالنا ہو گا جب وہ لاش بری طرح تڑپ رہی ہو' اگر ہردے نکالنے سے پہلے منش۔ مرجائے تو مجھے اپنے پریم کا دان دینا ہو گا' ورنہ میری تمام محنت کارت جائے گی اور مجھے پھر شروع سے پھر جاپ کرنا ہوں گے۔" وہ کچھ دیر رکا اور پھر بولا۔

"بس آج کا دن ہے۔ اس کے بعد میں امر ہو جاؤں گا۔" پھر اس کا بھیانک قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

"ہندو' مجھے بھگوان کا اوتار اور مسلے' پہنچا ہوا بزرگ سمجھیں گے۔ میری اور تمہاری پوجا ہو گی۔ تم بھی کسی دیوی سے کم تو نہیں ہو' دیکھو دیوی! میری شکتی کا ایک چھوٹا سا کرتب دیکھو پرنتو اگر تم نے ایک لفظ بھی کسی سے کہا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ شبھ نواس کی جگہ لمبے لمبے سیاہ بالوں والا ریچھ کھڑا تھا' مگر اس کا مکھ اب بھی شبھ نواس جیسا تھا' وہ اپنی ہی آواز میں بولا۔

"کیوں دیوی؟ دیکھی میری مہان شکتی! میں جس روپ میں چاہوں آسکتا ہوں۔"

اور پھر وہ انسانی صورت میں آگیا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی' اس نے آگے بڑھ کر میرے کندھوں پے ہاتھ رکھ دیئے۔

"کیا تم خوش نہیں شکنتلا؟" دیوی یہ سب کچھ میں نے تمہارے کارن ہی تو کیا ہے..... میں تم کو سکھی دیکھنا چاہتا ہوں دیوی' دیکھو اپنے چندر رما جیسے مکھ کو مجھ سے نہ موڑو۔"

میں شبھ نواس کی باتوں سے پگھلنے لگی تھی' کتنا سمے بیتنے کے بعد میرے پتی نے اتنے پریم سے باتیں کی تھیں' پر اچانک شبھ نواس کا وہ بھیانک چہرہ میرے سامنے آیا جسے رات میں دیکھ چکی تھی' مجھے ان نردوش بالکوں کا خیال آیا جو نہ جانے کتنی ماؤں کی گود سے چھین لئے گئے تھے اور میرا سریندر..... اس کے خیال سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے غصے سے شبھ نواس کی اوڑ دیکھا۔ وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں دیوی! سریندر امر ہو گیا' پرنتو اس کی بھینٹ بے کار نہیں گئی' اب ایک نہیں کئی سریندر اس گھر میں کھیلا کریں گے پر تم خوش نہیں ہوئیں۔

"نہیں نہیں....." میں چلا پڑتی۔ "بھگوان کے لئے یہ اتیا چار نہ کرو' بھگوان جانے ہمیں کتنے کشٹ اٹھانا پڑیں' ابھی سمے ہے کہ بھگوان کے چرنوں میں گر پڑو۔" میرے دل میں نفرت کا جو لاوا کھول رہا تھا وہ ابل پڑا' شبھ نواس اپنے کئے پر پچھتانے کے بجائے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔ کچھ دیر رونے کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔

نیند میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے زور سے جھنجوڑا ہو' میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں' شبھ نواس مجھ پر جھکا ہوا تھا اس کے ہونٹ کمان کی طرح کھنچے ہوئے تھے اور اس کی سفید سفید دانت بڑے عجیب سے لگ رہے تھے' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا "دیوی میرا جاپ نشٹ ہونے والا ہے' مجھے انسانی دل چاہیئے مجھے اپنا ہردے دے دو۔"

میں ڈر کر چیخنے ہی والی تھی کہ وہ بولا "شکنتا" میری آنکھوں میں دیکھو' میری نظریں بے ساختہ اس کی آنکھوں کی طرف اٹھ گئی اور پھر جیسے میری آتما..... میرے شریر (جسم) میں سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی' میں نے اپنی آنکھیں ہٹانا چاہیں..... لیکن باوجود کوشش کے ایسا نہ کر سکی' وہ مجھے اٹھا کر غسل خانے میں لے گیا' پھر اس نے مجھ فرش پر ڈال دیا اور گنڈاسا اٹھا کر میرے کندھے پر وار کیا۔ میرا پورا ہاتھ کٹ کر دور جا پڑا' پھر اس نے میرا ایک پیر کاٹ ڈالا اور اس کے بعد دل نکال کر چبانے لگا مرتے سمے میری صرف ایک ہی اچھا تھی کہ میں اس پاپی سے کسی طرح اپنا اور ان نردوش بالکوں کا بدلہ لے سکوں جو اس سمے تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ دیکھو ماں جی! یہ وہی پھول ہیں جن کو اس مورکھ نے مسل کر رکھ دیا۔ اس نے مجھے اس غسل خانے میں دبایا تھا جہاں ان بالکوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے' ایک دن میری ماتا جی میرے پاس آئیں اور رو رو کر کہنے لگیں۔

"اٹھ شکنتلا! یہاں کب تک پڑی رہے گی' اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا وہ پاپی بہت شکتی دان ہو گیا ہے' اس سے انتقام لینا تیرے بس کی بات نہیں' پرنتو اگر کوئی منش جاتی تیری سہائتا کرے تو شاید....."

میں غضب ناک ہو کر اٹھ بیٹھی۔ "نہیں ماں تو فکر نہ کر' میں ایسا بدلہ لوں گی کہ دھرتی اور آکاش کانپ اٹھے گا' یا تو میں اسے نرکھ میں جھونک دوں گی یا میری آتما بھی بھسم ہو جائے گی! پھر میں اس پاپی کا انتظار کرتی رہی' مگر وہ ایسا چھپا کہ پھر کئی ورش

(برس) میرے سامنے نہ آیا' جاتے جاتے کچھ لکیریں ایسی کھینچ گیا کہ میں باہر نہ نکل سکتی تھی۔ میں نے اپنی کتھا کئی بار منشوں کو سنائی لیکن اس کے نتیجے میں یہ مکان آسیب زدہ ہو کر رہ گیا۔ اب اس مکان میں کوئی نہ آتا کل اچانک ہی یہاں ایک مسلمان جوڑا آکر رکا' میری کچھ آس بندھی' یہ نواب تھا جو اپنی پتنی کے ساتھ سیر کرنے اس شہر میں آیا تھا۔ اس کی پتنی بڑی سندر تھی' اسے دیکھ کر مجھے ترس سا آگیا۔ کہیں میری کتھا سن کر یہ لوگ ڈر نہ جائیں' لیکن پھر انتقام کی آگ نے مجھے بیاکل کر دیا تو میں مجبور ہو کر نواب کے سامنے گئی' نواب نے مجھے دیکھا اور بھیانک چیخ مار کر گر پڑا' اس کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ مجھ سے اس کی پتنی کا رونا نہیں دیکھا جاتا تھا' پھر لوگ اسے بھی لے گئے۔ میں پھر مایوس ہو گئی۔"

میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ جنازہ نواب ہی کا تھا جسے خالہ نے رکوا کر اس کا منہ دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ اسی وقت شکنتلا نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ماں جی یہ ہے میرا سریندر....."

سریندر واقعی شکنتلا سے مشابہت رکھتا تھا۔ "میرا سریندر ہی اس مورکھ پاپی کا پہلا شکار تھا' ماں جی بھگوان کے لئے کچھ کرو۔"

میں ظلم و بربریت کی یہ انوکھی داستان سن کر تڑپ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شکنتلا میری اپنی بہن ہے' میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات ابھر رہے تھے' میری آنکھوں سے دو آنسو ڈھلک گئے' اچانک مجھے وہ خبریں یاد آئیں جن میں شہر سے بچوں کے اغوا ہو جانے کا ذکر تھا۔ تو کیا یہ کام اس موذی کا تھا کاش وہ مجھے مل جائے' میں تو اس کی بوٹی بوٹی کر دوں۔" خالہ جو اب تک ہر بات خاموشی سے سنتی رہی تھیں بولیں۔

"فکر نہ کر! میری بچی! انشاء اللہ تجھے اور ان معصوم بچوں کو ضرور سکون مل جائے گا' کیا تجھے پتا چلا کہ وہ موذی کہاں ہے؟"

شکنتلا بولی۔ "زیادہ تو پتا نہیں' اتنا جانتی ہوں کہ وہ گنگا کے اس پار پوربی دیش میں....." اور اس لمحے ہوا کا ایک زبردست جھونکا کمرے میں داخل ہوا' موم بتی بجھ گئی' مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی دیو پیکر پرندہ پر پھڑپھڑاتا ہوا شکنتلا کی طرف جھپٹا ہو' شکنتلا اور بچوں کی چیخیں بلند ہوئیں اور معدوم پڑ گئیں اسی لمحے میں نے خالہ کے ہیولے کو پرندے کی طرف اچھلتے دیکھا' شاید انہوں نے اس پر حملہ بھی کیا ہو' کیونکہ ان کے اچھلتے ہی کمرے میں ایک اور بھیانک چیخ گونجی۔ "اف ظالم مار دیا..... اور پھر پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز تیزی کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی' خالہ کریمن چلائیں۔

"اس سے پہلے کہ تو میرا لگایا ہوا زخم چاٹ چاٹ کر بھرے میں تیرا سر تن سے جدا کر دوں گی۔"

گو مجھے خالہ کریمن کے چہرے کے تاثرات تو نظر نہیں آرہے تھے مگر یہ آواز ان خالہ کی تو نہ تھی جو ایک بے ضرر سی عورت نظر آتی تھیں۔ میں بھاڑ سا منہ پھاڑے' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ جب خالہ نے دوبارہ موم بتی جلائی تو میں نے دیکھا کہ جہاں شکنتلا اور بچے کھڑے تھے وہاں صرف راکھ اور اس کے قریب تازہ تازہ خون نظر آیا۔

خالہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔ "یہ خون اسی موذی درندے کا ہے۔ اس نے شکنتلا اور بچوں کی روح کو ختم کر دیا ہے' خیر اس کا خاتمہ میرے ہاتھوں ہو گا۔"

مجھے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ڈر محسوس ہو رہا تھا آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لا کر گھر چھوڑ دیا۔ نیند آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ میرے ذہن میں شکنتلا کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ جانے کس وقت مجھے نیند آگئی۔ صبح جب میں سو کر اٹھا تو رات کے واقعات مجھے خواب کی مانند محسوس ہوئے۔ ناشتا کر کے میں گھر سے نکلا اور کچھ سوچ کر رات والی گلی کی طرف چلا' وہاں پہنچا' اس مکان کے سامنے بہت بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ معلوم یہ ہوا کہ رات کو لوگوں نے اس مکان سے بڑی بھیانک چیخوں کی آوازیں سنی تھیں۔ رات کو تو کسی نے یہاں آنے کی ہمت ہی نہ کی۔ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یقیناً کوئی چور رات کو مکان میں داخل ہوا ہو اور مکان کے بھوت نے اسے پکڑ لیا ہو۔ لیکن مکان کے اندر داخل ہونے پر کچھ بھی برآمد نہ ہوا (دو ماہ بعد جب مالک مکان نے اس مکان کو گروایا اور غسل خانے کا فرش کھدوایا گیا تو نیچے سے کئی بچوں کے ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے اور ایک بڑا ڈھانچا برآمد ہوا تھا)

اس شام ہمارے ہاں والد صاحب کے ایک دوست عنایت اللہ صاحب قیام کی غرض سے آئے' دھان پان سے آدمی تھے لیکن بولتے تو ایسا لگتا جیسے لڑ رہے ہوں' وہ ہمارے شہر سے چالیس پینتالیس میل دور "سومی" گاؤں میں رہتے تھے۔ پہلے تو وہ ہمارے شہر میں ہی رہتے تھے۔ مگر پتا نہیں کیوں چلے گئے تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے والد صاحب سے کہا۔

"بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ جب میں پچھلے سال آیا تھا تو ایک فقیر کا ذکر تم سے کیا تھا۔ مگر اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ مگر اس سال کچھ عجیب عجیب واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے گاؤں پر جو مصیبتیں آئی ہیں وہ اسی مجاحد کے

بچے کی وجہ سے آئی ہوئی ہیں۔ مگر میری بات کوئی نہیں مانتا۔

چچا عنایت کی اتنی بات سے میں کچھ کھٹکا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "چچا میاں..... مجھے پوری بات سنائیے۔" کیونکہ چچا عنایت کی باتوں سے میرا دھیان فوراً شکنتلا کی طرف مڑگیا تھا۔ میرے شبے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ دریائے گھنگا۔ ہمارے شہر سے کوئی سو میل دور پر بہتا تھا اور چچا کا گاؤں گنگا کی طرف 15 میل پرے واقع تھا اور یہ وہیں مقام تھا جس کا ذکر شکنتلا نے کیا تھا۔ چچا نے میرا کچھ شتیاق دیکھ کر ایک لمبی سانس لی اور بولے" بیٹے قصہ دراصل یہ ہے کہ اب سے کوئی ڈیڑھ سال پیشتر ہمارے گاؤں سے دو فرلانگ دور ایک میدان سا تھا یہ کسی کی بھی ملکیت نہ تھا۔ کسی کاشتکار نے وہاں آٹھ گز لمبی قبر دیکھی' وہ چیختا ہوا بھاگا۔ تھوڑی دیر میں سارے گاؤں والے قبر کے پاس جمع ہو گئے۔ لیکن آس پاس کے کسی گاؤں میں آٹھ فٹ لمبا کوئی شخص نہیں رہتا تھا جس کی موت کے بعد اتنی لمبی قبر تیار کی جاتی اور تم تو جانتے ہی ہو کہ گاؤں والے کس قدر وہمی ہوتے ہیں۔ کسی کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ قبر کو کھود کر دیکھتا تھوڑے دن تو یہ قبر موضوع بنی رہی۔ پھر لوگوں نے توجہ دینی چھوڑ دی۔ چھ ماہ بعد اچانک ہی وہاں ایک خوفناک سی شکل کا لمبا تڑنگا آدمی آدھمکا اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر قبر کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اب قبر کے چاروں طرف کچی دیوار کا احاطہ بن گیا۔ اور اس میں سبزہ لہلہانے لگا۔ گاؤں کے منچلے نوجوانوں نے اسے کھانے پکانے کا ایک ڈھنگ سمجھ کر قبر کو مسمار کرنے کا ایک منصوبہ بھی بنایا۔ لیکن مجاور چوبیس گھنٹے قبر کی نگرانی کرتا تھا اس لئے انہیں موقع ہی نہ ملا' ہوتے ہوتے یہ خبر دور دور تک پھیل گئی اور تو ہم پرست لوگ چادریں چڑھانے اور منتیں مانگنے کے لئے آنے لگے اور یہ حیرت انگیز بات تھی کہ وہ جس کے لئے جو کہہ دیتا وہ واقعی پورا ہو جاتا۔ کئی بے اولاد لوگوں کے ہاں بچے ہوئے۔ مگر ان بچوں کو دیکھ کر عبرت ہوتی تھی' کسی کا ہاتھ غائب' کسی کی ٹانگ گھٹنے تک کٹی ہوئی' آنکھیں بھرائی ہوئی۔"

"ہو نہ ہو یہ درندہ وہی شبھ نواس ہے۔" میں نے سوچا۔ چچا میرے خیالات سے بے خبر کہے جا رہے تھے۔

"ایک سال تک تو خیر معاملہ ٹھیک رہا۔ لیکن پھر گاؤں سے چھوٹے چھوٹے بچے غائب ہونا شروع ہو گئے۔ گاؤں والے روتے پیٹتے مجاور کے پاس گئے۔ اس نے انہیں تسلی دے کر واپس کر دیا۔ تیسرے روز تمام گزشتہ بچے ایک ایک کرکے واپس آگئے مگر اس حالت میں کہ جیسے چلتی پھرتی لاشیں ہوں' کفن کی طرح سفید۔ اب نہ کچھ کھاتے پیتے تھے نہ کھیل کود میں حصہ لیتے تھے۔ اگر ان سے بات کی جائے تو بمشکل تمام ایک جملے میں

جواب دیتے۔ آواز ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے گہرے کنوئیں میں سے بول رہے ہوں۔ گاؤں کے کچھ لوگ تو اتنے خوف زدہ ہو گئے کہ گھر چھوڑ کر دوسرے گاؤں چلے گئے' گاؤں میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان میں دو پارٹیاں بن گئیں۔ کچھ لوگ تو مجاور کے حامی تھے اور کچھ تمام واقعات کا ذمے دار مجاور ہی کو سمجھتے تھے۔" چچا کی باتوں سے مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ شبھ نواس ہی ہے۔ لیکن اتنی دور ہو کر اسے یہ علم کیسے ہو گیا کہ شکنتلا نے ہمیں ساری باتیں بتا دی ہیں۔ ہاں وہ تو پر اسرار قوتوں کا مالک ہے۔ ایسے لوگ تو ہر ناممکن کام کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ اب مجھے فوراً خالہ کریمن کو یہ سب باتیں بتا دینی چاہئیں۔ کیونکہ شبھ نواس کا زندہ رہنا بہت خطرناک ہے' یہ سوچ کر میں تقریباً بھاگتا ہوا خالہ کریمن کی تلاش میں نکلا..... خالہ قبرستان کی نیم تاریک کوٹھری میں بیٹھی کچھ پڑھنے میں مصروف تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولیں۔

"تو گھر جا کر آرام کر..... کل جمعرات ہے..... کل فیصلہ ہو جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "مگر خالہ..... میں تو آپ کو یہ بتانے....."

وہ بات کاٹ کر بولیں۔ "ہاں ہاں تو جا! مجھے یہ سب معلوم ہے۔ کل تو تو میرے ساتھ ہی ہو گا۔ بس اتنا خیال رکھنا کہ کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ ورنہ میں تجھے معاف نہ کروں گی۔" میں خاموشی سے واپس آگیا۔

اگلے دن مجھ سے وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا..... خدا خدا کرکے رات ہوئی' نو بجے کے قریب مجھے باہر کسی نے آواز دی۔ میں لپک کر باہر گیا۔ مجھے تو دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ میں اسے وہم سمجھ کر پلٹنے ہی والا تھا کہ خالہ کریمن کی آواز آئی۔ "ارشاد بیٹے! تو قبرستان میں آجا..... میں انتظار کر رہی ہوں۔" یہ آواز کہاں سے آرہی تھی خالہ کریمن تو یہاں تھیں ہی نہیں..... مگر ہاں! خالہ کریمن بھی تو پر اسرار قوتوں کی مالک ہیں..... اگر ان کی آواز قبرستان سے یہاں تک آگئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

جب میں قبرستان پہنچا تو خالہ میرا انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو روانہ ہو گئیں۔

چاندنی رات ہونے کی وجہ سے چاروں طرف ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی ہم کھیت' میدان' جنگل تیزی سے عبور کرتے جا رہے تھے بلکہ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں ایک جگہ ہی کھڑا قدم اٹھا رہا ہوں اور زمین تیزی کے ساتھ ہمارے نیچے سے پھیل رہی ہے' ہمیں چلتے ہوئے ابھی پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ہمارے راستے میں ایک بہت بڑا دریا حائل ہو گیا یہ گنگا تھا ہندوؤں کا متبرک دریا' اس کا مطلب ہے کہ میرے اندازے ٹھیک ہی ہیں۔ میں نے سوچا کہ کیا واقعی ہم چچا عنایت کے گاؤں کی طرف جا

رہے ہیں' میں نے اپنے اطمینان کے لئے خالہ سے پوچھا۔
"خالہ کیا ہم سواس گاؤں جا رہے ہیں؟ اور یہ دریا گنگا ہے نا؟"
انہوں نے کڑی نظروں سے میری طرف دیکھا' کیا میں تجھے واپس بھیج دوں۔ یہ گنگا ہی ہے بس اب خاموش رہنا اور میں یکدم خاموش ہو گیا۔ جبکہ میں یہ سوال بھی کرنے والا تھا کہ گنگا کو کس طرح پار کریں گے۔ کیونکہ یہاں تو کوئی کشتی یا پل بھی نظر نہیں آ رہا اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ خالہ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور پانی کی سطح پر پھیلتی چلی گئیں' میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے پانی کو گھور رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پانی پر نہیں زمین پر چل رہے ہیں اور ہم پلک جھپکتے ہی دوسرے کنارے پر کھڑے تھے۔ ہم نے یہ تمام سفر تقریباً دس منٹ میں طے کر لیا ہو گا کچھ دور ہم اور چلتے ہوں گے کہ ہمیں کسی آبادی کے کچے پکے مکان صاف نظر آنے لگے اور ہمارے دائیں طرف ہٹ کر ایک چھوٹی سی کچی دیوار کا احاطہ نظر آیا خالہ اسی احاطے کے اندر مٹی کے ملتے سے ڈھیر کی طرف ویکھا۔ جس کے ساتھ ہی گھاس پھونس کی جھونپڑی بنی ہوئی تھی' بالکل وہی مقام تھا جیسا کہ چچا عنایت نے بتایا تھا ہم خاموشی سے اس جھونپڑی کی پچھلی طرف جاکھڑے ہوئے اور اندر جھانکا۔ دیئے کی زرد زرد کمزور سی روشنی نے جھونپڑی کے ماحول کو پر اسرار بنا رکھا تھا' ایک طرف کونے میں ایک لمبا تڑنگا خونخوار شکل کا انسان نما دیو جس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ تھیں بیٹھا ہوا اپنی زبان سے کسی درندے کی طرح اپنی ٹانگ پر لگے ہوئے زخم کو چاٹ رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے اس کی پنڈلی پر بڑے اطمینان سے چاقو سے لمبا زخم ڈالا ہو لیکن جب بھی وہ اپنی زبان زخم پر لگاتا تو اسی لمحے اس کا بدن کانپ کر رہ جاتا اور پھر وہ آپ ہی آپ غرایا بڑھیا تو نے جو زخم مجھے لگایا ہے اس کے بدلے میں تمام دنیا کو لاشوں میں تبدیل کر دوں گا..... ہاہا..... اس کا بھیانک قہقہہ خاموش فضا کو لرزاتا چلا گیا۔
"لاشیں میری تابع اور فرمانبردار لاشیں اوہ..... ہوہو" میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں تو..... تو کیا..... یہ ہی شکنتلا کا بدکردار شوہر ہے! کیا یہی وہ موذی درندہ ہے جسے نہ معلوم کتنی بے گناہ اور معصوم زندگیوں کو اپنی بری خواہشوں کی بھینٹ چڑھا دیا اور اچانک خالہ نے میرا ہاتھ دبا دیا جس کا مطلب میں سمجھا کہ وہ اثبات میں جواب دے رہی ہیں' اچانک اس دیو نما انسان نے منہ اٹھا کر کتے کی طرح فضا کو سونگھا اور چوکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
"دشمن" اس کے منہ سے نکلا اور جلدی سے لنگڑاتا ہوا جھونپڑی سے باہر آ گیا اس کے باہر نکلنے سے پہلے ہی خالہ نے کچھ پڑھ کر اپنے اور میرے اوپر پھونک دیا۔ شبہ

تواس کچھ دیر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا..... لیکن خدا جانے اسے ہم نظر کیوں نہ آ رہے تھے جب کہ کئی مرتبہ اس نے ہماری طرف بھی دیکھا تھا! پھر وہ اپنے آپ سے بولا۔ "کمال ہے' کیا میرا علم مجھے دھوکا بھی دے سکتا ہے اول ہو گا..... میں معمولی خطروں سے نہیں ڈرتا۔"

پھر اس نے طویل انگڑائی لی۔ "اوہ مجھے پیاس لگی ہے خون تازہ اور صاف خون..... دل..... جوان دل..... آ رہا ہوں میرے بچو..... تمہیں ہمیشہ کی زندگی دینے۔"
وہ اپنی لمبی زبان ہونٹوں پر پھیرتا ہوا دو قدم آگے بڑھا اور اپنے ہاتھو کو اس طرح گردش دی جیسے وہ فضا میں اڑنا چاہتا ہو! اور..... میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ فضا میں بلند ہوتا چلا گیا مگر اب وہ ایک بہت بڑے بدہیئت شکل کے پرندے میں تبدیل ہو چکا تھا' جس کے پر تو چمگاڈر سے ملتے جلتے تھے اور شکل میں نے مگرمچھ سے مشابہ محسوس کی تھی اس کا رخ دریا کی طرف تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شاید آج پھر کسی بدنصیب ماں کی گود خالی ہونے والی تھی۔ میں نے اضطراری حالت میں خالہ کو دیکھا جو اب تک خاموش تھیں۔ انہوں نے میری نگاہوں کا مفہوم سمجھ لیا اور مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ چند ہی لمحوں بعد ہمیں چاروں طرف سے ہلکی ہلکی آہٹوں کا احساس ہوا۔ خالہ نے اور میں نے ادھر دیکھا اور میں چونک پڑا' احاطے کی کچی دیوار سے ایک سر نمودار ہوا جو آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا جا رہا تھا اور اب وہاں مکمل آدمی کھڑا تھا اس نے اپنے ایک ہاتھ میں پھاوڑا اور دوسرے ہاتھ میں شاید کلہاڑی لے رکھی تھی۔ میں نے گھوم کر دوسری طرف دیکھا وہاں بھی ایک آدمی کھڑا نظر آیا پھر تو چہار طرف سے چار آدمی اندر آ گئے اور چوکنے انداز میں بھونپڑی کی طرف بڑھے اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ جھونپڑی خالی ہے تو جلدی سے قبر پر چڑھ دوڑے۔ انہوں نے جیسے ہی قبر کو کھودنے کے لئے پھاوڑے چلائے' اسی لمحے ان چاروں آدمیوں کی بھیانک چیخیں فضا میں گونج کر رہ گئیں اور پھر تو جس کا منہ جدھر کو ہوا بھاگ کھڑا ہوا وہ بھاگتے جاتے اور چلاتے جاتے تھے میں خود ان کی چیخیں سن کر اپنی جگہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ قبر سے تازہ تازہ خون چشمے کی طرح بہہ رہا تھا' ان لوگوں کے بھاگتے ہی خالہ کریمن میرے ہاتھ کو دباتی ہوئی قبر پر جا پڑیں اور ان لوگوں کے پھاوڑے سے قبر کو ادھیڑ ڈالا۔ جوں جوں وہ قبر کو کھودتی جاتیں خون بے اندازہ نکلتا جاتا کہ اچانک میں خوف سے کانپ کر رہ گیا۔ خون کے بند ہوتے ہی انسانی ہڈیوں کا ایک پنجر قبر سے نکلتا نظر آیا۔ اس نے نکلتے ہی خالہ کی طرف اپنے بازو پھیلائے اس سے پہلے کہ وہ خالہ کو دبوچے خالہ اچھل کر ایک طرف ہو گئیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس پنجر کے ہاتھ لمبے ہونے شروع ہو گئے جو خالہ کی طرف سرعت سے

بڑھ رہے تھے خالہ بھی نہ معلوم کیا بڑبڑا رہی تھیں کہ اچانک ڈھانچے میں آگ لگ گئی۔ آگ کے لگتے ہی دریا کی طرف سے فضا میں ایک زبردست خوفناک دہاڑ سنائی دی۔ اور پھر آگ کا ایک گولا سا آسمان کی وسعتوں سے تیزی کے ساتھ نیچے کی طرف آتا نظر آیا اور پلک جھپکتے ہی وہ ہمارے سروں پر تھا! اور یہ تو وہی پرندہ تھا یا شاید شبھ نواس! اس نے دو چکر فضا..... میں لگائے اور بجلی کی سی تیزی سے۔ خالہ پر حملہ آور ہوا‘ اس کے منہ سے بڑی خوفناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر خوف سے آنکھیں بند کرلیں۔ کیونکہ اس بدہیئت پرندے کے حملہ کرنے کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ خالہ کو ایک ہی حملے میں پیس کر رکھ دے گا۔ لیکن دھپ کی آواز نے مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا مجھے ایسا لگا تھا کہ جیسے کوئی گوشت پوست کی بھاری چیز زمین پر گری ہو۔ خالہ کریمن بڑے اطمینان سے اس پرندے کو گھور رہی تھیں جو اب زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا‘ خدا جانے میری آنکھیں بند ہونے پر خالہ نے اس کا وحشیانہ وار کس طرح روکا ہوگا۔

ڈھانچہ قریب قریب جل کر راکھ ہو چکا تھا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے پرندے کی جگہ شبھ نواس آنکھیں پھاڑے اپنا سر جھٹک رہا تھا اور اسی لمحے شبھ نواس کا بھیانک قہقہہ گونجا ہاہا..... ہو ہو ہو..... بڑھیا تو سمجھتی ہے کہ اس ڈھانچے کو جلا کر تو نے مجھ پر قابو پالیا ہے۔ مگر ابھی تو نے میری طاقت کا اندازہ نہیں کیا ہے۔ ایک بار تو میں نے تجھے معاف کر دیا تھا ورنہ ارادہ یہی تھا کہ کلکتہ سے پہلے تجھے ٹھکانے لگا دوں۔ مگر آج تجھے تیری موت میرے پاس لے آئی ہے میں چاہوں تو تجھے ابھی بھسم کرکے رکھ دوں۔ خیر اسی میں ہے کہ میرے کام میں دخل نہ دو ورنہ تیرا وجود پانی کی طرح بہہ جائے گا!" خالہ نے کڑک کر کہا۔ "او نابکار مجھے کیا دھمکیاں دے رہا ہے ابھی تو میرا لگایا ہوا زخم بھی نہیں بھر سکا‘ کیا یہ ہی تیری طاقت ہے‘ آج تیرا انجام بھیانک ہو گا۔ موذی تو نے جس قدر مظالم کئے اس کے بدلے میں تجھے سسکا سسکا کر مارنا چاہتی ہوں۔" خالہ کی کڑک دار آواز ایک لمحے کے لئے تو شبھ نواس کو بھی لرزا دیا اور اچانک شبھ نواس کچھ بیتاب سا نظر آنے لگا۔

"اوہ مجھے پیاس لگی ہے‘ خون تازہ اور صاف خون..... دل..... جوان ہوتا ہوا دل!" اس نے گاؤں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر غصے سے بھرے لہجے میں بولا۔

"او بڑھیا! پہلے تو میں اپنی پیاس بجھا نہ سکا تھا بلکہ سوچا تھا کہ اس گاؤں سے اب اپنی خوراک حاصل نہ کروں گا۔ مگر اب اسی گاؤں کو میں جہنم بنا کر رکھ دوں گا تجھ سے ہو سکے تو روک لے۔"

اور اسی لمحے وہ فضا میں تحلیل ہو گیا اور میں بھی ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے باہر نکل آیا کیونکہ خالہ بھی مجھے دور دور تک نظر نہ آئیں۔ میں حیران و پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے گاؤں کی طرف دوڑ لگا دی‘ میں نے ابھی تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا ہو گا کہ ٹھٹک کر رہ گیا‘ گاؤں کی طرف سے پھر ایک خوفناک درد میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی تھی‘ مارے خوف کے میں کانپنے لگا تھا اب تک جو دہشت ناک حالات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے‘ شاید خالہ کی وجہ سے خوف محسوس نہ ہوا مگر اب آپ اپنے آپ کو تنہا سا محسوس کرکے مجھ پر خوف نے غلبہ پانا شروع کر دیا تھا‘ میں سوچ ہی رہا تھا کہ گاؤں کی طرف بڑھوں یا..... کہ اچانک گاؤں کی طرف سے ایک سیاہ سا چوپایہ میری طرف آتا دکھائی دیا اور پھر اس چوپائے کی شکل واضح ہوتی چلی گئی۔ اف خدا یہ تو سیاہ بالوں والا ریچھ تھا جو غراتا ہوا میری طرف بڑھا چلا آ رہا تھا اور اسی وقت ایک اور زبردست دہاڑ نے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے تھے۔ میں بھاگنا چاہتا تھا مگر میرے پیر من من بھر کے ہو کر رہ گئے تھے‘ میں بجائے بھاگنے کے اس کوشش میں زمین پر گر گیا‘ میرا سر زمین پر لگا۔ جس سے مجھے زبردست جھٹکا لگا اور جیسے مجھے ہوش آ گیا ہو‘ میں تیزی سے اٹھا اور بجلی کی طرح مخالف سمت میں دوڑ لگا دی‘ دوڑتے دوڑتے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہیں رک کر کھڑا رہ گیا‘ وہاں تے کچھ بھی نہ تھا‘ اف خدا میں کس چکر میں پھنس کر رہ گیا ہوں‘ میں بے بسی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا‘ خالہ ابھی تک نظر نہ آئی تھیں‘ خدا جانے ان کے ساتھ کیا بیتی اور پھر میں خوف سے چلا پڑا‘ خالہ‘ تم کہاں ہو؟ اور اسی لمحے خالہ کریمن میرے پاس کھڑی تھیں‘ ان کے ہاتھ میں تقریباً کوئی تین فٹ لمبا سانپ لٹک رہا تھا جس کا پھن انہوں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ پھر وہ غراتی ہوئی بولیں:

"کیوں شبھ نواس تو اپنے ناپاک علم کے ذریعے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ میں کسی سے بھی شکست نہیں کھا سکتا‘ تجھے اتنا گھمنڈ ہو گیا تھا کہ اس سے بھی ٹکر لے سکے جس کی لاٹھی بے آواز ہے اور یہ کہ انہوں نے اس کا پھن جسم سے الگ کرکے زمین پر پٹخ دیا سانپ کا جسم کچھ دیر تڑپا اور ساکت ہو گیا‘ میں ایک بار پھر چونک اٹھا اب سانپ کی جگہ شبھ نواس کی بغیر گردن کی لاش پڑی ہوئی تھی اور گردن کچھ فاصلے پر پڑی تھی‘ ان کی آنکھیں خوفناک حد تک پھٹ گئی تھیں اور زبان دانتوں کے درمیان آدھی لٹک رہی تھی۔ اچانک میرے تصور میں ایک بار پھر نواب کی لاش گھوم گئی‘ جس کے جنازے کو سر بازار خالہ نے رکوا کر دیکھا تھا‘ وہی کیفیت شبھ نواس کی تھی۔ خالہ نے گھور کر اس کی لاش کو دیکھا اور نفرت سے تھوک دیا۔

"ٹکٹکاتا تیرا اور معصوم جانوں کا انتقام لے لیا گیا کیوں بھیڑیے میں نہ کہتی تھی کہ تیرا انجام بھیانک ہو گا۔"

اور اسی لمحے گاؤں کی طرف سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے حیرت سے گاؤں کی طرف دیکھا' خالہ نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑا اور بولیں۔

"چل دیکھ لیا اس مردود کا انجام۔"

"مگر خالہ یہ لاش؟"

وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولیں۔ "ہمیں کیا' یہاں کتے کافی بھوکے ہیں۔" اور مجھے اس خیال سے ہی جھرجھری سی آ گئی۔

"مگر خالہ خدا کے واسطے اتنا تو بتا دو کہ اب گاؤں پر کیا افتاد آ پڑی جو اس وقت رونا دھونا شروع ہو گیا ہے!" وہ چلتے چلتے بولیں' یہ آوازیں ان گھروں سے آ رہی تھیں' جن کے لال ہمیشہ کے لئے ان کی نظروں میں ختم ہو گئے حالانکہ وہ تو چلتی پھرتی لاشیں تھیں جن کو اس موذی نے زبردستی اپنے ناپاک ارادوں کی خاطر چلنے پر مجبور کر رکھا تھا ان کی تڑپتی ہوئی روحیں اس کے مرتے ہی آزاد ہو گئیں۔" اور پھر ہم اسی راستے سے گھر واپس آ گئے خالہ مجھے میرے مکان تک چھوڑ کر اور میرا وعدہ یاد دلا کر چلی گئیں۔

لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے پھر ایک زبردست جھٹکا لگا والدہ تو ابھی عشا کی نماز ہی ادا کر رہی تھیں' انہوں نے سلام پھیر کر مجھے حیران کھڑے پایا۔

وہ بولیں۔ "خیر تو ہے تو اس طرح کیوں کھڑا رہ گیا۔"

میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں ماں آپ ابھی تک نماز پڑھ رہی ہیں۔"

"کیوں؟" وہ چونک کر بولیں' تیرا دماغ تو ٹھیک ہے نا ارے ابھی تو گیا تھا اور تیرے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی میں نماز پڑھنے کھڑی ہوئی ہوں۔ ابھی تو تیرے ابا بھی نماز پڑھ کر نہیں لوٹے۔"

اور میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے چارپائی پر لیٹ گیا۔ "کمال ہے واہ میرے مولا تیرے اسرار تو ہی جانے اتنی دور کا سفر اور پھر کتنی دیر اس موذی سے نپٹنے میں لگی' مگر یہاں وہی وقت وہی سب کچھ..... اس حادثے نے میری زندگی کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ میں جتنا غور کرتا۔ میرا دل کانپ کانپ کر رہ جاتا اور پھر ایک دم میرے قدم خود بخود مسجد کی طرف اٹھ گئے۔

آج خالہ کو فوت ہوئے دو سال کا عرصہ بیت گیا ہے' اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' مرنے سے دو دن پہلے وہ میرے پاس آئیں اور بولیں۔ "بیٹا ہمارا بلاوا آ گیا ہے۔ ہم تو چلے مالک حقیقی کے پاس اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے

رہنا اور خبردار اگر کوئی علم حاصل کرنا۔ تو شبھ نواس نہ بن جانا بلکہ اللہ کے حضور جھکے رہنا۔ کیونکہ عاجزی اس کو پسند ہے اور پھر انہوں نے مجھے دو ایک وظیفے ایسے بتائے جو اچانک مصیبت میں کام دے سکیں' میں دو سال تک خاموش رہا اور اب اس لئے قلم کو حرکت دے رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے کوئی خود غرض انسان اس کہانی سے سبق حاصل کرے ورنہ اس کی لاٹھی اسے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دے گی جس کے اختیار میں تمام کائنات ہے! یہ میری زندگی کا عجیب خوفناک حادثہ ہے۔ جسے میں مرتے دم تک فراموش نہ کر سکوں گا۔